پستک بھنڈار لاہور کی علمی کتب سلسلہ نمبر ۲

پروفیسر میکس مولر کی مشہور تصنیف

INDIA WHAT CAN IT TEACH US

کا مکمل اُردو ترجمہ

آئین عظمت

یا

بھارت ورش سے ہمیں کیا سکھشا مل سکتی ہے

مترجمہ

مہتہ جیمنی جی بی اے پلیڈر لائلپور

جسے

پنڈی داس مالک پستک بھنڈار لاہور نے

سنہ ۱۹۱۱ء

دیپک راجپوت پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت مجلد ... بلا محصول ... ۱۲/

بھارت گئو رکھشنی سبھا قصور

۱۸۹۸ء

میں

بابا دھنپت رائے جی پلیڈر قصور نے اپنے اہل وطن کے سامنے گئو
رکھشا کی ایک ایسی سکیم پیش کی تھی کہ جس سے نہ صرف بے زبان گائے
چھری کے عذاب سے بچ جائیگی۔ بلکہ اس کا اثر ملک کی مالی حالت پر بھی
بہت اچھا ہوگا۔ کیونکہ اس سکیم کی بنیاد خالص تمدنی اصولوں پر رکھی گئی ہے
بابا صاحب کی طرف سے بارہا اس سکیم کا پرچار ہوتا رہا۔ اخبارات
میں آرٹیکل لکھے گئے اشتہارات تقسیم ہوئے۔ متعدد ٹریکٹ چھاپے گئے
ملک کے تمام اہل دماغ مقتدر لیڈروں کے پاس یہ سکیم روانہ کی گئی کہ وہ
اس پر کاربند ہوکر گائے رکھشا کا عملی ثبوت دیں ورنہ اس سے بہتر
تجویز پیش کریں۔ چنانچہ ایڈیٹر امرت بازار پترکا بابو موتی لعل گھوش نے
ایک پرائیویٹ ملاقات میں اس سکیم کی بہت تعریف کی اور اخبار
میں مضامین لکھنے کا وعدہ بھی کیا۔ مگر افسوس کئی وجوہات کے باعث
آج تک اس پر سرگرمی سے عمل درآمد نہ ہوسکا۔ مقام شکر ہے۔ کہ
بھارت گئو رکھشنی سبھا قصور شہر میں قایم کردی گئی جہاں اب باقاعدہ
کام شروع ہوگیا ہے۔ اگر آپ سچے گئو بھگت ہیں اور آپکو ملک کی مالی حالت بہتر
بنانے کا خیال ہے تو آپکا فرض ہے کہ ادھیکاریاں سبھا کا ہاتھ بٹائیں
ایک پیسہ کا کارڈ لکھکر مکمل سکیم اور دیگر ضروری کاغذات سبھا کے دفتر
سے منگوا کر مطالعہ فرمایئے

المشتہر منتری بھارت گئو رکھشنی سبھا قصور (پنجاب)

دیباچہ

آج سے ۵۳ برس پہلے آریہ سماج کا لفظ صفحہ ہستی پر نہیں تھا لفظ آریہ
ہندوؤں کو کہیں کہیں تاریخوں میں یا بعض دیگر پستکوں میں نظر آتا تھا۔ لیکن کوئی
نہیں خیال کرتا تھا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ آرین لٹریچر (ویدک ساہتیہ) قریباً
ہندوستان کی خواندہ جماعت کی نظر سے مفقود تھا۔ آریوں کی پرانی بزرگی۔
ان کا علم ادب اور ان کی خوبیاں کبھی خیال میں بھی نہیں آسکتی تھیں۔ ویدک
جو انسانی پیدائش کے ساتھ ہی انسان کے آتما کو گیان روپی سوریہ کی طرح شانتی
اور امن کا راستہ دکھلانے والے تھے۔ وہ تو اودیا اور اندھکار کے بادلوں سے
بالکل چھپ چکے تھے۔ آج سے ۵۳ سال پہلے وید کو علم کا بھنڈار اور گیان کا
منبع کہنا شائد پاگل پن تصور ہوتا۔ ایسے خیالات کے ظاہر کرنے والے کو شائد
جنون اور سودا کا مریض خیال کیا جاتا۔ مگر ایشوری نیم کا چکر بھی عجب چل رہا ہے
قدرت کے انتظام اور اس کی ترتیب کو دیکھ کر انسانی دماغ چکرا جاتا ہے۔
انسان کی عقل اس اپار برہم کی اگادھ شکتی اور اس کے اٹل نیموں کو سمجھنے کے
لئے نامکمل اور ناکافی ہے۔ پرماتما کی سرشٹی میں سچ مچ انیک پرہیلیوں کی سدھی
کے لئے ایک طرف ہمیں یہ پرتھوی دھرماتماؤں کے لئے سورگ نظر آتی ہے۔
دوسری طرف یہی پرتھوی پاپی جیووں کے لئے نرک بن رہی ہے
اور پشاچ پرکرتی کے پرش اس پرتھوی پر رہ سکتے ہیں۔ جہاں اس پرتھوی
نے دھرماتماؤں کے لئے آدی سرشٹی سے لیکر کروڑوں برس تک
کا کام دیا تھا۔ وہاں یہی پرتھوی پاپی پرشوں کے لئے نرک کنڈ
ایک ارب چھیانوے کروڑ آٹھ لاکھ ستائیس ہزار سال تک بھوگول پر
کا پرکاش رہا۔ یہ وہ زمانہ ہے جو آج یورپ نواسی عالموں کے دماغ میں بھی
نہیں سما سکتا۔ عیسائیت کے تنگ دائرہ میں گھومنے والے یورپ کے
فاضل اور محقق لوگ جو دنیا کی پیدائش کو چھ ہزار سال سے پہلے ناگفتہ
سمجھتے ہیں۔ وہ آریوں کے یگوں کے سالوں کو دنوں میں تعبیر کرتے ہیں۔ اس

روشنی کے زمانہ کی خصوصیت یہ رہی۔ کہ لوگ ویدک روشنی کی مدد سے ست
مارگ پر چلتے ہوئے ورن آشرم کے دھرم کو پالتے ہوئے پورن اُنتی کرتے
رہے۔ لیکن چھ ہزار برس سے ویدک جیوتی پست ہونے لگی۔ ہردے خود
غرضی اور ادھرم سے ملین ہوتے گئے۔ روشنی کی جگہ سنسار میں اندھکار
بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک ہزار سال کی ادھو گتی کے بعد مہابھارت کے گھور
سنگرام نے منش جاتی کے لکھو کہا پرشوں کا خون بہاتے ہوئے پرتھوی کو
نرک کنڈ بنا دیا۔ بس نتیجہ یہ نکلا کہ آج متیری (یونیورسل برادرہڈ) کا راج منش
جاتی میں نہیں ملتا۔ پریم کی جگہ پھوٹ۔ ایکتا کی جگہ ہانی۔ پرسپر سہائتا کی جگہ ایرشا
اور دویش نے لی ہے۔ کرم گتی کو جاننے والے باریک بین جانتے ہیں۔ کہ رشی
ستان اپنے بُرے کرموں کے کارن ہی اس وقت پرتھوی پر دکھ اور اندھکار
کی بھاگی بن رہی ہے۔ اور قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہوئے تینوں تاپوں
اور پانچوں کلیشوں سے پیڑت ہونے کے کارن خون رو رہی ہے *

مجھے اندیشہ ہے کہ یہ دیباچہ کہیں ضخامت میں اصل کتاب سے نہ بڑھ
جاوے۔ اس لیے مختلف پہلوؤں کو چھوڑ کر میں صرف ایک پہلو کو نظر رکھونگا
۱۸۷۵ء میں ہندوستان کی سڑی ہوئی اور غلاظت سے بھرپور پرتھوی
سے ایک سرسبز اور خوشنما انکور نمودار ہوا جس کا نام آریہ سماج تھا۔

آریہ سماج کے جنم لینے سے پہلے ویدکی نسبت کیا خیالات تھے

مہابھارت کے یدھ کے بعد ویدوں کا پٹھن پاٹھن بالکل گھٹ گیا۔
ویدوتا پاریہ بھیشم جیسے ویدوں کے ودوان اور مہاتما کرشن جیسے
یوگی اس ایرشا اور دویش کی اگنی کے یدھ کے ساتھ ہی اگنی میں بھینٹ
ہو گئے۔ اس کے بعد کا زمانہ تاریکی اور اندھکار کا زمانہ تھا۔ جیوں جیوں ویدوں
کا پٹھن [illegible] ہوتے گئے۔ [illegible] لوگ اپنی پیٹ پوجا میں مست
ہو گئے۔ اس [illegible] خود غرض لوگوں نے ویدوں [illegible] ۔ اس [illegible]

[illegible] اور خود غرضی [illegible] شروع کیا جب سے پہلے [illegible] اور [illegible] جاتے

ویدوں کا بھاشش کر کے لوگوں کو ویدوں سے سخت نفرت دلائی ویدوں
میں وام مارگ زناکاری وبھچار اور زنا پرکار کے دوشن ہو کھلائے یہاں
تک کہ چارواک مت کے بانی برہسپتی نے ویدوں کی نسبت یہ الفاظ بیساختہ
زبان سے نکالے "ویدوں کے بنانے والے بھانڈ دھورت اور نشاچر
ہیں" جس حالت میں کہ ہمیشہ سے وام مارگیوں کی تفسیروں نے سمجھدار
آدمیوں کی شردھا ہی ویدوں پر نہ رہنے دی۔ تو عام لوگ ویدوں پر وچار
کرنے کے قابل کیسے ہو سکتے تھے۔ اندھکار زیادہ سے زیادہ بڑھتا گیا

بدھ دیو کا کومل ہردیہ دھرم کے نام پر جانداروں کی قربانیاں دیکھکر ہل
گیا۔ اس نے پریم اور دیا کا پرواہ چلایا۔ مگر چونکہ ویدوں پر سے کلنک دور کرنے
کی بجائے انہوں نے بھی اپنی بدھی پر تر بھر کیا۔ اس لئے آپ ویدیا کام نہ
کر سکے آپ کے پیروکاروں نے پرم آتما کو بھی جواب دیدیا۔ اس کے بعد
کمارل بھٹ اور شنکر اچاریہ نے اس دھرم پن کو ہٹانے میں بڑا کام کیا
لیکن وہ بھی ویدوں کے گوڑھ آشاؤں تک نہ پہنچے۔ اس لئے مہیدھر کے
لگائے ہوئے کلنک ویدوں کے سر منڈھے ہی رہے +

چودھویں عیسوی صدی میں مادھو اور ساینناچاریہ نے ویدوں کا بھاشش
کیا۔ اور ان سے بت پرستی۔ عنصر پرستی اور توہمات پرستی کا ثبوت دیا۔ گویا ویدوں
اور پرانوں کو باہم ملا دیا۔

الغرض مہابھارت کے زمانہ سے گرتے گرتے آریہ سماج کے جنم لینے کے وقت
تک آریہ ورت میں ویدوں کے پرچار کا گھوارہ تھا۔ ایشوری گیان کے بھنڈار
ویدوں کی نسبت یہ خیال پھیل گیا کہ (۱) ویدوں میں زناکاری۔ وبھچار اور وام
مارگ کے خیالات پائے جاتے ہیں +

(۲) ویدوں میں دیوتاؤں کی پرستش۔ عنصر پرستی۔ آتش پرستی۔
قدرتی نظاروں کی پرستش اور بت پرستی وغیرہ کے خیالات پائے جاتے ہیں۔

(۳) کہ ویدوں میں قصے۔ کہانیاں۔ داستانیں اور روایات وغیرہ موجود
ہیں۔ جو سادہ لوح لوگوں اور سادہ زمانہ کے خیالات اور تجربات کا عکس ہیں۔

(۴) کہ ویدوں میں دیوی دیوتاؤں کے رزمیہ کارنامے اور بطلان پرستی کے خیالات بھرے پڑے ہیں۔

(۵) کہ ویدوں میں قربانیاں اور یگوں میں پشو مارنا اور بلیدان کرنا وغیرہ اس قسم کے خیالات موجود ہیں۔ غرضیکہ آریہ ورت کے دشمن جنہیں اگر اندرونی حملہ آوروں کے نام سے منسوب کیا جاوے۔ تو بیجا نہ ہو گا ویدوں کا مہتو اور ان کی مہانتا کو اس طرح لوگوں کے دلوں سے دور کرنے کے درپے تھے۔

یورپ میں سنسکرت زبان کی کھوج

سر ولیم جونس سب سے پہلا مغربی محقق تھا۔ جس نے کہ سنسکرت علم ادب کو اپنا خاص مطالعہ بنایا۔ یہ علم دوست محض سنسکرت زبان کی خوبیوں کو دریافت کرنے کے لئے کاشی میں گیا۔ چنانچہ اسنے شکنتلا ناٹک کا ترجمہ کرکے یورپ تک پہنچایا یورپ اس پستک کی خوبیوں پہ لٹو ہو گیا چنانچہ فاضل پروفیسر گیٹی جو جرمن کا ایک مشہور شاعر ہو گذرا ہے۔ اس نے دنیا بھر کی خوبیوں کا خاتمہ اس ناٹک کی زبان اور مضمون پر کر دیا۔ واضح رہے کہ یہ ناٹک تو نہایت ہی گرے ہوئے زمانہ کا بنا ہوا ہے۔ جس کو آج دو ہزار سال گذرتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے منوسمرتی کو دیکھا۔ چونکہ اس میں ویدوں کی سند اور بزرگی کا جابجا تذکرہ تھا اسلئے اب اُسے ویدوں کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ جرمنی اور فرانس کے محقق سنسکرت علم ادب کی خوشخبری سن چکے تھے۔ پس ان عالی دماغ ودوانوں نے ویدک گرنتھوں کو دیکھکر سنسکرت کے نئے علم ادب کو اس طرح جواب دیدیا جس طرح کہ سچے ہیرے مل جانے پر چمکیلے سے چمکیلے بلور کے رنگ برنگ کے ٹکڑوں کو سمجھدار انسان حقارت سے پرے پھینک دیتا ہے۔ جہاں ہمارے دیش کے ودوان اور سمجھدار آدمی بے سمجھ بنے ہوئے اپنے بے بہا خزانوں سے بیخبر دربدر ٹھکر گدائی کرتے پھرتے تھے۔ اور اپنے علم ادب اور ویدوں کی عظمت کو اپنی زبان سے ہی کلنک کر رہے تھے۔ وہاں جرمنی۔ فرانس اور انگلستان کے فاضل محقق مادی زندگی کی سرپٹ چال سے تنگ آکر زندگی کی اصلیت پر وچار کر رہے تھے چنانچہ

سر ولیم جونس - حالی اور روبن وغیرہ کی تحریروں کو پڑھکر فرانس اور جرمنی کے محققوں کو کو یقین ہو گیا تھا کہ پراچین آریہ ورت کا علم ادب شکنتلا و رشنو سمرتی پر ہی ختم نہیں بلکہ ان کے محرک کوئی اور گرنتھ ہیں پس انہوں نے ویدک گرنتھوں کا مطالعہ شروع کیا اور آخر کار اس نتیجہ پر پہنچے کہ ویدک علم ادب قدرتی اور قدیمی ہے۔

مغربی سنسکرت دانوں میں سے پروفیسر روزن نے رگوید کی بزرگی کیطرف یورپین سنسکرت دانوں کی توجہ سب سے پہلے کھینچی - اس کے بعد ولسن وغیرہ نے اس طرف اپنی کوششوں کا رجوع کیا - ان سب سے بڑھکر برنوف کے لائق شاگرد ڈاکٹر پروفیسر میکس مولر نے نہ صرف رگوید کا انگریزی ترجمہ ہی یورپین دنیا کے پیش کیا - بلکہ ویدک دھرم سے متعلق بہت سی قیمتی کتب تصنیف کر کے انہوں نے ہندوستان کے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی - اس بیچارے نے نونیک نیتی سے حسبقدر ویدوں کے آشا کو اپنی لیاقت کے موافق سمجھا تھا لوگوں پر ظاہر کیا - چنانچہ وہ خود اس بات کو تسلیم کر لیتا ہے کہ میرے ترجمہ کا بہت کچھ انحصار سائن اچاریہ کے بھاشیہ پر ہے - وہ خود اقبال کرتا ہے کہ میرا ترجمہ آزمائشی ہے - اور یہ ہرگز نہ سمجھا جاوے کہ میرا ترجمہ ویدوں کے آشاؤں کو پوری طرح اور ٹھیک طرح ظاہر کرتا ہے آگے چل کر وہ تسلیم کرتا ہے کہ ویدوں میں کئی ایسے منتر موجود ہیں - جن کا ترجمہ کرنا ہم یورپ نواسیوں کے لئے نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے لیکن اگر کہیں کسی منتر کے آشا کو سمجھکر ان سے کہدیا کہ اس وید منتر سے تو قدیم آریہ لوگوں کا سادہ پن ظاہر ہوتا ہے - ہمارے نوجوان یا آریہ ورت کے لوگ بجائے اس کے کہ ایسے منتروں کی تحقیقات کر کے میکس مولر کی ایسی غلطی کو رفع کرتے اور سنسکرت آدمی ست شاستروں سے اسکی اصلی معانی واضح کر کے اس کے پاس بھیجتے - اس کے خیالات پر لٹو ہو گئے - حتی کہ اُسے اپتا گرو اور سند ماننے لگ گئے - مغربی تعلیم کی گود میں پلے ہوئے نوجوان میکس مولر کی تحریروں سے اثنا ویدوں سے منحرف ہونے لگ پڑے حتی کہ انہیں وحشی زمانہ کی کتابیں بچوں کی بلبلاہٹ اور سادہ وخشک خیالات کا مخزن کہکر پکارنے لگے -

غرضیکہ ویدوں کے بارہ میں آریہ ورت جو ویدک علم ادب کا گھر تھا - جو آریوں

کی تہذیب اور شائستگی کا گہوارہ رہتا تھا۔ جہاں سرشٹی کے آد سے لیکر کروڑوں برس تک ایشور کے امرت سمان منتروں نے ہر ایک قسم کی گیان کی جیوتی سے اپنے ہردے کو منور کر رکھا تھا۔ آہ وہی آریہ ورت ویدوں سے متنفر ہوگیا۔ بائیبل کے قصے کہانیوں سے لوگ زیادہ فریفتہ ہونے لگے۔ اور عیسائی مت کے نئے فانوس کو دیکھ دیکھکر لوگ پروانہ وار فدا ہونے لگے۔ اپنے باپ دادوں کے قدیم اور سچے دھرم کو تلانجلی دینے کے لئے طیار ہوگئے۔ ایسے اندھکار کے زمانہ میں جبکہ آریہ جاتی اپنے گیان کے چمن اور اس کے گلزار کو پانی سے سینچنے کی بجائے یکایک اکھیڑ کر پھینک رہی تھی ضرورت تھی کہ ایسے سرسبز پھلدار پودوں کی رکھشا کیجاوے۔

مہارشی سوامی دیانند سرسوتی کا ظہور ہوا

اسوقت جبکہ آریہ ورت کے خود غرض ودوان برہمن اور یورپ کے محقق اس طرح غلط رائے قایم کر رہے تھے۔ جہاں اپنے دیش میں اس قسم کے بیہودہ اور لغو خیالات ویدوں کی نسبت پھیلنے شروع ہوئے وہاں یورپ کے ودوان بھی اپنی گذشتہ تعلیم کے تعصب میں پھنسکر آریہ ورت کی فلاسفی اور برہم ودیا کا مطالعہ بھی افریقہ اور امریکہ کی وحشی قوموں کی تاریخ کے طور پر کر رہے تھے۔ اور ویدک علم ادب کی اصلیت گم ہونے لگی تھی کہ یاسک۔ پانِنی۔ پاتنجل اور کناد کے دیش میں ایک مہان آتما کا ظہور ہوا جس نے کہ ویدک علم ادب کی کشتی کو بھنور سے نکال ساحل امید پر لا کھڑا کیا۔ اور ویدوں کے بھاشیہ کا آرمبھ کیا۔ اس ناخدا کا نام مہارشی دیانند تھا۔

رشی دیانند نے یورپ کے ودوانوں کے اندر تہلکہ مچا دیا

رشی دیانند کی مہانتا اور جیون چرتر کو درج کرنا اس وقت میرا کام نہیں لیکن میں یہاں صرف اس وقت یہ دکھلاتا ہوں کہ رشی دیانند نے کیا آریہ ورت اور کیا یورپ میں ایک تہلکا مچا دیا۔ جہاں آریہ ورت کے لائق سے لائق پنڈتوں اور ودوانوں

نے رشی مذکور کی قابلیت اور دلیل کے آگے سر جھکایا اس کے برہمچریہ اور تپ کے بل
کے سامنے دم نہ مارا۔ وہاں یورپ اور امریکہ کے ودوان اور برہم گیان کے متلاشی
لوگ دیانند کی شکل دیکھے بغیر اس کی پستکوں اور قابلیت کے آگے سر جھکانے لگے
چنانچہ اس موقع پر فاضلان یورپ اور امریکہ کے چند خیالات کا اظہار کرنے سے نہیں
رک سکتے جس سے ظاہر ہوگا کہ کس طرح رشی دیانند کے بھاشن۔ اور خیالات نے
یورپ کو موہت کر رکھا تھا۔

(الف) ڈاکٹر وائنز صاحب جو جرمنی میں نہایت ہی مستند عالم تھا سفر گزرے
ہیں۔ اپنے ایک خط میں جو مہارشی دیانند کے نام بھیجا حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں۔

میرے مہا پوجنیہ اور پرم شردھی سوامی جی میں اپنے ہردے میں آپ کے لئے
سچے پتا کی طرح عزت کرتا ہوں جس طرح پتر اپنے پتا کا ستکار کرتا ہے میں اسی طرح
آپ کے لئے اپنے دل میں جگہ رکھتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ میں آپ کے چرنوں میں بیٹھ کر
پتر اور شش وت آپ کے سکھیا شبد سے برہم گیان کے اپدیش حاصل کرتا میری
باتوں کو جو بچوں کی طرح آپ سے کر رہا ہوں برا نہ مانیں گے میرے لئے اتیت پریہ تما ہوگا
اگر میں برہم گیان کی پراپتی میں آپ کا پتر اور شش بن کر کام کر سکتا۔ اگرچہ ہمارے
جسموں کے درمیان ایک سمندر حائل ہے۔ (میں اور آپ ایک دوسرے سے بہت
فاصلہ پر بیٹھے ہیں۔ اور ہمارے درمیان ایک بھاری سمندر واقع ہے لیکن ہمارے
دلوں میں اور اپدیشوں کے گرہن کرنے کے لئے اور اپنے بھائیوں کے ساتھ
اپکار کرنے کے لئے کوئی فاصلہ نہیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ میں آپ کے گرنتھوں اور
اپدیشوں سے فائدہ اٹھاؤں خواہ وہ کہیں سے پراپت ہو سکیں۔ میں نے آپ کے لکھے ہوئے
جیون چرتر کو جو میں نے ابھی مطالعہ کیا ہے بہت موثر کیا۔ اس کو پڑھ کر مجھ پر اپنی کمزوریاں
معلوم ہو گئی ہیں۔ اور اپنی زندگی کی جدوجہد میں جو میں نے اعلیٰ کام کرنے کے لئے کیا رہیں
اثر سر و جیاں پہنچا ہے۔ کاش کہ مجھے آپ جیسے ۴۰ سال پہلے آپ جیسا ودوان اور برہم گیانی
گرو ملتا تو آج میں کیا آنند اور پرکاش پاتا۔ اگر آپ اپنا کوئی شش (شاگرد)
بھی بھیجیں میرے دوستوں کو برہم گیان کی ودیا سکھلانے کے لئے بھیجیں تو آپ کی اتیت کرپا ہوگی
[illegible]

ڈاکٹر وائنٹر کی یہ زبردست رائے کیا اسبات [illegible] نہیں دے رہی ہے کہ رشی دیانند کے خیالات نے جو وید کا عکس تھے۔ کس طرح یورپ کے ودوانوں کے دلوں کو تسخیر کر لیا تھا ؞

(۲) ایسا ہی فاضل جارج ملڈائم ڈی سکاٹلنڈ سے سوامی جی کو چٹھی لکھتے ہوئے ورنن کرتا ہے کہ آپ ایشوری گیان اور نش ماتر کے دلدادہ اور پیارے ہیں مجھے بھی سچا گیان پراپت کرئیے اور اس قابل کیجئے کہ دنیا میں رہکر میں سنسار کا اپکار کر سکوں ؞

(۳) فاضل ڈیوسن جیکسن امریکہ نواسی اپنی کتاب "بی آنڈ دی ویلی" (دگھاٹیوں سے پرے) میں کسطرح آریہ سماج اور اس کے بانی کی مہانتا ورنن کرتا ہے۔ جس کو پڑھکر حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح ان لوگوں نے رشی دیانند کے جیون اور اپدیشوں سے فایدہ اٹھایا ؞

اس دیباچہ میں میرا کام رشی دیانند کے اپکاروں اور اپدیشوں کو ورنن کرنے میں ہے۔ صرف یہ جتلانا تھا کہ رشی دیانند کا ظہور واقعی تمام مہذب دنیا کے واسطے ایک پر جلال نظارہ تھا جس کے سامنے یورپ کے مادی دماغ اور مادی فلاسفی کے چراغ چکاچوندی میں پڑ گئے۔ ویدک روشنی نے تمام لمپوں کو مات کر دیا۔ اور یورپ کے ودوانوں اور عالموں کے خیالات ویدک گیان اور سنسکرت کے مطالعہ کیطرف زیادہ مائل ہو گئے۔ اس مختصر دیباچہ میں اب میں یورپ کے چند عالموں کے خیالات دربارہ وید اور ویدک علم ادب ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہوں ؞

ویدوں کے متعلق یورپین محققوں کے خیالات

(۱) فاضل میکس مولر اپنی کتاب چپس فرام اے جرمن ورکشاپ میں یوں لکھتے ہیں۔

"ویدک علم ادب (یعنے وید) کے مطالعہ کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نوع انسان کی تعلیم کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ گویا سرشٹی کے آغاز سے جو تجاوزت

و علمیت انسانوں نے حاصل ہیں اس کا مطالعہ کرتے ہیں جس کا متوازی یا ثانی نہیں دنیا کے کسی ا ... میں کہیں اور نہیں ملتا

(۲) فاضل ولسن اپنے مضامین کی جلد ۳ کے صفحہ ۳۰۴ پر رقمطراز ہے کہ جب یجروید والٹیر کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اپنا یقین ظاہر کیا کہ یہ ایسی نعمت ... متر قبہ ہے جس کے لئے مغرب کو مشرق کا ہمیشہ کے لئے مشکور اور ممنون رہنا چاہئے

(۳) فاضل موگی کالٹ لکھتا ہے کہ رگوید بنی آدم (منشوں) کے تمام خیالات کا نہایت ہی اعلیٰ چشمہ ہے*

(۴) منشیر لیون ڈیلیاس کہتا ہے کہ یونان اور روما کی کوئی یادگار رگوید سے زیادہ قیمتی اور بیش بہا نہیں ہے*

(۵) فاضل منٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اس مقدس دھرم پستک رگوید کی تصنیف کا زمانہ تا حال نامعلوم ہے بنی انسان کے پستکالیہ میں وید سب سے پرانی ... ہیں

(۶) پروفیسر ہیرن صاحب کہتے ہیں کہ بلا شک سنسکرت ... سب سے پرانی تصنیفات وید ہیں۔ سنسکرت کی نہایت ہی قدیمی پستکوں میں ... کہ یہ ان سے پہلے کے موجود ہیں*

(۷) بارتھ صاحب اپنی کتاب "ہندوستان کے مذاہب" کے صفحہ ... پر رقمطراز ہیں*

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ ویدوں میں تمام علوم کے جوہر موجود ہیں۔ ... کہ ان کی سکھشا سچی پدارتھ ودیا کے مطابق ہے*

اگر اسی طرح یورپ کے محققوں کے خیالات کا یہاں اقتباس کیا جاوے تو ایک ضخیم کتاب بن جاوے یہاں صرف جتلانے سے یہ مطلب ہے کہ ویدک علم ادب نے یورپ میں تھلکا مچا دیا ہے۔ اور وہاں کے لوگ سنسکرت نیز پرانی اور آرش گرنتھوں کی کھوج کرنے کے لئے کس طرح سر توڑ کوشش کر رہے ہیں*

میکس مولر نے کہاں ٹھوکر کھائی

میکس مولر کی اس پستک کو پڑھ کر آپ کے دل میں خیال آوے گا کہ اسنے

ویدوں کے آشئے سمجھنے میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں چنانچہ بعض لوگ تو اُسے متعصب
کا خطاب دینے کو تیار ہو جاتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی کوششیں
نیک نیتی پر مبنی نہیں ہیں۔ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ پادری صاحبان کے دباؤ
اور رعب سے اُسنے اپنی رائے کو کمزور کر دیا ہے۔ لیکن اگر آپ اس کی کل کتابوں کو
ذرا غور سے پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو جاویگا۔ کہ اسکی نسبت بیجا نکتہ چینیاں کیجاتی ہیں
تعصب کی تاریکی میں پھنسا ہوا آدمی کبھی اپنی غلطیوں کا اقبال نہیں کرتا۔ میکس مولر
اپنی اس کتاب میں کئی جگہ پر صاف اقبال کرتا ہے۔ کہ ہم لوگ ویدوں کے آشئوں
کو ٹھیک طور پر نہیں سمجھ سکتے نہ ہی وہ اپنے ترجمہ کو مستند کہکر پکارتا ہے جب کہ
وہ صاف کھلے الفاظ میں مانتا ہے۔ کہ ہم تو ویدک علم ادب کی سطح پر پھرتے ہیں +
(چہ جائیکہ ایسے اتھاہ اور گہرے سمندر کے اندر غوطہ لگا کر اس میں سے لعل و موتی
نکالیں) اس سے بڑھکر اس کی نیک نیتی اور راستبازی کا کیا ثبوت ہے۔ کیا اس سے
بڑھکر اس کی ایمانداری کا کوئی ثبوت مل سکتا ہے۔ جبکہ وہ صاف الفاظ میں کہتا
ہے۔ کہ جو شخص اپنے آباؤ اجداد کی عزت کرنا چاہتا ہے۔ جو انسان اپنی روحانی اُنتی
کرنا چاہتا ہے جو انسان کہ دنیا کے اتہاس کی مکمل تصویر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس
لئے ویدوں کا پڑھنا لازمی اور لابد ہے ویدوں کے مطالعہ کے اسقدر شیدا اور مفتون
میکس مولر کو جس نے اپنی کتاب کا تیسرا باب سارا سنسکرت اور ویدوں کی
رکشیا کرنے انکے مہتو اور نکتہ چینیوں کے اعتراضات کے جواب میں لکھدیا اور معترضین
کو اس طرح آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ کہ شاید ہندوستان کا کوئی پنڈت بھی اسقدر ساہس
نہ کر سکتا۔ ویدک دھرم کی ایسی سہایتا کرنے والے کی ہمت کی داد دینا اور حوصلہ
افزائی نہ کرنا میرے خیال میں ناشکرگذاری اور احسان فراموشی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے
میکس مولر نے اپنی زندگی کا بھاری حصہ سنسکرت علم ادب کے پرچار میں لگایا۔
اور اس سے جو کچھ فایدہ اٹھایا۔ وہ اپنے تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ ملک کے ہر ایک
کونے تک پہنچایا۔ انجیل کے چند قصہ جات کو مثلاً آدم حوا کا قصہ اور بابل میں برج تعمیر
کرنے پر زبانوں کے تبدیل ہونیکی روایت کو لغو اور بیہودہ قرار دینا صاف ظاہر کرتا
ہے کہ سنسکرت کی صداقت اور بزرگی نے اسکے اندر گھر کر لیا تھا۔ اگر ہماری دیانتد

اور پنڈت گرو دت جیسے فاضل سنسکرت سے اس کا کہیں ملاپ ہو جاتا تو ان سے ویدوں کے پڑھنے کی سچی پرنالی معلوم ہو جاتی تو وہ آریہ سماج کا ایک سچا بھگت اور پورن وشواشی بنتا ۔

یورپین محققوں سے ٹھوکریں کھانے کے کیا کارن ہیں

اس میں شک نہیں کہ یورپ کے ودوان میکس مولر۔ سر ترت جالی۔ ودسن کالبرک۔ وٹنے۔ مینی۔ باپ۔ راہتھ وغیرہ سب نے سنسکرت کے ویاکرن کو ٹھیک نہ سمجھنے کے کارن ویدوں کے ارتھوں کو ٹھیک نہیں سمجھا اور اس وجہ سے بیچاروں نے کئی جگہ ٹھوکریں کھائی ہیں لیکن بایں ہمہ وہ چنداں مواخذہ کے قابل نہیں ہیں۔ بوجوہات ذیل ۔

(۱) ان لوگوں نے اپنی ماتا کے پیٹ میں ہی عیسائی دھرم کی تعلیم پائی ماتا کے دودھ میں انہوں نے بائبل کے قصوں کو پڑھا۔ اور انجیلی خداؤں کے خیالات کو ماتا کی گود میں ہی مطالعہ کیا ان کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ بلکہ خون کے اندر انجیل کے خیالات گھسے ہوئے تھے۔ اس لئے انجیل کے خیالات کو جو ان کے جسم و جان و خون و جگر کا جزو بنے ہوئے تھے یک لخت ترک کرنا آسان نہ تھا۔ جنہوں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ انجیل کی تعلیم اور عقاید میں بسر کیا ہو۔ ان کے لئے یک لخت وید روپی سورج کی چمک سوائے ان کے دماغ کی آنکھ کو چندھیا دینے کے اور کیا کر سکتی تھی۔ اس لئے ویدوں کے اعلیٰ علمی خیالات کو وہ ناممکن خیال کرتے رہے ۔

(۲) بدقسمتی سے انہیں ویدوں کے متعلق صرف سائنا اچاریہ اور مہی دھر کے سوا اور کوئی بھاشیہ دستیاب نہیں ہوئے اسلئے انہیں ان دونوں بھاشیوں کے سہارے پر ہی ترجمہ کرنا پڑا۔ مہی دھر کا بھاشیہ تو ویدوں کو سخت کلنکت کرتے ہوئے ان میں سے وام مارگ کو سدھ کرتا ہے۔ دنیا میں کوئی ایسی برائی نہیں۔ جو ویدوں کے سر نہ منڈھی گئی ہو۔ وبھیچار۔ ماس۔ شراب۔ جوا وغیرہ یہ سب عیب وید منتروں سے ہی سدھ کئے گئے ہیں۔ سائنا چاریہ کا بھاشیہ ویدوں میں توہمات پرستی۔ عنصر پرستی۔ بھوت پرستی اور دیوتا پرستی وغیرہ خیالات کا اظہار کرتا ہے۔

اس لئے اگر یورپ کے ودوانوں نے آریہ ورت کے موجودہ بھاشیوں کا سہارا لیکر اپنے ترجمے کر دئیے ہوں۔ تو وہ بیچارے اسقدر قابل مواخذہ نہیں ہو سکتے جسقدر کہ ہمارے اپنے دیش کے پنڈت لوگ اُن لوگوں کے اندر خود سید۔ ہا دیدوں کے ترجمہ کرنے کی طاقت اور جرأت نہیں ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ولسن کے ترجمہ پر فاضل وٹنی یوں رقمطراز ہے ولسن کے اکثر ترجموں کیطرح جو کہ سید ہے وید سے کئے جانے بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ ترجمہ زیادہ تر دیسی بھاشا (مراد سائنا اچاریہ کے بھاشیہ سے ہے) کے مطابق کیا گیا ہے۔ بجائے اس کے کہ بذات خود وید وں سے کیا جاتا۔ نہ ہی بلحاظ جوہر مطلب نہ ہی بلحاظ درستی ترجمہ کے اصل (مول) کو ٹھیک طور پر ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ راجندر لعل متر بھی انڈو آرئینز جلد ۲ صفحہ ۱۲۱ پر اسکی تائید میں الفاظ کرتا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ولسن کا ترجمہ جو لفظی طور پر صحیح نہیں ہے۔ میری طبیعت اس خیال پر مائل معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس قسم کے سوالوں میں یہ زیادہ تر مناسب ہے۔ کہ دیسی مفسروں پر بھروسہ کیا جاوے جنہوں نے کہ اپنی روائتی تعلیم زمانہ قدیم سے بسلسلہ وار سنسکرت کے عالموں اور وودانوں کی جماعت کی معرفت حاصل کی ہے۔ بجائے اس کے کہ ان زمانہ حال کے ودیشیوں کے جوہر معنی کو منظور کیا جائے۔ جنہوں نے کہ اپنا مطلب اپنی فرصت کے وقت کے مطالعہ سے حاصل کیا ہے"

یہ تحریریں صاف ظاہر کرتی ہیں۔ کہ میکس مولر آدی فاضلان یورپ نے ویدک علم ادب کے سمجھنے میں جسقدر غلطی کھائی۔ اس کے ذمہ دار ہمارے اپنے ہی دیش کے بھاشیہ کار ہیں؞

(۳) ایک اور وجہ بھی یہ ہے کہ یورپ کے محققوں نے آریہ ورت کی کبھی شکل تک آکر نہیں دیکھی نہ ہی بیچاروں کو ہند کے قدیمی رسم و رواج کا پتہ ہے۔ نہ ہی وہ ہمارے سنسکرت پاٹھشالاؤں کی طرز تعلیم سے آگاہ ہیں۔ نہ ہی انہیں وہ شیلی یا پرنالی معلوم ہے۔ جس پر ویدوں کے سمجھنے کا انحصار ہے۔ مہارشی دیانند نے بتلایا کہ ویدوں کے سچے ارتھ کرنے اور ان کی آشاؤں کو سمجھنے کے لئے پہلے ان پستکوں کا مطالعہ کرنا اور انہیں اچھی طرح سمجھنا لازمی ہے۔ یعنی چھند۔ ویاکرن۔ کلپ۔ نرکت

جیوتش ۔۔۔ صرف علوم مندرجہ بالا کا پڑھنا ہی کافی ہے بلکہ آگے چل کر رشی بتلاتے ہیں۔ کہ ویدوں کے ساتھ آپ وید۔ ویدوں کے انگ اور اپانگ کو پہلے پڑھنا ضروری ہے۔ جب تک ویدوں کا مطالعہ مندرجہ بالا علوم اور کتب کو پڑھ کر نہ کیا جاوے۔ تب تک ان کا سمجھنا محال ہے۔ معزز ناظرین کیا آپ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ یورپ کے کسی ودوان نے مندرجہ بالا طریق تعلیم کو مدنظر رکھ کر ویدوں کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان بیچاروں کو تو معمولی ویاکرن ہی نہیں آتا۔ چہ جائیکہ کھٹ شاستروں۔ برہمن گرنتھوں اور دیگر علوم میں بھی پوری مہارت حاصل کریں۔ سوامی ورجانند جی سرسوتی تو لگھو کومدی اور سدھانت کومدی کو سخت نفرت سے دیکھتے تھے۔ اور مہارشی دیانند سرسوتی اسے کومتی (یعنے بدھی کو بگاڑنے والی کہا کرتے تھے۔ ان رشیوں نے بتلایا کہ پانی کرت اشٹادھیائی اور پاتنجل کرت مہابھاشیہ ہی ویدک ساہتیہ کے خزانہ کو کھولنے کی کنجیاں ہیں۔ لیکن کیا یورپ کا کوئی ودوان جرأت سے کہہ سکتا ہے کہ اس نے اشٹادھیائی یا مہابھاشیہ کا مطالعہ کیا ہے۔ یا ان کے سوتروں کے اشٹا کو سمجھا ہے یا کم از کم سمجھنے کی کوشش بھی کی ہے میرا خیال ہے کہ یورپ کے سنسکرت کے بڑے بڑے عالم جو اپنی لیاقت اور قابلیت کی شیخی بگھارتے ہیں۔ اور اپنی علمیت کی ڈینگیں مارتے ہیں انہیں اشٹادھیائی کا ایک ادھیا بھی یاد نہیں ہوگا۔ مطلب سمجھنا اور اس کے سوتروں کو وید منتروں پر اطلاق کرنا تو بجائے خود رہا۔ جب یورپ کے سنسکرت دانوں کی اندرونی استعداد کی یہ تصویر ہے۔ تو پھر ان سے یہ امید کرنا کہ وہ ویدوں کا بھاشیہ سوامی دیانند جیسے بال برہمچاری اور تپسوی جیسا کریں محض خیال و وہم ہے۔ اس لئے لازمی اور ضروری تھا۔ کہ وہ بیچارے آریہ ورت کے زمانہ حال کے پنڈتوں کے ہی خیالات کو اپنے ترجموں میں ظاہر کرتے۔

(۴) ویدک شبد یوگک ہیں۔ اور ان کے معنی روڑھی شبدوں میں ہی آ سکتے ہیں۔ یورپ کے ودوان لوگ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ ویدوں میں اگنی شبد آیا تو انہوں نے جھٹ اس کے معنی آگ کے کر دیئے۔ لیکن اگر وہ تمام شبدوں کے

جائیں۔ تو اگنی کے معنی پرکاش کرنے والے یعنے پرماتما اور وید کے نکلیں گے۔ مگر وہ
بیچارے ان گوڑھ آشئوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ فاضل پنڈت گرودت ایم اے نے
اس کی تشریح اپنی کتاب نامی ٹرمینالوجی آف دی ویداز میں بہت وضاحت
سے کی ہے۔ پس جہاں یورپ کے سنسکرت دانوں کے دماغ میں وید کے الفاظ
اگنی۔ وایو۔ ورن۔ اندر وغیرہ دیکھ کر دیوتے گھس جاتے ہیں کیونکہ وہ روڑھی (ظاہری معنوں
کی حد سے باہر تجاوز نہیں کر سکتے۔ وہاں پراچین رشی لوگ اور مندرجہ بالا ودیا کے
پڑھنے والے صاحبان کے یوگک معنی نکال کر یہ تمام شبد پرماتما کے واچک بتلاتے ہیں

(۵) یاسک منی۔ مہارشی دیانند اور تمام رشیوں کی رائے ہے کہ علاوہ مندرجہ
بالا ودیاؤں کے جاننے کے ویدوں کے آشے کو وہی سمجھ سکتا ہے جو پورن برہمچاری
ہو۔ پورن تپسوی ہو۔ پورن یوگی ہو۔ ایشر بھگت ہو۔ دوش آدی اوگنوں سے رہت ہو۔
اگر ویدوں کے سمجھنے کا یہ معیار درست ہے۔ تو آپ خیال فرماویں کہ یورپ کا کوئی
ودوان بھی ان صفتوں سے موصوف پایا جاتا ہے اس لئے وید کے سمجھنے یا ان کے
آشئوں کے انوبھو کرنے کے وہ ادھیکاری بھی نہیں ہیں۔ یہی تو وجہ ہے کہ میکس مولر
صاحب خود مانتے ہیں۔ کہ وید کے بعض منتروں کا سمجھنا ہماری قابلیت اور ذہانت سے
باہر ہے۔ ابھی ہم وید کے ساہتیہ کی سطح پر پھر رہے ہیں۔ اس لئے جب تک تعصب
کو چھوڑ کر نکتہ چینی کا خیال دل سے دور کر کے من کو صاف کر کے ایکاگر چت ہو کر دیگ
دواسا وید منتروں کے سمجھنے اور انوبھو کرنے کا یتن نہ کیا جاوے۔ تب تک وید کا سمجھنا اور
ان کے ارتھوں کو انوبھو کرنا دشوار ہے۔ اس لئے وہ بیچارے سندھو۔ جمنا۔ اور گنگا
آدی شبدوں کو وید میں دیکھ کر جھٹ پنجاب کے دریاؤں کی طرف دوڑتے ہیں۔ ان کے
یوگک معنوں کو اپنے دماغ میں بھی نہیں لا سکتے ۔

(۶) اس طرح سے اور بھی بیسوں دیگر وجوہات ہیں جو بباعث خوف طوالت ہم
یہاں درج نہیں کر سکتے۔ آپ خیال تو کریں کہ گورنمنٹ کا موجودہ قانون جو زمانہ حال
کی مروجہ زبانوں میں موجود ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے کس قدر قابلیت درکار ہے مختلف
عالم لوگ مختلف تعبیریں اس کی کرتے ہیں۔ مختلف تاویلیں اور تشریحیں کی جاتی ہیں۔ کئی
لائق فائق آدمی اس کے سمجھنے کیلئے اپنے دماغ لڑاتے ہیں۔ لیکن وہ وید جن کی پیدائش

زمانہ کے بارہ میں ابھی تک یورپ کے عالم لوگ اختلاف رکھتے ہیں۔ اور میکس مولر خود مانتا ہے کہ ویدوں کی ابتدائی زمانہ سالوں میں گنا نہیں جاسکتا۔ اور فاضل ہمفر بھی اسے ناتحقیقی کے نام سے پکارتا ہے جس کو ہماری اصطلاح میں اناوی کہتے ہیں کیا اسکے شبد، سور اور معانی کو سمجھنے کے لئے معمولی زبان کی سنسکرت چند اکھشر یا پنگ پڑھ لینا کافی ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔

اس لئے میں اسباب کے کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ یورپ کے ودوان اور محقق لوگوں نے ابھی تک ویدوں کے آشاؤں کو نہیں سمجھا اور نہ ہی وہ سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ اس لئے جسقدر غلطیاں انہوں نے کی ہیں۔ جسقدر ٹھوکریں انہوں نے کھائی ہیں بجا ہیں۔ اور وہ اس لئے قابل مواخذہ نہیں ہیں ٭

میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ یورپین محققوں کی غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کے جواب کے لئے اور ان کے اعتراضوں کی تردید کے لئے ایک بھاری ضخیم کتاب چاہئے اور وہ میرے جیسے کم فرصت آدمی کا کام نہیں بلکہ ایک بھاری عالموں کی جماعت کا کام ہے جو ہمہ تن ہو کر اس کام میں اپنا وقت اور روپیہ لگا کر یورپ کے ہر ایک محقق کی کتاب کا اندولن کرے۔ اور انہیں اپنی دلائل۔ واقعات اور اصلی معانی سمجھ کر راہ راست پر لائے۔ اس لئے اس مختصر سے دیباچہ میں یہ ظاہر کرنا بڑا مشکل ہے کہ میکس مولر نے کتاب زیر بحث میں کیا کیا غلطیاں کھائی ہیں۔ میں صرف یہاں چار یا پانچ امور کا مختصر جواب دیکر اپنے دیباچہ کو ختم کرتا ہوں ٭

میکس مولر کی چند صاف اور بدیہی غلطیاں

(۱) ویدوں میں دیوتا پرستی

فاضل میکس مولر نے اپنی کتاب ہذا میں ایک خاص لیکچر در باب ویدوں کے دیوتاؤں پر لکھا ہے اس میں کبھی اندر کو کبھی آسمان کو کبھی پرتھیا کو کبھی مرت کو ایک دوسرے پر ترجیح دیکر بتلایا ہے کہ اس قسم کے دیوتا ویدک زمانے میں مانے جاتے تھے مگر میکس مولر خود ہی اپنی کتاب میں چند ایسے ویشیشن پیش کرتا ہے جن سے وہ مانتا ہے کہ ویدمیں وحدانیت پرستش کے ایسے صاف منتر پائے جاتے ہیں جو توریت

اور انجیل کے آیات سے بھی بڑھکر صاف ہیں۔ اس وقت یورپ کے تمام علما کی رائے ہے۔ کہ ویدوں میں بت پرستی یا مخلوق پرستی وغیرہ بالکل نہیں ہے۔

(الف) مارٹن ہین صاحب اپنی تاریخ ہند میں فرماتے ہیں "ویدوں کا خاص مسئلہ خدا کی وحدانیت ہے چنانچہ عناصر اور چھوٹے دیوتاؤں کو صرف بطور استعارہ کے خدا کی قدرت کے ظہور کے واسطے بتلایا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ دیوتاؤں کے نام اس میں ہیں لیکن کسی دیوتا کو فضیلت نہیں دیگئی اور کبھی یہ نہیں کہا گیا۔ کہ ان کی تم پوجا کرو کرشن اور شو کی کہانیوں کا کہیں ان میں پتہ نہیں لگتا۔ درحقیقت اس شروع زمانہ میں نہ تو کوئی مورتی معلوم ہوتی ہے۔ نہ کوئی ایسی چیز یا مندر ہے جسے وہ پوجا کریں"

(ب) محقق کالبرک صاحب فرماتے ہیں "ان شجاع اور دلاور لوگوں میں سے جن کا ویدوں میں تو ذکر نہیں۔ مگر آج کل کے مندروں کے دیوتاؤں میں بڑا رتبہ حاصل ہے (مثلاً رام و کرشن) کسی کو مطلق دیوتا بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان دیوتاؤں کا بھی جن کے بلیدوتا رہیں کہیں ذکر نہیں پایا جاتا"

(ج) فاضل ولسن صاحب اپنے ایک لیکچر میں فرماتے ہیں "وید سے بتوں کا رواج اور پرستش کی چیزوں کے ظاہری نشان اور علامت کا پتا ثابت نہیں ہوتا"

ویدوں کی پیدائش کا زمانہ۔ فاضل میکس مولر نے کتاب زیر بحث میں ویدوں کی پیدائش کا زمانہ ۱۵۰۰ برس قبل مسیح تسلیم کیا ہے۔ مورخ الفنسٹن صاحب دو ہزار برس قبل عیسوی تسلیم کرتے ہیں لیتھبرج صاحب اور ہنٹر صاحب ۱۲۰۰ برس قبل عیسی مانتے ہیں غرضیکہ جتنے یورپین مورخ ہیں اتنے ہی اختلاف رائے رکھتے ہیں اور بمصداق جتنے منہ اتنی باتیں جس بارہ میں کہ کل گواہوں کی شہادت میں اختلاف ہو سکیا وہ بات ماننے کے قابل ہو سکتی ہے۔ پس جبکہ ویدوں کی پیدائش کے بارہ میں ایک بھی یورپین مورخ دوسرے کے ساتھ اتفاق رائے نہیں کر سکتا تو ہم کس کی بات کو مانیں سوائے اس کے کہ ان تمام کی شہادت یا بیانات کو ناقابل وثوق قرار دیکر مسترد کر دیں۔ اس کا خاص سبب یہ ہے۔ کہ یورپین مورخ تو انجیل کے عقیدہ کے مطابق دنیا کی پیدائش

کو چھ ہزار سال قبل مسیح مانتے تھے۔ اس لئے وہ انجیل کے تنگ دائرہ سے باہر نکلنا پسند نہیں کرتے تھے۔ پس ہر ایک علمی تحقیقات اور تصنیفات کو وہ چھ ہزار برس کے اندر ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ دنیا کی کسی یادگار کو یا کسی دھرم پستک کو بھی ۲۰۰۰ برس سے پہلے کی نہیں مان سکتے۔ لیکن اب یورپ کے ہی فاضلوں نے مذہبی تحقیقات کو تیزی کر کے علم جیالوجی نے باطل کر دیا۔ گھگول ودیا (علم ہیئت) اور علم نباتات وغیرہ سے ثابت کر دیا ہے کہ دنیا کی پیدائش کو کروڑوں برس گذر چکے ہیں۔ اور انسان کا وجود بھی کروڑوں برس سے موجود ہے۔ اب ہم پہلے شاستروں سے ثابت کریں گے کہ وہ ویدوں کی پیدائش کا زمانہ ہندوؤں کے شمار میں نہیں آسکتا۔ بلکہ یہی تسلیم کرنا پڑیگا کہ جیسے پرماتما نے انسان کو صفحہ ہستی پر لاکر اس کی جسمانی حفاظت کے لئے ہر ایک قسم کا سامان مثلاً سورج زمین ہوا۔ پانی اور غذا وغیرہ بہم پہنچائے ویسے ہی اس کی آتمک پالنا اور حفاظت کے لئے بھی اپنا سچا گیان عطا کیا۔ جسے ہم وید کہتے ہیں۔ تاکہ وہ اس کی ہدایات پر چلتا ہوا آرام سے اپنا جیون بسر کر سکے +

(۱) پروفیسر ہاگ صاحب ژند اوستھا کو جو پارسیوں کی مذہبی کتاب ہے چار ہزار برس کی پرانی کتاب مانتے ہیں۔ اس کے اندر ہوم بیشٹ کے باب میں اتھرو وید کا ذکر ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ژند اوستھا سے پہلے وید موجود تھے۔ گویا مسیح سے ۲۰۰۰ برس پہلے ویدوں کے ژند اوستھا میں پائے جاتے ہیں +

(۲) میڈم بیلوٹسکی صاحبہ کی تحقیقات غار و جنگل ہندوستان صفحہ ۱۴۱ میں فرماتی ہیں۔ اور مارٹن ہاگ صاحب اسکی تائید کرتے ہیں۔ کہ ایتری برہمن قبل از مسیح ۲۰۰۰ اور ۲۴۰۰ سال کے درمیان موجود تھا۔ یہ برہمن ویدوں کی تفسیر یعنی شاکھا ہے جس سے پایا جاتا ہے۔ کہ وید مسیح سے ۲۴۰۰ برس پہلے سے موجود تھے۔ ایسا ہی منو سمرتی سوتر سد ہانت۔ رامائن اور مہابھارت وغیرہ سب پستکوں میں وید کا ذکر پایا جاتا ہے۔ میکس مولر صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا بھر کے پستکالیہ میں رگوید سب سے پرانی اور قدیمی پستک ہے آجتک کسی مہذب اور غیر مہذب ملک میں کوئی نسخہ قلمی ایسا نہیں پایا جاتا جو ویدوں سے پہلے لکھا ہو۔ جبکہ

رامائن کی تصنیف کو لاکھوں برس۔ منوسمرتی کی تصنیف کو کروڑوں برس
ہو چکے۔ سوریہ سدھانت ان سے بھی پہلے کی تصنیف ہے اور ان تمام کتب
میں ویدوں کے حوالے موجود ہیں۔ حالانکہ وید میں کسی گزشتہ کا نام یا حوالہ تک
درج نہیں ہے۔ تو اس سے صاف نتیجہ نکلے گا۔ کہ ویدوں کی پیدائش کا زمانہ
اس قدر دور دراز ہے کہ جو سالوں کی پیمائش میں نہیں آسکتا۔ اس لئے
میکس مولر کو اپنی کتاب ہذا کے صفحہ ۱۸ پہ صاف الفاظ میں اقبال کرنا
پڑتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے "ویدوں کو ہم اس لئے انادی (ابتدائی) کہتے
ہیں کیونکہ دنیا میں کوئی تحریری دستاویزات سے پہلے کا نہیں پایا جاتا۔
چنانچہ ویدوں کی زبان۔ فلسفہ۔ فسانے اور رسم اس قسم کے ہیں۔ کہ
ہمارے سامنے زمانہ سلف کا وہ عہد لاتے ہیں۔ جسے کوئی شخص سالوں میں
اندازہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ انسانی خیالات کی تاریخ کے اعلیٰ
کی مستند شہادت ویدوں سے پائی جاتی ہے۔ جب ہم ویدوں کی دریافت
سے پہلے قطعی لاعلم تھے" میکس مولر کی یہ [illegible] خیال میں ناطق
ہے۔ [illegible] کی کافی تردید ہے۔ کہ وید ہزاروں سالوں [illegible] سے اس
قدر سال پہلے تصنیف ہوئے۔ اس لئے [illegible] تک پہنچا سکتے ہیں
بات تو یہ ہے کہ ویدوں کی پیدائش کا زمانہ ٹھیک ٹھیک بتانا بہت مشکل
اور غیر یقینی ہے۔ پس گویا یہ صاف ثابت ہے کہ وید انادی (ابتدائی) زمانہ
سے چلے آتے ہیں۔

قدیم آریہ ورت میں لکھنے کا رواج

میکس مولر نے اپنی کتاب ہذا میں لکھا ہے کہ لکھنے کا رواج مسیح
سے تین سو برس پہلے رائج ہوا۔ اس سے پہلے وہ لکھنا مطلق نہیں جانتے تھے
میکس مولر نے یا تو اس بارے میں مکمل تحقیقات نہیں کی۔ ورنہ اس کی یہ رائے
ناقص اور غیر مکمل ہے۔ کیونکہ ہندی وید شاستروں میں جا بجا لکھنے اور تحریرات
کے حوالے موجود ہیں۔

صدیوں سے جانتے ہیں اور انہیں معلوم ہے کہ ان کے اندر مشابہت پائی جاتی ہے - لیکن اس مشابہت کی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی تھی - بعض کا خیال ہے کہ یونانی الفاظ کی بناوٹ کے لئے لاطینی زبان کلید کا کام دیتی ہے اور بعض کا خیال اس کے برعکس تھا - اس کے بعد جب ٹیوٹن زبانیں (یعنی گاتھک - انیگلو سکسن سلیونک اور کلٹ) لوگ پڑھنے لگے تو ان سب زبانوں کے اندر باہمی مشابہت معلوم ہوئی لیکن یہ امر ابھی کوئی حل نہ کرسکا کہ کس طرح ان زبانوں میں باہمی مشابہت پائی جاتی ہے اور کس طرح ان کے درمیان تفاوت پڑی تمام عالم لوگ اپنے خیال سے گھوڑے دوڑاتے اور خیالی پلاؤ پکاتے رہے لیکن خوش قسمتی سے سنسکرت زبان نے اپنا جلوہ دکھلایا پس فوراً روشنی ہوگئی اور تمام زبانیں اب ایک دوسرے کو اپنی قدیمی بچھڑی ہوئی بہنوں کی طرح پہچاننے لگیں - **سنسکرت اُن سب کی بڑی بہن نکلی** اور بہت سے معاملات و مشکلات اُسنے منکشف کر دیئے - جو بیچاری چھوٹی بہنوں کو فراموش ہوگئے تھے تاہم ہر ایک زبان اپنی اپنی جگہ پر ایک تاریخی واقعہ ہے اور ہر ایک کی اصلیت اور حالات معلوم کرنے کے لئے انسانی دماغ کی ضرورت ہے ؛

جس طریقہ سے کہ تاریخ کا یہ پرانا باب (یعنی زبانوں کی اصلیت اور مشابہت کا حال) معلوم ہوا وہ بہت سہل اور سادہ ہے ذرا ان الفاظ پر غور کریں جو آریہ نسل کی ساتوں شاخوں میں ایک ہی بناوٹ اور معنی میں آتے ہیں اُن سے حقیقی اور اصلی حالات کا پتہ لگ سکتا ہے کہ ہمارے قدیمی آباو اجداد کے خیالات کیسے تھے قبل اسکے کہ وہ ہندو - فارسی - یونانی - ٹیوٹن - کیلٹ یا سلیو کہلائے جانے لگے - اگرچہ بعض الفاظ بباعث بہت قدامت کے ایک دو زبانوں میں مفقود ہوگئے ہیں لیکن جب تک اسکے برخلاف کوئی کافی ثبوت یا شہادت نہ ہو ہم تسلی کریں گے کہ آریہ لوگوں کی باہمی جدائی سے پہلے یہ الفاظ موجود تھے مثلاً سنسکرت میں اگنی اور لاطینی میں اگنس کے معنی آتش کے ہیں اس سے پایا جاتا ہے کہ قبل اس کے کہ آریہ لوگ ایک دوسرے سے الگ ہوئے - وہ آگ کا استعمال کرنا جانتے تھے ایسا ہی لوتھوینین میں اُگنس اور سکاچ میں اُگل کے

لیکھرام شہید نے اپنی کتاب تاریخ دنیا میں ثابت کیا ہے کہ الفاظ ورق قرطاس پارچ منٹ ۔شیٹ وغیرہ سب الفاظ سنسکرت دھاتوں سے نکلے ہیں ۔ اور ہماری تمام دھرم پستکوں سے پایا جاتا ہے ۔ کہ علم تحریر مدتوں سے ہمارے دیش میں رائج چلا آتا ہے +

منوسمرتی کا زمانہ

فاضل میکس مولر نے اسی کتاب میں تحریر کیا ہے ۔ کہ منوسمرتی ۵۰۰ برس قبل مسیح لکھی گئی چنانچہ فاضل منٹر نے بھی اپنی کتاب تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ پانچ سو برس ۔۔ قبل عیسے منو نے ایک شاستر شمالی ہند کے برہمنوں کی رسم وقواعد کے لئے بنایا ۔ مگر تحقیقات ایشیا جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ پر چند یورپین علماء کی رائے ہے کہ یہ کتاب نوسو برس قبل مسیح لکھی گئی چنانچہ آنریبل الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی بھی تاریخ ہندوستان صفحہ ۲۲۵ میں فرماتے ہیں کہ اس مجموعہ (منوسمرتی) کا مصنف نوسو برس قبل مسیح ہوا ہوگا

ایسا ہی آپ جس قدر مصنفوں کی رائے کو غور سے دیکھینگے ایک کے ساتھ دوسرے کی رائے نہیں ملتی ہر ایک محقق اور مصنف اپنے اپنے قیاسی گھوڑے دوڑاتا ہے اور اپنے زعم میں ٹھیک تحقیقات کا فخر کرتا ہے ۔ سچ ہے ۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست یہی فاضل منٹر اپنی کتاب مختصر تاریخ ہند حصہ اول صفحہ ۹۰ پر منو کو تو ۵۰۰ برس قبل مسیح مانتا ہے ۔ لیکن مہابھارت کو مسیح سے ۱۲ سو برس پہلے تک پہنچاتا ہے ۔ حالانکہ مہابھارت میں جابجا منوسمرتی کے حوالے موجود ہیں ۔ چنانچہ ایک شلوک میں صاف ظاہر ہے کہ پُرانہ گرنتھ ۔ منوسمرتی ۔ وید معہ وید انگ ان چاروں کی آگیا ضرور ماننی چاہیئے ۔ کبھی ان کے ارشاد سے انکار نہ کرے ۔ ایسا ہی چھاندوگ برہمن میں آیا ہے ۔ کہ جو کچھ منو نے کہا ہے وہ ادشد ہیوں کی کھی ادشدھی ہے ایسا ہی پراشر سمرتی میں اور برہسپتی وغیرہ نے منوسمرتی کو مستند در پردہان مانا ہے ۔ حالانکہ منوسمرتی میں سوائے وید کے کسی اور پستک کا حوالہ درج نہیں ہے +

رام کرشن ۔ مہرشی ۔ وشنو وغیرہ کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے ۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ منوسمرتی ویدوں کے پیچھے ہی +

وغیرہ زبانوں کے بکھرے ہوئے خیالات (یا کھنڈرات) سے جمع کی گئی ہے وہ بہت دیرینہ اور طویل خیال کے عمل کا نتیجہ ہے۔ تاریخی لحاظ سے اس کا کھوج لگانا بہت مشکل ہے کیونکہ زندگی کا یہ بہت دیرینہ اور نہایت ہی قدیم زمانہ ہے لیکن اگر ہم سنسکرت کو ۱۵۰۰ برس قبل مسیح ایک مکمل زبان پاتے ہیں جو لاطینی اور یونانی سے بالکل مختلف ہے۔ تو سنسکرت یونانی اور لاطینی کی ندیاں کس سمندر میں جا کر ملینگی جہاں سے کہ وہ مشترکہ (ایک ہی) سوت سے نکلکر جدا ہوئیں اور اگر ہم اُن زبردست قومی چشموں کا سُراغ نکالتے ہیں اور اُن کو مشترکہ دہانہ تک پہونچاتے ہیں تو مشترکہ زبان (جہاں سے کہ یہ سب زبانیں نکلی ہیں) بمنزلہ ایک چٹان معلوم ہوتی ہے جو کہ خیالات کے مد و جذر سے صدہا سال تک گھسنی رہی ہے اور صاف ہوتی رہی ہے۔ مثلاً ہمیں اُس زبان میں ایک مُرکّب لفظ "اسمی" ملتا ہے جسکے معنی ہیں "میں ہوں" یونانی میں "یو ہمی" دیگر زبانوں میں اس قسم کا مترادف لفظ بہت کم پایا جاتا ہے۔ انگریزی میں سوائے لفظ "آئی ایم" کوئی اور لفظ نہیں ہے۔ لفظ "اسمی" میں "اس" دہاتو یعنی فعل ہے جسکے معنی "ہے" کے ہیں اور "مِی" (یعنی "میں") اسم ہے۔ لیکن کسی زبان میں "اسی" کیطرح دہاتو نہیں پائی جاتی (اسی) کے اصلی معنے سانس لینے کے ہیں اور اسی ( ) سے لاطینی میں لفظ آس کے معنے "منہ" بنتا ہے۔ پس زمانہ دراز کے بعد تغیر و تبدل اختیار کرتے کرتے لفظ (اسی) کے معنے ہستی یا وجود کے بن گئے اور یہ ہندؤں کی قدیمی ذہانت اور فراست کا ثبوت ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس معنی کو تبدیل ہوتے کس قدر عرصہ لگا یہ دہاتو (فعل) آرین ہے نہ کہ سنسکرت یا یونانی۔ یہ ہمارے قدیمی آبا و اجداد کا کام تھا جو ہمارے خیالات اور الفاظ کو ہمارے اُن بزرگوں کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ جنہوں نے ہمارے واسطے سوچ وچار کیا۔ جن کے خیالات اور اعلےٰ وچاروں کو ہم لوگ اب تک سوچتے ہیں۔ اگرچہ ہزاروں برس سے اُن سے جدا ہو گئے ہیں۔ میرے خیال میں یہ سچی تاریخ ہے جسکے جاننے کی ہمیں ضرورت ہے۔ عدالتوں کی

کارستانیاں اور قوموں کے جنگ و جدل پڑھنے کی نسبت جنسے ہماری آجکل
کی تاریخیں لبریز ہیں اس قسم کی تاریخ کو پڑھنا زیادہ دلچسپ اور مفید ہے۔ یہ تمام
کام ابھی ابتدائی حالت پر ہے جو شخص کہ قدیمی تاریخ کے ان نکات کو سمجھنے اور
مطالعہ کرنے کی کوشش کریگا۔ اسے بہت سے نئے حالات اور نادر معلومات
کے دریافت کرنے کا موقعہ ملیگا تعجب ہے کہ باوجود ان حالات کے پھر لوگ
کہتے ہیں کہ سنسکرت پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔ آج کل ہر ایک لڑکے کو مدرسہ
میں پڑھایا جاتا ہے کہ انگریزی آرین یا انڈو یورپین زبان ہے اور ٹیوٹانک شاخ
سے نکلی ہے یہ شاخ معہ اٹلی۔ یونانی۔ کلٹک۔ سلونیا۔ ایرانی اور ہندوستانی
شاخوں کے ایک ہی تنہ سے نکلی ہیں اور یہ سب ملکر آرین یا انڈو یورپین زبان کا
قبیلہ بنتی ہیں لیکن آج سے پچاس برس پہلے یہ خیال بالکل نیا سمجھا جاتا تھا۔ اسی
خیال نے ہمیں اپنے ان کروڑوں بھائیوں سے برادرانہ رشتہ قایم کرکے ملاپ کرایا
جنہیں ہم پہلے اپنے خیال میں وحشی تصور کرتے تھے۔ ایک ہی قسم کی زبان کو بولنے
سے زیادہ رشتہ اور محبت قایم ہوتی ہے بہ نسبت اسکے کہ ایک ہی چھاتی سے
دودھ پیا جاوے۔ سنسکرت جو ہندوستان کی قدیمی زبان ہے درحقیقت یونانی
لاطینی اور اینگلو سکسن زبان ہی ہے یعنی یہ سب زبانیں ایک ہی ہیں۔ اگر ہم
ہندوستان کی زبان اور علم ادب کا مطالعہ نہ کرتے تو ہمیں یہ نادر معلومات ہرگز
حاصل نہ ہوتیں اور ہمیں کوئی دوسری زبان ایسی اتم سکھشا ہرگز نہ دیسکتی
اگر ہم آریہ ورت کے چھ لوں میں بیٹھکر اس سکھشا کو گرہن نہ کرتے۔
جبکہ روئے زمین پر اس نئی روشنی نے اپنا پرتو ڈالا تو ان فاضلوں
اور فیلسوفوں کی تحریرات پڑھنے سے نہ صرف اعلیٰ نصائح ملتی ہیں بلکہ وہ
تحریریں بہت دلکش اور معنی خیز معلوم ہوتی ہیں وہ کبھی نہ مانتے کہ ایتھنز اور
اور روم کے لوگوں اور ہند کے سیاہ فام باشندوں کے مابین باہمی تعلقات
اور رشتے ثابت ہونگے۔ پرانی علمی زبانوں کے طالب علم یہ خیال کرتے تھے۔
اور جبکہ میں لیپزگ میں طالب علم تھا۔ اور سنسکرت پڑھنی شروع کی تھی
تو مجھے یاد ہے کہ میرے استاد گاٹ فریڈ۔ ہرمن۔ ولٹر مان اور سٹالورٹ

جیسے سنسکرت اور گرالہ کی نسبت کسی قسم کے قابل نفرین خیالات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ جب پروفیسر "باپ" نے سب سے پہلے سنسکرت ژند اوستھا۔ یونانی۔ لاطینی اور گاتھنک کے مقابلہ کی صرف ونحو شایع کی تو اس پر مضحکہ اڑایا جاتا تھا۔

مندرجہ بالا تمام اصحاب اس کے برخلاف تھے اور اگر کبھی کسی لہجہ یا سیحاہیں اسکی غلطی پاتے یا خیال کرتے تو فوراً زور سے قہقہہ لگاتے۔ چنانچہ ڈوگلڈ سٹوارٹ بجائے اسکے کہ ہندوں اور سواٹ کے درمیان باہمی رشتہ یا تعلق تسلیم کرتا کہتا تھا کہ سنسکرت زبان اور سنسکرت علم ادب جو کہ سو ہزار سال سے برابر رائج ہے اور یونانی اور رومن سے ہی پروا ہے۔ برہمنوں کی ایک بناوٹی اور فرضی اختراع ہے۔ جب میں لپزگ میں پڑھا کرتا تھا وہ سکول بہت عمدہ حالت میں تھا۔ چنانچہ وہاں باپ۔ غارفی جبرہ۔ پام اور فنک بینل۔ جیسے فاضل اُستاد تھے یہ ایک پرانا سکول تھا۔ جسے لیسنر جیسے فاضل شاگردوں کے رکھنے کا تحز حاصل تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے اُستاد ڈاکٹر کلی نے ایک روز شام کے وقت جبکہ بباعث شدت گرما کوئی کام نہ کر سکتے تھے۔ زبانی تبلایا کہ ہندوستان میں ایک زبان بولی جاتی ہے جو کہ یونانی۔ لاطینی۔ جرمن اور روسی زبان سے بالکل ملتی جلتی ہے پہلے ہم نے خیال کیا کہ استاد صاحب ہمارے ساتھ ہنسی مخول میں بات کر رہے ہیں۔ لیکن جب ہم نے سنسکرت فعل اسم ضمیر اسم صفت وغیرہ کی فہرست لاطینی اور یونانی کے مقابل اور مشابہہ بورڈ پر دیکھی تو ہمیں سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ پس حضرت آدم اور حوا اور بہشت کا قصہ۔ بابل کے مینار پر بولیوں کے تبدیل ہونے شام۔ حام۔ اور یافت کا قصہ۔ غرضیکہ یہ سب پرانے قصے ان نئے واقعات نے فرضی اور قیاسی بنا دیئے۔ اور نئی تاریخی زندگی میں ہم نے قدم رکھا۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں کیوں ہندوستان کے مطالعہ کو تاریخی اور آزادانہ تعلیم کے لئے نہائیت ضروری سمجھتا ہوں اب یورپی لوگوں کے خیالات تبدیل ہو گئے ہیں اور اب ہم سمجھتے ہیں۔ کہ ہمارے خیالات پہلے کی نسبت بہت کچھ تبدیل ہو گئے ہیں۔

فرض کرو کہ امریکہ کے لوگوں کے تعلقات انگلستان سے بالکل بند ہو جاویں

عرضداشت از پبلشر

پنڈت جیمنی نہ صرف میرے بلکہ تمام آریہ جاتی کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ آپ نے
اس مشہور ترین کتاب کا ترجمہ کر کے ہمیں پروفیسر میکس مولر جیسے ایک ودیشی سکالر کی زبانی
آریہ عظمت اور جاتیہ مان کے ایسے شیریں الفاظ سننے کا موقعہ دیا۔ میرا ارادہ ہے کہ نہ صرف
اسی قابل مصنف کی دیگر ضروری کتب کا ترجمہ بلکہ اپنی قدیم عظمت اور سچی قومی تواریخ
کے متعلق جو کچھ بھی ویدک لٹریچر سے مل سکے اسے عام فہم ہندی اور اردو میں شایع
کیا جاوے کیونکہ آجکل سنسکرت زبان کا پرچار کم ہونے کے باعث ہم ان خزائن
اور دفائن سے مستفید نہیں ہو سکتے جو ہمارے قدیم سنسکرت لٹریچر میں بکھرے پڑے
ہیں۔ ہم نے اردو۔ فارسی کی تعلیم پا کر آجتک کلیلہ دمنہ اور انوار سہیلی وغیرہ کے
مطالعہ کو ہی اپنا فخر سمجھے رکھا یہی وجہ ہے کہ ہم سنسکرت علم ادب کے خزانوں سے
قطعی محروم رہ گئے مقام شکر ہے کہ ملک میں گوروکل اور دیگر کئی انسٹی ٹیوشنوں
کی بدولت ہمارے قدیم علم ادب میں دوبارہ زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے ہیں
جس سے وقت دور نہیں معلوم ہوتا جب آئندہ نسلیں قدیم ماتری بھاشا کو سیکھکر
سیدھا سنسکرت زبان سے اپنی دھرم پستکوں کے مطالعہ کا آنند حاصل کیا کرینگی
لیکن جبتک وہ وقت آئے ضرورت ہے کہ موجودہ نسل کیلئے جس نے اردو فارسی کی گود
میں پرورش پائی ہے اور جو علم سنسکرت سے قطعی محروم ہونیکی وجہ سے ان قیمتی جواہرات
کو حاصل نہیں کر سکتی ایسے ضروری اور مفید لٹریچر کو سلیس اردو ہندی کا لباس
پہنایا جاوے پس اس سلسلہ کی یہ پہلی کتاب ہے جو طالبان ویدک علم
ادب کی نذر ہے۔

ملک کا خادم پنڈی داس پبلشر

مالک پستک بھنڈار سوہا بازار لاہور

ماہ کاتک ۱۹۶۸

باب اوّل (۱)

آریہ ورت کی عظمت

جب مجھے کیمبرج یونیورسٹی کی تواریخی مطالعہ کرنیوالی جماعت[۱] نے انڈین سول سروس کے امیدواروں کو چند لیکچر دینے کے لئے مدعو کیا - مجھے کچھ عرصہ کیلئے تامل کرنا پڑا - اس خیال سے کہ آیا میں چند لیکچروں میں طلباء کو وہ امور بیان کرنے کے قابل ہو سکوں گا جو طلباء کو امتحانات کے پاس کرنے میں مفید اور مدد ہونگے - آجکل یونیورسٹیوں کا خاص مدعا طلباء کو امتحان پاس کرانا ہی بن رہا ہے - بالخصوص کسی ودیاپیٹھ یا درسگاہ کے طالبعلم اپنے امتحان کو پاس کرنا اتنا ضروری اور مفید نہیں سمجھتے جس قدر کہ انڈین سول سروس کے امیدواران[۲] - اگرچہ مجھے اندیشہ تھا کہ میرے چند ایسے عام لیکچروں کا سننا ان طلبا کو چنداں مفید نہیں ہوگا جو ابھی لنڈن کے امتحانات کے گھاٹوں سے پار اترنے کے لئے پورے طور پر تیار ہو رہے ہیں لیکن میں اس امر کو کبھی نظر انداز نہیں کرسکتا کہ یونیورسٹیوں (ودیالیوں وشو ودیالیوں) کا حقیقی اور اعلیٰ (خاص مقصد) امتحان کی مشین کا پرزہ

---

۱ Board of Historical Studies سے مراد دارالعلوم کا وہ حصہ یا جماعت جو زمانہ سلف اور حال کی تاریخ ممالک کی کھوج اور حالات دریافت کرنے کے لئے مقرر ہے اور جو ایسی تواریخ کو دریافت کرکے عوام الناس میں ان ممالک کے حالات پر روشنی ڈال رہی ہے -

۲ - ولایت میں انڈین سول سروس کے نام سے ایک امتحان ہوا کرتا ہے جسے پاس کرنے پر ہندوستان میں محکمہ سول میں اسسٹنٹ کمشنری تک اعلیٰ درجہ تک عہدہ جات پاس شدہ طلباء کو گورنمنٹ کی جانب سے ملتے ہیں -

ڈالنا ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے سوا کچھ اور بھی مقصد ہے جو ممتحنوں کے کنٹرول سے ممکن ہے کہ چنداں قابل وقعت نہ ہو۔ لیکن جس مقصد کو پورا کرنا یونیورسٹی کا فرض ہونا چاہیے اور میرے خیال میں بیت العلوم کا فرض ہے ایسے مقصد سے طلباء کو واقف کرے کیونکہ ہماری زندگی بھر میں ایسے اونیشن کی مستقل قدر ہوگی وہ مقصد یا اونیشن کیا ہے۔ اپنے کرتویہ کے پالن میں دلچسپی بلکہ اس سے بھی بڑھکر اپنے فرض کی ادائیگی میں پریم یعنی اپنے کرتویہ پالن میں دلی خوشی اور سچا آنند محسوس کرنا۔ اگر کوئی یونیورسٹی مقصد مندرجہ بالا کو پورا کر سکتی ہے۔ اگر ان نوجوانوں کے دلوں میں (جو دور دراز مقامات سے اپنی آئندہ زندگی کے لئے یہاں پڑھنے آتے ہیں) ایسے نیک اور پاکیزہ خیالات کو ڈال سکتی ہے تو میرا یقین ہے کہ اس دار العلوم نے اُن طلباء پر زیادہ دیرپا اثر ڈالا ہے اور اسکو زیادہ فیض پہونچایا ہے بہ نسبت اسکے کہ انہیں نہایت ہی مشکل امتحان کرنے میں امداد کی ہو یا رنگ برنگے تمغے پانے یا اول درجہ کا امتحان پاس کرنے میں سہارا دیا گیا ہے۔

بدقسمتی سے جس قسم کی محنت سے طلباء کو آجکل امتحانات یکے بعد دیگرے پاس کرنے پڑتے ہیں۔ طوطے کی طرح ازبر کرنا اور کتابوں کو رٹنا ہر جگہ تکمیل کو پہونچ رہا ہے جسکا نتیجہ بہت خراب نکل رہا ہے بجائے اسکے کہ طلباء کے دل میں کام کرنے کا اشتیاق پیدا ہو الٹی نفرت اور دماغی کمزوری پیدا ہو رہی ہے جو ممکن ہے عمر بھر تک قائم رہے یہ خطرہ دوسرے صیغوں کے طلباء کی نسبت سول سروس کے امیدواروں کے لئے زیادہ محسوس ہوتا ہے جب وہ انڈین سول سروس کے داخلہ کا پہلا امتحان پاس کر لیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ انہوں نے آزادانہ تعلیم سے استفادہ حاصل کیا ہے اور علمی زبانوں، تاریخ اور علم ریاضی میں اس قدر عام واقفیت حاصل کر لی ہے جو عام سرکاری مدرسہ جات میں حاصل کی جاتی ہے اور جس کا حاصل کرنا آئندہ زندگی کے عام پیشوں اور خاص دنیا میں ضروری اور مفید ہے۔ یکایک انہیں اپنی پہلی قسم کی کتب کے مطالعہ اور خانگی دوستوں سے علیحدہ ہونا پڑتا ہے اور وہ نئے مضامین مطالعہ کرنے پڑتے ہیں

جو اکثر طلباء کو بالکل اجنبی اور غیر دلچسپ اور خشک معلوم ہوتے ہیں +
نئے قسم کے حروف تہجی نئی اور اجنبی زبانیں۔ اجنبی نام سنے علم ادب یا
قوانین طوعاً و کرہاً انہیں مطالعہ کرنے پڑتے ہیں۔ دو سال کی پڑھائی ان کے لئے
مقرر ہو جاتی ہے مضامین اور کتب نامزد ہو جاتے ہیں۔ امتحانات باقاعدہ مقرر کئے
جاتے ہیں طلباء کو دوران تعلیم میں کبھی ادھر ادھر دو چار کرنے یا کسی معاملہ پر دھیان
دینے کا موقعہ نہیں ملتا۔ یہ سب کچھ بامر مجبوری ہو رہا ہے نہیں امتحانات کے طریقہ کے
برخلاف عام طور پر نہیں ہوں بشرطیکہ احتیاط اور سنجیدگی سے لئے جاویں۔ بلکہ پرانا
ممتحن ہونے کی حیثیت سے مجھے ماننا پڑتا ہے کہ امتحانوں کے موقعہ پر جس قدر علمی واقفیت
سے طلباء تیار رہتے ہیں وہ حیرت انگیز ہے۔ لیکن جبکہ طلباء سوالوں کے
جواب کا عنوان پہ لکھ رہے ہوتے ہیں۔ اور تاریخیں شاہی خاندانوں اور
رہنماؤں کی فہرست ہائے۔ کئی قسم کے جدول۔ نقشے اور ہندسے بے ترتیب گردانیں
فعل وغیرہ وغیرہ جو طلباء کو ازبر کرنی پڑتی ہیں کیا کبھی کوئی طالبعلم دلی خواہش سے
انکو یاد کرتا ہے جسکے لئے اسے مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نتائج
تسلی بخش اور عمدہ ہوتے ہیں لیکن ان میں کوئی دماغی اور اصلی خیال نہیں ہوتا
چونکہ محنت فرض پورا کرنے کے لئے اور امتحان پاس کرنے کی خاطر کی جاتی ہے
اسلئے یہ محنت دلی جوش یا پیار کی محنت نہیں کہلاتی بلکہ جبر کی محنت کہلاتی ہے

اس کا کیا کارن ہے؟

کیا وجہ ہے کہ یونان اور اٹلی کے فنون۔ قوانین۔ فلسفہ اور نظم کا مطالعہ کرنا
ہمیں دلچسپ معلوم ہوتا ہے اور ہمارے اندر اسکے پڑھنے سے نہ صرف سرگرمی
بلکہ عام طور پر محبت پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ سنسکرت کا مطالعہ کرنا اور ہندوستان
کے قدیمی ہنر۔ قوانین۔ فلسفہ اور نظم کا پڑھنا صرف نتیجہ بلکہ اکثر لوگوں کی رائے میں
فضول۔ خشک اور دشوار خیال کیا جاتا ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ ایسا خیال بہ نسبت غیر
ممالک کے انگلستان میں زیادہ زور کے ساتھ پھیلا ہوا ہے۔ فرانس۔ جرمنی۔ اٹلی۔
ڈنمارک۔ سویڈن اور روس میں ہندوستان (آریہ ورت) کے نام پر ہی لوگ لٹو
ہو جاتے ہیں۔ جرمن میں ریکارٹ صاحب کی ایک نہایت ہی خوبصورت نظم [illegible]

تصنیف ہے۔ جس کا نام "برہمنوں کی دانشمندی" ہے یہ کتاب میری رائے میں جنل اُمِٹی کی کتاب "ویسٹ اس پردیوان" سے بلند خیالی میں زیادہ وسیع اور بناوٹ میں زیادہ مکمل ہے۔ جو طالب علم جرمن میں سنسکرت زبان کا مطالعہ شروع کرتا ہے۔ وہاں عوام الناس کا خیال ہو جاتا ہے کہ وہ زمانہ سلف کی فلسفہ اور دانشمندی کے گہرے اسرار اور مخفی نکات کو سیکھنے لگا ہے۔ ایسا ہی اگر وہاں سے کوئی آدمی ہندوستان کی سیاحت کر سکے۔ خواہ وہ سرسری طور پر کلکتہ۔ مدراس اور بمبئی کو بھی دیکھ جاوے۔ وہاں کے لوگ مارکو پولو سیاح کے خیالات کی طرح اُن کی باتوں کو بڑے غور اور شوق سے سنتے ہیں۔ مگر انگلستان میں سنسکرت کے پڑھنے والے کو عموماً مجہول و کاہل ... کہتے ہیں اور اگر کوئی ہندوستان میں سول سروس کرکے واپس گیا ہوا آدمی انگلینڈ کے تجربات یا مصر کے میناروں کی خوبیاں بیان کرنے لگے۔ تو اسے خطرہ رہتا ہے کہ اسے خارج از عقل (... - ...) نہ کہدیں۔ بیشک مشرقی علم ادب کے چند فاضل انگلستان میں ہیں جن کی تصنیفات کو لوگ پڑھتے ہیں۔ اور جنہوں نے قدرے شہرت بھی حاصل کی ہے۔ مگر اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ غیر معمولی ذہانت اور فراست کے پتلے تھے۔ اگر وہ اپنی طاقتوں اور ذہانت کو ہندوستان کے علم ادب کے مطالعہ میں صرف نہ کرتے۔ تو انگلینڈ کے واسطے مایہ ناز و فخر متصور ہوتے مثلاً سر ولیم جونس جسکو ڈاکٹر جانسن اور ٹامس کا لبرک صاحب نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا ذہین۔ ذکی اور فہیم بنی انسان سمجھتے ہیں جسنے ہندوستان کے علم ادب کو انگلستان میں زینت دی۔ لیکن کئی اور لائق مصنف جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں مشرقی علوم پر خوض و فکر کیا۔ مثلاً بیلنٹائن۔ بکانن۔ کیری۔ کرافورڈ۔ ڈیویس ایلمیٹ۔ الیس۔ ہاٹن۔ لیڈن۔ میکنزی۔ مارسڈن۔ مور۔ پرنسپ۔ رنیل۔ ٹرنر۔ اپاہم والیچ۔ وارن۔ ولکن۔ ولسن وغیرہ وغیرہ کا نام صرف چند مشرقی علماء کے دائرہ تک ہی محدود ہے۔ عوام الناس نہ تو انکی محنت کی قدرشناسی کرتے ہیں۔ نہ ہی انکے کارناموں و تصنیفات سے آگاہ ہیں۔ بلکہ اسکی تصنیفات محض کتب خانوں کی زینت کا کام دیتی ہیں۔ جو انگلستان میں سائنس اور دیگر علوم کی خاص شاخوں کی تکمیل اور تتمہ کا کام دیتی ہیں ٭

جب میں نے کئی دفعہ انڈین سول سروس کے امیدواروں کو نصیحت کی کہ اپنا قیمتی وقت سنسکرت زبان کے مطالعہ میں صرف کرنا مقدم سمجھیں۔ تو مجھے دریافت کیا گیا کہ سنسکرت پڑھنے سے کیا فائدہ۔ شکنتلا۔ منو اور بہت اپدیشں کے تو ترجمے انگریزی میں موجود ہیں۔ ماسوا انکے سنسکرت میں کیا رکھا ہے جو پڑھنے کے قابل ہو۔ خواہ مخواہ ہم ایک مردہ زبان کی کھوج پر اپنا وقت ضایع کریں۔ مانا کہ کالیداس کی تصنیفات شکنتلا جیسی دلچسپ ہیں۔ قوانین منو بہت عجیب اور مرغوب طبع ہیں۔ ہت اپدیشں کی روایات پُرمعنے اور سبق آموز ہیں۔ لیکن باایںہمہ کیا سنسکرت علم ادب یونانی کا مقابلہ کر سکتی ہے یا کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم ان سنسکرت کتب کے مطالعہ کرنے اور ترجمہ کرنے میں اپنا تضیع اوقات کریں۔ جو ہم کو کوئی ایسی نئی بات نہیں سکھلاتی جسکا ہمیں پہلے علم نہ ہو یا جس کے جاننے کی ہمیں ضرورت ہو۔ بدقسمتی سے یہ ایسا غلط خیال لوگوں کے اندر بیٹھا ہوا ہے جسکا دور کرنا میرا فرض ہے۔ میں اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرونگا کہ سنسکرت زبان بمنزلہ یونانی زبان اچھی اور عمدہ ہے۔ مقابلہ کرنا چہ معنی دارد۔

یونانی زبان کا مطالعہ کرنا اپنی جگہ پر مفید ہے اور سنسکرت زبان کا مطالعہ اپنی جگہ پر لیکن میں اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اگر سنسکرت کو دلی شوق سے ٹھیک طور پر سمجھکر پڑھا جاوے تو اس میں انسانی زندگی کے وہ نشیب و فراز موجود ہیں اور اس میں ایسے اسباق اور اعلیٰ رموز پائے جاتے ہیں جو یونانی زبان ہمیں ہرگز نہیں سکھلا سکتی اس میں ایسے مضامین ہیں جو ہر ایک طالب علم فرصت کا وقت بہلانے کیلئے مفید پا سکتا ہے بلکہ ایسے مضامین کو سمجھنے کے لئے فرصت نکالنی لازمی اور مفید ہے خاصکر جن طلبا نے کہ اپنی زندگی کے ۲۵ سال ہندوستان میں ملازمت سرکاری میں صرف کرنے ہیں انکے لئے سنسکرت زبان کا مطالعہ ہندوستانیوں سے ہمدردی اور اُنس کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور ان کے ساتھ میل جول اور مجلسی تعلقات ہو جانے سے ہندوستان انہیں اجنبی ملک (پردیس) نہیں معلوم ہوگا۔ وہ ہندوستان میں نہایت ہی مفید اور دلچسپ کام کرنے کا موقعہ پا سکینگے۔ اگر کسی شائق کا اس قسم کے کام کرنے کا خیال ہو تو وہ اسقدر معلومات اور تجربات ہندوستان میں حاصل کر سکیگا جو یونان

اور اٹلی میں۔ مصر کے میناروں سے اور بابل کے شاہی محلوں میں مطلق حاصل نہیں کر سکیگا۔ اس میں شک نہیں کہ کئی باتیں ایسی ہیں جو ہندوستان ہم سے سیکھنے کا محتاج ہے۔ لیکن ایسے نکات بلکہ اہم واقعات بھی ہیں جو ہم ہندوستان سے بخوبی سیکھنے کے محتاج ہیں۔

اگر کوئی مجھ سے دریافت کرے کہ (طبقہ اراضی) روئے زمین پر وہ کونسا ملک ہے جو دولت۔ ثروت اور قدرتی نظاروں کے حسن سے مالا مال ہے۔ بلکہ بعض حصوں میں بہشت کا نمونہ ہے تو میں فی الفور آریہ ورت کی طرف اشارہ کرونگا اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ منش کی آتما کو زمین کے کس حصہ پر اعلیٰ درجہ گیان کی روشنی کی کرنیں نصیب ہوئیں اور انسانی دماغ اور روح نے اعلیٰ ایزدی برکتوں سے نشو و نما پائی ہے یا جیون کے ادیش کے اعلیٰ مسائل پر خوض و فکر کیا ہے۔ اور آتمک اُنتی کے اعلےٰ چمتکار اور کرشمے دیکھے ہیں۔ اور ان روحانی مسئلوں کو حل کیا ہے جن کی عظمت کا لوہا افلاطون اور کانٹ کے معتقدان بھی تسلیم کرتے ہیں تو میں کہونگا کہ آریہ ورت ہی ہے اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ ہم لوگ جنھوں نے یونانی۔ رومانی۔ سٹک اور یہودیوں کے خیالات میں پرورش پائی ہے اور انہی کی کتب پڑھکر اپنے دماغ کو تربیت دی ہے وہ کونسی زبان ہے جسکے مطالعہ سے ہم اپنی آتمک اُنتی کو مکمل طور پر حاصل کر سکتے ہیں جہاں سے کہ ہمیں منش جیون کا سچا ادیش نہ صرف مادی دنیا کے لئے بلکہ ابدی زندگی اور سچے آنند کے واسطے پراپت ہو سکتا ہے جہاں سے ہم شانتی کا امرت پی کر پرماتما کے امرت پتر بن سکتے ہیں تو میں کہونگا کہ وہ آریہ ورت فخر جہاں کی زبان سنسکرت ہے۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے یہ الفاظ آپ کے اندر سنسنی پیدا کرینگے اور خاصکر وہ اصحاب جو کئی سال کلکتہ۔ بمبئی۔ مدراس میں صرف تیر کرتے رہے ہیں میری اس تقریر پر حیرت زدہ ہو جاوینگے اور بیساختہ بول اٹھینگے کہ کیا وہ لوگ جو ہندوستان کے بازاروں یا محلوں میں رہتے یا جو لوگ عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹاتے پھرتے ہیں یا ہندوستان کے محلوں میں گشت کرتے ہیں وہ ہمیں سکھلانے کی قابلیت رکھتے ہیں۔

اسلئے میں اپنے اُن تمام احباب کو واضح کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے کہ ہندوستان میں سالہا سال بطور افسر - عالم - پادری سوداگر یا ملازم کے بود و باش کی ہے اور جو کہ اس شخص کی نسبت قدرتاً ہندوستان کے حالات سے زیادہ واقف ہونے چاہئے جسنے کہ آجتک ہندوستان کی سرزمین پر قدم بھی نہیں دھرا کہ میں ہندوستان کی دو مختلف صورتوں یا زمانوں کا ذکر کر رہا ہوں میں ہندوستان سے مراد آریہ ورت کا وہ زمانہ لیتا ہوں جو آج سے ہزار - دو ہزار تین ہزار سال پہلے تھا لیکن وہ اصحاب آج کل کے زمانہ کی حالت سے مراد لیتے ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ زمانہ حال کے ہندوستانیوں کی حالت کا معیار وہ کلکتہ۔ بمبئی۔ مدراس یا دیگر بڑے شہروں کے باشندوں سے تعبیر کرتے ہیں لیکن میری مراد اُس ہندوستان سے ہے جو دیہاتوں بستیوں چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور پنچائیتوں کی سادہ زندگی میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے میں آپ پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ جس آریہ ورت کی طرف میرا اشارہ ہے وہ آریہ ورت ایسے ایسے اہم واقعات - نکات اور مسایل سے پُر ہے جن کا حل کرنا اور کھوج لگانا اس انیسویں صدی کے یورپ نواسیوں اور ہم سب کا فرض ہے اگر انگلستان میں آپ نے کسی مضمون یا مسئلہ کے سمجھنے میں مذاق حاصل کیا ہے تو آریہ ورت میں اسکے تکمیل کرنے کے لئے آپکو کافی مصالحہ بہم پہونچ سکتا ہے ایسا ہی جس کسی فلاسفر۔ حکیم۔ یا اہل دماغ کو کسی مشکل مسئلہ کے سمجھنے یا حل کرنے کا اشتیاق ہو وہ ہندوستان میں جا کر اسکے حاصل کرنے اور سہولیت کے لئے کافی مصالحہ پائیگا یعنی اسکو ہندوستان کی زندگی بلحاظ ذہانت - دقیقہ شناس اور کھوج لگانے کے دو بھر معلوم نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے لئے سرسبز زمین اور بار آور گلزار کی طرح ثابت ہوگی ؎

اگر آپ کو علم طبقات الارض کے مطالعہ کا شوق ہے تو ہمالیہ سے لیکر لنکا تک اسکے سیکھنے کے لئے میدان ہے اگر آپکو علم نباتات کے مطالعہ کا شوق ہے تو ھوکر جیسے بیسیوں آدمیوں کے لئے وہاں کافی زرخیز طبقہ موجود ہے اگر علم حیوانات میں دسترس رکھنے کا خیال ہو تو مسٹر ھیکیل کا خیال کرو جو اب بھی ہندوستان کے جنگلوں میں گشت کر رہا ہے اور ہندوستان کے سمندروں پر چکر لگا

رہا ہے۔ اور جو ہندوستان میں اپنا قیام رکھنا اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے
لیے نعمت غیر مترقبہ سمجھتا ہے۔ اگر آپ کو علم "انواع انسان" کے جاننے میں دلچسپی ہے
تو ہندوستان تو ایک زندہ دلچسپی کا عجائب خانہ ہے اگر آپکو علم قدامت میں
مہارت کا مذاق ہے۔ اگر انگلینڈ میں کبھی آپکو کسی پرانے مقبرہ یا پہاڑی کے کھودنے
میں مدد کرنے کا موقع ملا ہو اور ردی کے ڈھیر میں چاقو یا ٹھیکرا یا ڈول کے ملنے کی خوشی
حاصل ہوئی ہو آپ صرف کننگھم صاحب کی رپورٹ متعلقہ ہندوستان کی آرکیولاجیکل
سروے کا ملاحظہ کیجئے آپ بڑی بے صبری سے ہاتھ میں بیلچہ لیکر دوڑیں گے
اور بدھ مذہب کے بنائے ہوئے رائیگان سے قدیمی کالجوں یا مندروں کے کھودنے
اور وہاں کے واقعات دریافت کرنے کے لیے کوشش کرینگے۔ ایسا ہی اگر آپکو
مختلف قسم کے سکہ جات جمع کرنے کا شوق ہو تو آریہ ورت کی زمین سکہ جات سے
بھرپور ہے۔ وہاں ایرانیوں۔ کیروں۔ ہنریشیا۔ پارتھی۔ یونانی۔ اہل ہند و سیتھیا
روما اور اہل اسلام کے سکے بکثرت مل سکتے ہیں۔ وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل ہند کے عہد
میں ایک مٹی کا برتن صوبہ بنارس میں دریا کے کنارے پر دستیاب ہوا تھا
جس میں ۱۷۲ سونے کے ڈریکس پائے گئے۔ اسنے یہ ایک موقع غنیمت سمجھا کہ
اپنے ولائت کے حکام کو یہ ایک اعلیٰ نذرانہ پیش کرنے کا فخر حاصل کرے۔ چنانچہ
اسنے یہ قیمتی نذرانہ بورڈ آف ڈائرکٹران کی عدالت میں روانہ کردیا۔ عام طور پر مشہور
ہے کہ وہ کٹھالی میں پگھلانے کے لیے ڈالے گئے تھے۔

بہرحال وارن ہیسٹنگز کے ولائت واپس جانے سے پیشتر وہ تلف ہو چکے
تھے۔ اب اس قسم کی چالاکیوں کو روکنا آپ کا کام ہے۔

ایشیاٹک جنرل بنگال رسالہ میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس سے
پایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں ایک بڑا بھاری قیمتی خزانہ نکلا ہے جیسے کہ
مسینا کے مقبرات سے ڈاکٹر سلیمان نے نکالا تھا جو کہ سیتھیا کے خزانوں سے
بہت کچھ ملتا جلتا ہے مگر انگلستان میں ایسے امور اتفاقیہ پر کسی نے دھیان تک
نہیں دیا۔ آجکل علم فسانہ کا مطالعہ کرنا بالکل نئے ڈھنگ و طرز پر ہو گیا ہے
تاہم جب سے کہ ہندوستان کی ویدک علم فسانہ نے اس مضمون پر بڑی روشنی ڈالی ہے

اگرچہ علم فسانہ کی اصلیت و ماہیت دریافت کرنے کی بنیاد قائم کی گئی ہے مگر اس کی تفصیل اور ماہیت دریافت کرنے کے لئے سوائے آریہ ورت کے اور کوئی جگہ نہیں مل سکیگی۔ بلکہ حکایات کے مطالعہ میں جو نئی زندگی پہونچی گئی ہے اس کا ماخذ بھی آریہ ورت ہی ہے یہ امر پایہ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ مشرق (ایشیاء) سے مغرب (یورپ) کو تمام اخلاقی حکایات اور دلچسپ روایات و لطائف مختلف زبانوں میں مختلف ذرائع سے وقتاً فوقتاً پہونچتے اور پھیلتے رہے ہیں بالخصوص بدھ مذہب ہمارے قصص اور حکایات کے پھیلانے کا سب سے بڑا بھاری ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ مثلاً ایک گدھے کی شیر کی کھال پہننے والی کہانی کا خیال کرو جو افلاطون کی کرٹیلس میں پائی جاتی ہے کیا وہ مشرق کی طرف سے نہیں لی گئی۔ ایسا ہی ایک اور حکایت ہے کہ ایک بلی کو زہرہ عورت بنادیا تھا مگر جوں ہی اسنے ایک چوہیا کو دیکھا تو اسپر جھپٹا مارنے سے مڑک نہ سکی یہ بھی سنسکرت کی حکایت سے نقل کی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن کسطرح یہ کہانی یونان تک پہونچی کہ ۴۰۰ برس قبل عیسوی سٹراٹس کی کتاب میں پائی جاتی ہے ایسے امور پر تحقیقات کرنے اور کھوج لگانے کے لئے کافی موقعہ کام کرسکتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم اور بھی زیادہ قدامت کی طرف پیچھے قدم اٹھادیں۔ تو ہمیں ہندوستان کی حکایات اور مغرب (یورپ) کی پرانی داستانوں میں باہمی مشابہت معلوم دیتی ہے اور ابھی تک ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ کس طرح یہ حکایات مشرق سے مغرب کو یا مغرب سے مشرق کو پہونچیں۔ سنسکرت کے چند الفاظ جو بائبل کے پرانے عہدنامہ میں چند اشیاء برآمد مثلاً ہاتھی دانت۔ بندر۔ طاؤس۔ صندل کی لکڑی وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اشیاء سوائے ہندوستان کے اور کسی ملک کی پیداوار نہیں ہیں اور اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں ہندوستان اسیریا اور فلسطین کے مابین آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا بلکہ کتاب سلاطین کے تحریر ہونے کے زمانہ تک ہندوستان خلیج فارس بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم کے درمیان تجارت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔

سلہ ہتوپدیش میں ذکر ہے کہ ایک گدھا فاقہ سے مررہا تھا کہ مالک نے اسے اناج کے کھیت میں چرنے کیلئے چھوڑ دیا اپنے تحفظ کیلئے اسنے شیر کی کھال پہن لی اتنے میں ایک شکاری [illegible] تھا کیونکہ [illegible] پہنا ہوا تھا اور شیر کو مارنے کے لئے [illegible] اور [illegible] گیا اور [illegible] سے مارا گیا۔

لیجئے ایک اور مثال

آپ کو یاد ہوگا کہ یہودیوں میں حضرت سلیمان کا انصاف بلحاظ قانونی دانائی
کے کسقدر قابل تحسین مشہور چلا آتا ہے۔ اگرچہ میں قانون دان تو نہیں ہوں لیکن جب
میں سلیمان کا یہ فیصلہ پڑھتا ہوں کہ بچے کے دو ٹکڑے کردو اور دونو عورتوں کو آدھا
آدھا کرکے بانٹ دو تو میرا جگر کانپ اٹھتا ہے۔ یہی کہانی بدھ مذہب کی تری سٹپک
میں آتی ہے اسطرح پر کہ دو عورتیں بدھ مذہب کے راجہ کے پاس فریادی ہوئیں۔
اور ان میں سے ہر ایک دعویٰ دار تھی کہ یہ لڑکا میرا ہے۔ راجہ نے اُن کے بیانات
لئے اور واقعات سُنے مگر کسی ٹھیک نتیجہ پر نہ پہنچ سکا مایوس ہوگیا اتنے میں اس کا
وزیر پہنچا اور کہنے لگا کہ ان عورتوں پر جرح کرنا اور مکرر سوالات کرنے سے کچھ نہ بنیگا
بہتر ہے کہ یہ بچہ چھوڑ دیا جاوے۔ عورتیں باہم لڑکر خود بخود فیصلہ کرلینگی۔ پس دونوں
عورتیں بچہ پر جھپٹنے لگیں جب لڑائی تیز ہوئی تو لڑکے کو بھی چوٹ لگی اور وہ چلانے لگا
اسپر ایک عورت لڑکے کی چلاہٹ اور تکلیف برداشت نہ کرسکی اور لڑائی سے
ہٹ کھڑی ہوئی راجہ نے لڑکا اسی عورت کے حوالے کیا اور دوسری عورت کو کوڑے
مار کر نکال دیا۔

میری رائے میں اس روایت میں انسانی سرشت کی قدرتی خاصیت کا
نقشہ ظاہر ہے اور سلیمان کی دانائی سے بدرجہا زیادہ عقلمندی کا ثبوت اس حکایت
کے اندر موجود ہے۔

آپ میں سے اکثر اصحاب نہ صرف مختلف زبانوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بلکہ
علم زبان پڑھنے کے شائقین بھی ہونگے۔ علم زبان سیکھنے کے لئے ہندوستان سے
بڑھکر زیادہ مفید ملک کوئی نہیں ہوسکتا۔ جہانتک عام زبانوں کا عروج وزوال اور
آریہ۔ دراوڑی اور منڈا لوگوں کی زبانوں میں نہ صرف بیرونی الفاظ کا دخل ہوا
بلکہ صرف ونحو کے اصولوں اور قواعد میں بھی نمایاں تغیر واقعہ ہوا جسکا باعث یہ
ہے کہ یونان۔ ایران۔ مغل۔ عرب۔ اہل اسلام اور انگریزی قوموں کے باہمی تعلقات
میں آنے جانے سے اُن ممالک کے الفاظ بھی باہمی خلط ملط ہوگئے اور ہندوستان

کی زبانوں میں داخل ہوگئے۔ انکے سمجھنے اور اصلیت معلوم کرنے کے لئے اس سے بڑھکر مفید موقعہ اور کہاں مل سکتا ہے۔ ایسا ہی اگر آپ علم قانون کے شائق ہو تو یہاں ہی آپکو قانون کا اقتباس کھوجنے کے لئے کافی مصالحہ بہم پہنچ سکتا ہے۔ آریہ ورت کا دہرم شاستر۔ یونان۔ روما اور جرمنی کے دہرم شاستر (قانون) کے اقتباس سے مختلف ہے لیکن انکے اختلافات اور مشابہتوں کے مطالعہ کرنے کے لئے جو طلباء اس قسم کے علم سے کما حقہ واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انکے لئے مطالعہ کرنا ازبس ضروری ہے ہر سال کچھ نہ کچھ نیا مصالحہ دستیاب ہوجاتا ہے۔ مثلاً دہرم سوتر یا سامیکار سوتر جن سے اسکے بعد کے دہرم شاستروں مثلاً منوسمرتی وغیرہ نے بہت کچھ امداد حاصل کی ہے جس کو پہلے منو کا دہرم شاستر کہتے تھے۔ اور خیال تھا کہ وہ ۷۰۰ برس قبل مسیح کی تصنیف ہے اب معلوم ہوا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی میں طیار ہوا۔ اب اُسے نہ تو Code نہ دہرم شاستر اور نہ منو کا دھرم شاستر کہتے ہیں + ایسا ہی اگر آپ تمام قانون کے ابتدائی حالات کی نئی تحقیقات کی قدر کرنا سیکھنا چاہتے ہیں یعنی یہ معلوم کرنا چاہیں کہ کس طرح سادہ ملکی اور امور معاشرت کے فیصلہ کرنے کی پنچائیتوں اور جماعتوں کا آغاز اور نشوونما ہوا (سوائے کیمبرج کے آپکو اور کسی جگہ دیکھنے کا موقع نہیں ملا ہوگا) ہندوستان میں ایسے امور کی تحقیقات اور معلومات کا ذخیرہ اکٹھا کرنے کے لئے کافی میدان ہے۔ اور باتیں جانے دیجئے۔ صرف مذہب کے سوال کو لیجئے +

خواہ ہم کسی مذہب کے معتقد ہوں یا ناستک ہوں مگر اس میں شک نہیں کہ دنیوی تمام اشیاء سے زیادہ مذہب کا خیال ہمارے جیون کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ یہی دہرم ہی ہے جو ہمارے تمام افعال حرکات۔ خیالات اور امیدوں کو سہارا دیتا ہے۔ رہبری کرتا ہے اور ہر طرح سے اُن پر اپنا اثر ڈالتا ہے دہرم کے بغیر نہ تو دیہاتی پنچائیت۔ نہ سلطنت کا انتظام۔ نہ رواج نہ قانون۔ نہ ست است کا وچار قائم رہ سکتا ہے۔ بلکہ اگر سچ پوچھو تو علاوہ نطق کے انسان اور حیوان کے مابین تمیز کرنے والی طاقت صرف مذہب ہی ہے۔ اسی کے سہارے ہم دنیوی تکلیفات اور زندگانی کے مصائب برداشت کرتے ہیں۔ تمام قومی زندگی کا بنیادی پتھر مذہب ہی ہے۔ دنیا کی تمام تاریخوں کا ماخذ۔ پرانی باتوں۔ قدیمی اسراروں کا کبید راستہ

مذہب ہی ہے - اسکی قدامت - ابتدا - اصلی ماخذ کا سراغ - اسکے قدرتی ارتقا و تنزل عروج و زوال کا مفصل حال آریہ ورت سے بڑھکر آپکو کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکیگا - یہ آریہ ورت برہمن مذہب کا گھر ہے بدھ مذہب کی جنم بھومی ہے اور پارسیوں کے مذہب (زرتشت) کی پناہ ہے تمام نئے مذہبی خیالات توہمات وغیرہ کا منبع ہے بلکہ اگر انیسوین صدی کی آلائش سے مذہب کو پاک وصاف کیا جاوے تو آیندہ زمانہ کے لئے پوتر دھرم کا پودا آریہ ورت سے ہی سرسبز ہو سکتا ہے - آپ ہندوستان میں کہیں چلے جاویں آپکو زمانہ سلف کی بیشمار خوبیاں عظمتیں اور زمانہ آیندہ کی امید سے بھرپور زندگی کے خیالات جانچنے کا کافی موقعہ مل سکیگا - کیونکہ پرانی دنیا میں اور کہیں بھی ایسا موقع ملنا مشکل ہے - آج کل کے کسی تازہ معاملہ کو لیجیے جس پر زور دار چھیڑ چھاڑ ہو رہی ہو - مثلاً تعلیم کو ہر دلعزیز کرنے کے سوال - قوانین کو مرتب کرنا - غرباء کی امداد کے لئے قانون - ملک سے باہر جانے والوں کے لئے قانون - مالی یا ملکی معاملات خواہ کچھ ہی ہوں - خواہ آپکا خیال مندرجہ بالا امورات کو سکھلانے کا ہو یا آزمایش کرنے کا مشاہدہ کرنے کی منشا ہو یا سیکھنے کی - ہندوستان سے آپکو ان تمام امورات کے لئے ایسا خزانہ ملیگا جو آپ دنیا کے کسی اور طبقہ پر اس قسم کا مسالہ میسر نہیں کر سکینگے - یہ سنسکرت زبان جو پہلے پہل آپ کو ناکارہ اور خشک معلوم ہوتی ہوگی - اگر آپ استقلال سے اسے کیمبرج میں ہی پڑھنا شروع کریں تو آپ پر اس زبان کے مطالعہ سے علم ادب و زباندانی کے بڑے دقائق کھل جاوینگے جو تا حال نہ کسی نے کھودے ہیں اور نہ ہی کسی کو اُن کا علم ہے اور آپ علم خیال کے بحر عمیق میں غوطہ لگا کر وہ دُر نایاب حاصل کر سکینگے جس سے منش آتما کو شانتی نصیب ہو اور انسانی جیون کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اعلیٰ ذریعے ملینگے اگر آپکو فرصت کا وقت مل سکتا ہے تو آریہ ورت میں اس قسم کے اعلیٰ اور عمدہ مشغل موجود ہیں جن میں آپ اپنا فرصت کا وقت مفید بنا سکتے ہیں - یہ جو آپنے خیال میں سما لیا ہوا ہے کہ ہندوستان ایک دور دراز سفر ہے ایک اجنبی اور عجیب ملک ہے یہ بالکل موہوم خیال ہے ہندوستان کی آیندہ امیدیں یورپ کے ساتھ وابستہ ہیں اور یورپین دنیا میں یہ اپنی خاص حیثیت رکھتا ہے بلکہ ہماری اپنی تواریخ میں ہندوستان

کے لئے روشن جگہ ہے نہیں نہیں ہیں زور سے کہونگا کہ منش ماتر کے اتہاس اتہاس میں آریہ ورت کا چہرہ سب سے اتم اور اوچ (اعلیٰ) ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ حال میں کئی ذہانت اور اعلیٰ کمالیت کے پتلے کس طرح اپنا قیمتی وقت مادی دنیا کی ترقی اور عروج کے مطالعہ کی طرف لگا رہے ہیں کس طرح وہ اس امر کے دریافت میں سرپیٹ رہے ہیں کہ زمین کس طرح پیدا ہوئی۔ کیونکر موجودہ حالت تک پہنچی اور آئندہ بڑھ رہی ہے کس طرح زندگی کے عنصرات سب سے پہلے نمودار ہوئے ان کا کسطرح ملاپ ہوا کسطرح مادہ سے علیحدگی ہوئی کسطرح حیوانی زندگی کا آغاز ہوا۔ اور کس طرح نہایت ہی ابتدائی حالتوں سے بتدریج ارتقا کرتے کرتے اعلیٰ اور آخری مدارج تک پہونچی ایسا ہی ضرورت ہے کہ اندرونی اور دماغی قوا کے طبقہ کا مطالعہ کیا جاوے اسکے نشوونما کا مطالعہ تاریخی پہلو سے کیا جاوے کس طرح پہلے دیوتو شبد وغیرہ کا آغاز ہوا اور پھر کس طرح انکا ملاپ پسندی اور ایک دوسرے سے اختلاف (بھید) پیدا ہوا اور پھر کس طرح ابتدائی حالت سے گزر کر بتدریج اعلیٰ حالت تک پہونچ کر سنجیدہ خیالات کا آغاز ہوا۔ پس منش ماتر کے اتہاس اوستھا کے اتہاس کو مطالعہ کرنے کے لئے جو درحقیقت ہماری اپنی اندرونی اوستھا کا ہی مطالعہ کرنا ہے آریہ ورت سے بڑھکر آپکو کوئی ملک نہیں مل سکیگا۔ آپ اپنے خاص مطالعہ کے لئے انسانی اوستھا کا کوئی صیغہ پسند کریں زبان ہو یا مذہب۔ فلاسفی ہو یا افسانہ۔ قانون ہو یا رواج۔ ابتدائی ہنر ہو یا ابتدائی پیدا رکھ دو یا ہر ایک صیغہ کی تحقیقات کے لئے آپکو آریہ ورت کے چرنوں میں منش کی طرح بیٹھ کر سیکھنا اور دریافت کرنا ہوگا کیونکہ منش ماتر کے اتہاس کے قیمتی جواہرات اور سکھشا دینے والے قیمتی موتی جیسے کیول آریہ ورت میں ہی مدفون ہیں اور کہیں سے کھودنے پر بھی دستیاب نہیں ہوتے۔

جہاں میں ہندوستان میں جانے والے طلبا کو آریہ ورت کی اصلی اور حقیقی حالت کا فوٹو پیش کر رہا ہوں وہاں میں اس مبنت العلوم کے دوسرے ممبروں کی ہمدردی اور توجہ منعطف کرنے سے نہیں رک سکتا کہ مرشٹی

کے احساس کا علم بالکل نامکمل اور ادھورا ہے منش ماتر کے دماغ کی نشو و نما بالکل ناقص اور نامکمل رہیگی اگر ہم اپنے سوچ وچار کا دائرہ یونان۔ روما۔ سیکسن اور کلٹ کی تاریخوں تک محدود کر دیں گے۔ اور اُن پر پلسٹینا۔ مصر اور بابل کے دھندلے روشنی کے خیالات کا صرف عکس ہی ڈالیں گے۔ لیکن اپنے نہائیت ہی قریبی دماغی اور علمی سمبندھ رکھنے والے ہندوستان کے آریوں کو نظر انداز کر دینگے جنہوں نے کہ نہائیت ہی حیرت انگیز زبان سنسکرت کو مرتب کیا جو ہمارے زبردست اور اعلےٰ خیالات میں ہم سے بڑھکر حصہ لینے والے ہیں جو ابتدائی اور قدرت (پرماتما) کے دئے ہوئے مذہب کے بزرگ اور باپ ہیں جنہوں نے نہائیت ہی پاکیزہ اور شستہ استعارہ جات (النکار) ایجاد کئے۔ نہائیت ہی باریک اور دقیق فلسفہ کے مسائل دنیا پر روشن کئے اور نہائیت ہی مکمل اور محنت سے طیار کئے ہوئے قوانین روئے زمین پر رائج کئے ہیں تاریخ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے ہماری وسیع تعلیم میں علم تواریخ کے مطالعہ کو کیوں مستند درجہ دیا گیا ہے۔ صرف اسلئے کہ ہم میں سے ہر ایک یہ بات معلوم کر سکے کہ کس طرح ہم اس درجہ تک پہونچے ہیں تاکہ ہر ایک آنے والی نسل کو ابتدا سے اپنے حالات دریافت کرنے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور پُرانے خیالات و حالات و معلومات کے سُراغ لگانے پر محنت نہ کرنی پڑے بلکہ اپنے متقدمین کے تجارب اور معلومات سے مستفیض ہو سکیں اور اعلےٰ خیالات و عالی مقاصد کی طرف رغبت کر سکیں جسطرح کہ ایک بچہ جوں جوں بڑا ہوتا ہے اپنے باپ دادا سے پوچھتا ہے کہ یہ مکان کس نے تعمیر کیا جس میں ہم رہتے ہیں اس کھیت کو کس نے صفا کیا جس سے ہم کو اسقدر پیداوار آتی ہے۔ ہم متقدمین مورخوں سے دریافت کرتے ہیں کہ ہم کہاں سے آئے اور جو کچھ ہمارا اپنا ہے۔ ہم نے کہاں سے حاصل کیا ہے علم تاریخ ہم کو نہائیت ہی مفید اور دلچسپ واقعات اور قصص جتلاتی ہے۔ جسطرح بچہ اپنی ماں یا دادی سے کہانیاں سُنکر خوش ہوتا ہے لیکن سب سے ضروری اور مقدم چیز جو وہ ہم نے علم تاریخ سے معلوم کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے بزرگ باپ دادے کون تھے کہاں سے آئے اُن کی کیا حالت تھی وہ کس کی اولاد میں تھے اُنکی

اصلیت کیا اور کہاں سے ہے وغیرہ وغیرہ ٭

اس میں شک نہیں کہ علمی اور دماغی لحاظ سے ہمارے بزرگ یہودی - یونانی - رومن اور سیکسن لوگ تھے یوروپ میں ہم کسی آدمی کو مہذب یا تعلیم یافتہ نہیں کہہ سکتے جو فلسطین - یونان - روم و جرمنی کے آباؤ اجداد زمانہ سلف کی دماغی اور ذہنی سکھشا کا مشکور و ممنون نہ ہو - دنیا کی تمام زمانہ سلف کی تاریخ اسکے واسطے تاریکی کا عالم ہوگا - جو شخص یہ نہیں جانتا - کہ زمانہ سلف کے بزرگوں نے اسکی بہبودی کے واسطے کیا کچھ کارنامے کئے ہیں وہ آیندہ آنے والی نسلوں کی بہبودی کے واسطے کیا خاک کریگا - اسکی زندگی ریت کی زنجیر کی طرح ہوگی حالانکہ ہماری زندگی ایک قسم کی برقی زوروالی زنجیر ہونی چاہیئے جو کہ زمانہ سلف کے بزرگوں کے خیالات سنتے ہی ہمارے دلوں کے اندر برقی رو پیدا کردے اور آنے والی نسلوں کی امیدوں کے لئے بھی کشش مقناطیسی کا اثر اپنے اندر رکھنے والی ہو - آؤ اب ہم ذرا اپنے مذہب کی طرف بھی عنان توجہ منعطف کریں عیسائی مذہب کی ابتدا اور تاریخ کا سمجھنا محال ہے جب تک کہ یہودیوں کے حالات اچھی طرح نہ پڑھے جاویں جو کہ توریت (عہد عتیق) کو پڑھنے سے معلوم ہوسکتے ہیں اب اس بات کے معلوم کرنے کے لئے کہ یہودیوں کے اصلی تعلقات باقی قدیم دنیا کے ساتھ کس قسم کے تھے اور کون سے خیالات اُن کے اپنے اصلی تھے اور سمٹک نسل کے ساتھ کس کس خیالات میں وہ متفق یا شریک تھے - اور کون کون سے اخلاقی اور دھارمک جذبات و خیالات انہوں نے زمانہ سلف کی دیگر اقوام کے تعلق میں آنے سے اُنسے حاصل کئے یہ ازبس ضروری ہوگا - کہ ہم بابل - نینوہ - فنیشیا اور فارس کی تاریخ کا مطالعہ کریں ممکن ہے کہ آپ خیال کریں کہ یہ امصار بہت دور دراز فاصلہ پر ہیں اور یہ قومیں بہت پرانے فراموش شدہ زمانہ کی ہیں اسلئے ہمیں پرانے مردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ - مگر میری رائے میں ان کی تاریخ کا پڑھنا اور ان کے حالات کا تجسس کرنا ایسا حیرت انگیز ہے کہ ہم زمانہ حال کے لوگ بھی بابل ینوہ مصر فنیشیا اور فارس کے اب تک احسان مند ہیں ہر ایک فرد بشر جو اپنے پاس گھڑی

رکھتا ہے۔ اسے اہل بابل کا مشکور ہونا چاہیئے جنہوں نے گھنٹہ کی تقسیم
ساٹھ منٹ میں کی خواہ یہ تقسیم خراب ہو یا اچھی۔ اس سے کچھ بحث نہیں لیکن
یہ تقسیم یونان اور روما سے ہمارے تک پہنچی اور انہوں نے بابل سے حاصل
کی۔ ہپارکس نے ۱۵۰ برس قبل مسیح یہ طریق بابل سے لیا۔ ٹالمی نے ۱۵۰ برس
سنہ عیسوی میں اسکو زیادہ شہرت دی۔ اہل فرانس نے ہماری گھڑیوں کا
سطح وقت قائم رکھا۔ اور اہل بابل کے متغیرہ ساٹھ منٹ گھنٹہ کے قائم رکھے
ایسا ہی یورپ کا ہر ایک آدمی جو خط یا الفاظ لکھتا ہے حروف تہجی رومن
یا یونانی استعمال کرتا ہے۔ اہل یونان نے اپنے حروف اہل فنیشیا سے اخذ
کئے اور اہل فنیشیا نے مصر سے حاصل کئے۔ خواہ یہ حروف تہجی ناقص اور
غیر مکمل ہیں لیکن ان کی تہ میں قدیم مصر کا علم "خط گلزار" پایا جاتا ہے۔

اہل فارس کے ساتھ ہمارا کیا تعلق ہے یہ لوگ بڑے چالاک
اور ایجادیں کرنے والے نہیں تھے انہوں نے جو کچھ حاصل کیا وہ اہل بابل
واسیریا سے لیا۔ لیکن پھر بھی ہم ضرور ان کے احسان مند ہیں۔ اہل فارس
نے اہل یونان سے شکست کھائی۔ لیکن اگر ماراتھن کے میدان میں یونانیوں
کو فارسی لوگ ان کو مغلوب کر لیتے۔ تو قدیم یونان کی دانشمندی اور ذہانت
کا خاتمہ کر دیتے تاہم انسانی ترقی کے لئے یہ ایک طبعی امداد ہے کہ نہ صرف
یونانی اور رومن لوگ بلکہ سکسن اور اینگلوسیکسن لوگ بھی پارسی آتش پرستی
بننے سے بچ گئے۔ لیکن بایں ہمہ فارس سے ہم کو ایک فائدہ تو ضرور پہنچا
ہے یعنی سونا اور چاندی کا باہمی تناسب و تبادلہ اگرچہ بابل میں پہلے پہل
ان دونوں دھاتوں کا باہمی تعلق قائم ہوا مگر عملی اور تاریخی طور پر سلطنت
فارس میں اسنے شہرت حاصل کی اور وہاں سے ایشیا کی یونانی بستیوں
میں اور وہاں سے یورپ میں رواج پڑا جبکہ اسوقت بھی بہت تھوڑے
سے تفاوت کے ساتھ اب تک رائج ہے۔ ایک ٹیلنٹ کے ساٹھ مینہ
بنائے گئے اور ایک مینہ کے ساٹھ شیکل۔ یہاں بھی بابل کا ساٹھ والا طریقہ
رائج ہوا شیکل کا ترجمہ یونانی میں سٹیٹر ہوا اور اسٹینڈرڈ سونے کا سٹیٹر

ایران کے سونے کے سٹیٹر کی طرح قارون۔ دارا۔ اور سکندر کے زمانہ تک سونے کے مینا کا ساٹھواں حصہ سمجھا جاتا ہے جو کہ ہمارے پونڈ کے لگ بھگ تھا سونے اور چاندی کا تناسب ۱۳ : ۱ یا ۱۳ ½ : ۱ کا تھا اور اگر چاندی کے شیکل کا وزن ۱۳ اور ۱۰ کی تناسب کا ہو تو ایسا سکہ ہمارے فلورن کے مطابق ہو جاوے۔ چاندی کے نصف شیکل کو ڈرکما کہتے تھے۔ جب تک ہمارا اشلنگ ہوتا

اگر یہ بات درست ہے کہ کوئی انسان دھرم کی اصلیت اور منشا کو نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ اسکی ابتدا اور ارتقا کے حالات کو نہ جانیں تو ضروری ہے کہ موپوٹومیا کے مخروطی شکل کے حروف کے کتبوں سے کچھ واقفیت ہو مصر کی تصویر نما تحریریں گلزاری خط اور مقدس نوشتوں کے نکات سے ذرکہ فنیشیا اور پرشیا کی تاریخی یادگاریں ہمکو وہ تمام ضروری نکات اور واقعات یاد دلاتی ہیں جو ہماری تمام ذہنی اور دماغی زندگی کو نہ صرف نشو و نما دیتی ہیں بلکہ تکمیل کرتی ہیں اگر مذہبی لحاظ سے ہمارے خیالات یہودی یا سمٹک لوگوں سے حاصل کردہ ہیں تو فلسفہ کے لحاظ سے ہم یونانیوں کے مقلد ہیں اور علم تمدن ہم نے اہل روما سے حاصل کیا۔ اور علم اخلاق کا سبق ہم نے سکسن لوگوں سے سیکھا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ یونان روما اور سکسن کی تاریخ سے واقفیت پیدا کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ یونان سے اٹلی کی طرف تہذیب کا رواج جس سے ان جزائر میں شائستگی کا پہونچنا ان کا مطالعہ تاریخی اور جے لاک (آزادی) تعلیم کے لئے بلکہ انسانیت کے درجہ تک پہونچانے والی تعلیم کے لئے نہایت ہی ضروری اور لابدی امر ہے۔ شاید آپ کہیں کہ ہمیں یہاں تک ہی اکتفا نہیں کرنا چاہئے۔ بیشک یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ دنیا کے اتنا سکسر راجہ ہیں ہمارے روحانی باپ دادے کیسے بلند پرواز ہو گزرے ہیں ہمیں اس تمام علمیت کے لئے جو ہم نے مصریاں۔ فنیشیا۔ یہودیوں۔ یونانیوں۔ رومن اور سکسن سے حاصل کی ہے۔ اسکے لئے ان کا مشکور ہونا چاہئے لیکن ہندوستان کا ذکر بیچ میں لانے کی کیا ضرورت ہے کیا متوسط درجہ کا تعلیم یافتہ بننے کے لئے ہمارے

اوپر پہلے ہی کافی بوجھ نہیں ہے کہ اب ہم پر ایک نیا بوجھ ڈالنا چاہتے ہیں ہم نے سندھ اور گنگا کے سیاہ فام باشندوں سے وراثتاً کیا حاصل کیا ہے۔ کہ ہم ان کے نام۔ کارناموں اور اتہاس کو اپنے دماغ میں گھسیڑیں ٭ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے قدیم باشندے ہمارے روحانی اور دماغی آباؤ اجداد ٹھیک اس طرح نہیں ہیں جس طرح کہ یونانی ۔یہودی۔ رومن اور سکسن لوگ ہیں۔ لیکن وہ لوگ اور ہم بلحاظ زبان کے ایک ہی شاخ اور نسل سے ہیں۔ اور بلحاظ خیالات کے بھی ہم نے ان کے ساتھ ملکر ایک ہی گہوارہ میں پرورش پائی ہے۔

بھارت ورش کے تاریخی واقعات تمام دیگر ممالک اور اقوام کے اتہاس سے پہلے کے ہیں ٭

اور ایسے مکمل اور صاف دستاویزات میں محفوظ چلے آتے ہیں کہ ہم اُن سے ایسے سبق (معلومات) سیکھ سکتے ہیں جو اور کسی تاریخ سے حاصل نہیں کرسکتے ہمارے روحانی باپ دادوں کے درمیان رشتہ کی زنجیر کو مسلسل طور پر جوڑتے ہیں جو سوائے آریوں کو درمیان میں لانے کے کبھی مرتب نہیں ہو سکتی ٭

میں ابھی ہندوستان کے علم ادب کا ذکر نہیں کر رہا بلکہ اس سے کئی قدم پیچھے جا رہا ہوں یعنی ہندوستان کی زبان سنسکرت کی طرف میرا اشارہ ہے اب یہ خیال متروک ہو گیا ہے کہ سنسکرت یونانی۔ لاطینی اور اینگلو سکسن زبانوں کی ماں ہے بلکہ اب یہ خیال قائم ہُوا ہے کہ یہ زبانیں ایک ہی مشترکہ درخت کی شاخیں ہیں بلکہ تمام ٹیوٹن سیکسٹ اور سیلون زبانیں بلکہ فارسی اور آرمینین بھی ایک ہی مشترکہ درخت سے نکلی ہیں۔ اگر یہ حالت ہے تو پھر کیوں سنسکرت کو فضیلت دی جاتی ہے اور مورخوں کی رائے میں اسکا مطالعہ ایک ضروری اور اہم معاملہ سمجھا جاتا ہے سب سے پہلے میں اسکی قدامت کو لیتا ہوں یونانی زبان سے قدیم اور پہلے کا ہونا صاف ثابت ہے۔ لیکن اس کی تاریخی قدامت کی نسبت میں اسکی اُس قدیمی حالت کا ذکر کرتا ہوں جس میں کہ یہ آریین زبان ہمارے تک پہنچی۔ یونانی اور لاطینی زبان لوگ

صدیوں سے جانتے ہیں اور انہیں معلوم ہے کہ ان کے اندر مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن اس مشابہت کی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ یونانی الفاظ کی بناوٹ کے لئے لاطینی زبان کلید کا کام دیتی ہے اور بعض کا خیال اس کے برعکس تھا۔ اس کے بعد جب ٹیوٹن زبانیں (یعنی گاتھک۔ انیگلو سکسن۔ سلیونک اور کلٹ) لوگ پڑھنے لگے تو ان سب زبانوں کے اندر باہمی مشابہت معلوم ہوئی لیکن یہ امر ابھی کوئی حل نہ کر سکا کہ کس طرح ان زبانوں میں باہمی مشابہت پائی جاتی ہے اور کس طرح ان کے درمیان تفاوت پڑ گئی تمام عالم لوگ اپنے خیال سے گھوڑے دوڑاتے اور خیالی پلاؤ پکاتے رہے لیکن خوش قسمتی سے سنسکرت زبان نے اپنا جلوہ دکھلایا۔ بس نور اور روشنی ہو گئی اور تمام زبانیں اب ایک دوسرے کو اپنی قدیمی بچھڑی ہوئی بہنوں کی طرح پہچاننے لگیں۔ **سنسکرت اُن سب کی بڑی بہن نکلی** اور بہت سے معاملات و مشکلات اُسنے منکشف کر دیئے۔ جو بیچاری چھوٹی بہنوں کو فراموش ہو گئے تھے تاہم ہر ایک زبان اپنی اپنی جگہ پر ایک تاریخی واقعہ ہے اور ہر ایک کی اصلیت اور حالات معلوم کرنے کے لئے انسانی دماغ کی ضرورت ہے۔

جس طریقہ سے کہ تاریخ کا یہ پُرانا باب (یعنی زبانوں کی اصلیت اور مشابہت کا حال) معلوم ہوا وہ بہت سہل اور سادہ ہے ذرا ان الفاظ پر غور کریں جو آریہ نسل کی ساتوں شاخوں میں ایک ہی بناوٹ اور معنی میں آتے ہیں اُن سے حقیقی اور اصلی حالات کا پتہ لگ سکتا ہے کہ ہمارے قدیمی آبا و اجداد کے خیالات کیسے تھے قبل اسکے کہ وہ ہندو۔ فارسی۔ یونانی۔ ٹیوٹن۔ کیلٹ یا سلیو کہلانے لگے۔ اگرچہ بعض الفاظ بباعث بہت قدامت کے ایک دو زبانوں میں مفقود ہو گئے ہیں لیکن جب تک اسکے برخلاف کوئی کافی ثبوت یا شہادت نہ ہو ہم تسلیم کریں گے کہ آریہ لوگوں کی باہمی جدائی سے پہلے یہ الفاظ موجود تھے مثلاً سنسکرت میں اگنی اور لاطینی میں اگنس کے معنی آتش کے ہیں اس سے پایا جاتا ہے کہ قبل اس کے کہ آریہ لوگ ایک دوسرے سے الگ ہوئے۔ وہ آگ کا استعمال کرنا جانتے تھے ایسا ہی لتھوینین میں اُگنس اور سکاچ میں اُنگل کے

الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ٹیوٹن لوگ بھی آگ کے لئے یہ لفظ جانتے تھے اگرچہ کچھ عرصہ
کے بعد اسکی بجائے انہوں نے اور لفظ مقرر کر لیا۔ الفاظ بھی ہمیشہ مرتے رہتے ہیں
لیکن یہ بات حل کرنا مشکل ہے کہ کیوں بعض الفاظ ایک قطعہ زمین پر مر جاتے
ہیں اور دوسرے قطعہ پر اچھی طرح نشوونما پاتے ہیں۔ تمام رومانس زبانوں میں
لفظ اگنس متروک ہو گیا ہے چونکہ اس کا تلفظ ادا کرنا ذرا مشکل تھا۔ اس لئے
اب اس کی بجائے لفظ فوکس کا استعمال ہونے لگا ہے۔ فرض کرو کہ ہم یہ معلوم کرنا
چاہتے ہیں کہ آریہ لوگ باہمی جدا ہونے سے پہلے چوہا جانتے تھے تو آرین زبانوں
کی لغات دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ سنسکرت میں مُس یونانی میں مُس۔ لاطینی میں
مس۔ پرانی سلیونک زبان میں مائس اور قدیمی جرمنی میں موس وغیرہ اس سے
ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں جو ہماری تاریخ سے پہلے کا ہے۔ بلکہ آریوں کی تاریخ
سے اندازہ کریں تو پایا جاتا ہے کہ آریہ لوگ جب اکٹھے رہتے تھے۔ تو اس جانور
کو جانتے تھے۔ اسی طرح اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہیں کہ آریہ لوگ قبل جدا ہونے کے
بلی کو بھی جانتے تھے تو تحقیقات کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ بلی اسوقت آریہ لوگوں
کو معلوم نہ تھی کیونکہ بلی کے لئے سنسکرت میں الفاظ مارجار اور وڈال ملتے ہیں لیکن
یونانی اور لاطینی میں مسٹیلا اور فیلس ملتے ہیں جو کہ پالتو بلی کے لئے نہیں ہیں۔ پالتو
بلی کے لئے یونانی میں "کاٹا" اور لاطینی میں کیٹس ملتا ہے۔ یہ حیوان مصر سے یورپ
میں چار سو برس عیسوی میں آیا وہاں اسکی بڑی پرستش کی جاتی تھی۔ پس اس سے
ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ بلی کا لفظ آریہ لوگوں کی سات شاخوں میں مشترکہ طور
پر نہیں پایا جاتا جس سے واضح ہوتا ہے کہ آریہ لوگ جدا ہونے سے پہلے بلی
کو نہیں جانتے تھے۔

اس طرح سے آریہ لوگوں کی باہمی جدائی سے پہلے کی تہذیب کے حالات
اور تاریخ کا کم و بیش پتہ لگ سکتا ہے اور اسطرح کھوج لگانے سے ممکن ہے
کہ ہم آرین زبانوں کی ازلی اور وہمی شعاعوں کے جلال کو اپنی دماغی آنکھوں سے
دیکھ کر کچھ نور حاصل کر سکیں۔ صرف یہاں ہی تک نہیں۔ بلکہ وہ پروٹو آرین
زبان (یعنی آریوں سے پہلے کی زبان) جو ہندوستان۔ یونان۔ جرمن اور اٹلی

وغیرہ زبانوں کے بکھرے ہوئے خیالات (یا کھنڈرات) سے جمع کی گئی ہے
وہ بہت دیرینہ اور طویل خیال کے عمل کا نتیجہ ہے تاریخی لحاظ سے اس کا کھوج لگانا
بہت مشکل ہے کیونکہ زندگی کا یہ بہت دیرینہ اور نہایت ہی قدیم زمانہ ہے لیکن
اگر ہم سنسکرت کو ۲۰۰۰ برس قبل مسیح ایک مکمل زبان پاتے ہیں جو لاطینی اور
یونانی سے بالکل مختلف ہے۔ تو سنسکرت یونانی اور لاطینی کی ندیاں کس سمندر
میں جاکر ملینگی جہاں سے کہ وہ مشترکہ (ایک ہی) سوتے سے نکلکر جدا ہوئیں
اور اگر ہم اُن زبردست قومی چشموں کا سراغ لگاتے ہیں اور اُن کو مشترکہ دہانہ
تک پہونچاتے ہیں تو مشترکہ زبان (جہاں سے کہ سب زبانیں نکلی ہیں) بمنزلہ
ایک چٹان معلوم ہوتی ہے جو کہ خیالات کے مد و جزر سے صدہا سال تک
گھستی رہی ہے اور صاف ہوتی رہی ہے۔ مثلاً ہمیں اُس زبان میں ایک
مرکب لفظ "اسمی" ملتا ہے جسکے معنی ہیں "میں ہوں" یونانی میں "ایمی" یا
دیگر زبانوں میں اس قسم کا مترادف لفظ بہت کم پایا جاتا ہے۔ انگریزی میں
سوائے لفظ "آئی ایم" کوئی اور لفظ نہیں ہے۔ لفظ "اسمی" میں "اس" یا "تو"
یعنی فعل ہے جسکے معنی "ہے" کے ہیں اور "می" (معنی میں) اسم ہے لیکن کسی
زبان میں "اسمی" کی طرح "یا تو" نہیں پائی جاتی   (اسی) کے اصلی
معنے سانس لینے کے ہیں اور "اسی" (   ) سے لاطینی میں لفظ "اس" کے
معنے "ہے" "بنتا" ہے۔ پس زمانہ دراز کے بعد تغیر و تبدل اختیار کرتے کرتے
لفظ   (اسی) کے معنے ہستی یا وجود کے ہوگئے اور یہ ہندوؤں
کی قدیمی زبان اور قدامت کا ثبوت ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس معنی کو تبدیل
ہوتے کس قدر عرصہ لگا۔ یہ "یا تو" فعل (آرین) ہے نہ کہ سنسکرت یا تورانی۔
یہ ہمارے قدیمی آباؤ اجداد کا کام تھا جو ہمارے خیالات اور الفاظ
کو ہمارے اُن بزرگوں کے ساتھ ملا دیتا ہے جنہوں نے ہمارے واسطے
سوچ وچار کیا۔ جن کے خیالات اور اعلےٰ وچاروں کو ہم لوگ اب تک
سوچتے ہیں۔ اگرچہ ہزاروں برس سے اُن سے جدا ہوگئے ہیں میرے
خیال میں یہ سچی تاریخ ہے جسکے جاننے کی ہمیں ضرورت ہے۔ عدالتوں کی

کارستانیاں اور قوموں کے جنگ و جدل پڑہنے کی نسبت جنسے ہماری آجکل
کی تاریخیں لبریز ہیں اس قسم کی تاریخ کو پڑہنا زیادہ دلچسپ اور مفید ہے۔ یہ تمام
کام ابھی ابتدائی حالت پر ہے جو شخص کہ قدیمی تاریخ کے ان نکات کو سمجھنے اور
مطالعہ کرنے کی کوشش کریگا۔ اسے بہت سے حالات اور نادر معلومات
کے دریافت کرنے کا موقعہ ملیگا تعجب ہے کہ باوجود ان حالات کے پھر لوگ
کہتے ہیں کہ سنسکرت پڑہنے کا کیا فائدہ ہے۔ آج کل ہر ایک لڑکے کو مدرسہ
میں پڑہایا جاتا ہے کہ انگریزی آرین یا انڈو یورپین زبان ہے اور ٹیوٹانک شاخ
سے نکلی ہے یہ شاخ معہ اٹلی۔ یونانی۔ کلٹک۔ سلونیا۔ ایرانی اور ہندوستانی
شاخوں کے ایک ہی تنہ سے نکلی ہیں اور یہ سب ملکر آرین یا انڈو یورپین زبان کا
قبیلہ بنتی ہیں لیکن آج سے پچاس برس پہلے یہ خیال بالکل نیا سمجھا جاتا تھا اور اسی
خیال نے ہمیں اپنے ان کروڑوں بھائیوں سے برادرانہ رشتہ قائم کرکے ملاپ کرادیا
جنہیں ہم پہلے اپنے خیال میں وحشی تصور کرتے تھے۔ ایک ہی قسم کی زبان بولنے
سے زیادہ رشتہ اور محبت قائم ہوتی ہے بہ نسبت اسکے کہ ایک ہی چھاتی سے
دودہ پیا جاوے۔ سنسکرت جو ہندوستان کی قدیمی زبان ہے درحقیقت یونانی
لاطینی اور اینگلو سکسن زبان ہی ہے یعنی یہ سب زبانیں ایک ہی ہیں۔ اگر ہم
ہندوستان کی زبان اور علم ادب کا مطالعہ نہ کرتے تو ہمیں یہ نادر معلومات ہرگز
حاصل نہ ہوتیں اور ہمیں کوئی دوسری زبان ایسی اہم سکھشا ہرگز نہ دیسکتی
اگر ہم آریہ ورت کے جنگلوں میں بیٹھکر اس سکھشا کو گرہن نہ کرتے۔
جبکہ روئے زمین پر اس نئی روشنی نے اپنا پرتو ڈالا تو ان فاضلوں
اور فیلسوفوں کی تحریرات پڑہنے سے نہ صرف اعلیٰ نصائح ملتی ہیں بلکہ وہ
تحریریں بہت دلکش اور معنی خیز معلوم ہوتی ہیں زیادہ تعجب نہ ماننے کہ ایتھنز اور
اور روما کے لوگوں اور ہند کے سیاہ فام باشندوں کے مابین باہمی تعلقات
اور رشتے ثابت ہونگے۔ میرا ابھی علمی زبانوں کے طالب علم خیال کرتے تھے۔
اور جبکہ میں لیپزگ میں طالب علم تھا۔ اور سنسکرت پڑہنی شروع کی تھی
تو مجھے یاد ہے کہ میرے استاد گاٹ۔ فرنڈ۔ ہرمن۔ ولٹھرمان اور شالورٹ

جیسے سنسکرت اور گرامر کی نسبت کسی قسم کے قابل نفرین خیالات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ جب پروفیسر "باپ" نے سب سے پہلے سنسکرت ژند اوستھا۔ یونانی۔ لاطینی اور گاتھک کے مقابلہ کی صرف و نحو شایع کی تو اس پر مضحکہ اڑایا جاتا تھا۔

مندرجہ بالا تمام اصحاب اس کے برخلاف تھے اور اگر کبھی کسی لہجہ یا ہیجا میں اسکی غلطی پاتے یا خیال کرتے تو فوراً زور سے قہقہہ لگاتے۔ چنانچہ ڈوگلڈ سٹوارٹ بجائے اسکے کہ ہندوں اور سواٹ کے درمیان باہمی رشتہ یا تعلق تسلیم کرتا کہتا تھا کہ سنسکرت زبان اور سنسکرت علم ادب جو کہ سو ہزار سال سے برابر رائج ہے اور یونانی اور رومن سے ہی پروار ہے۔ برہمنوں کی ایک بناوٹی اور فرضی اختراع ہے۔ جب میں لیپزگ میں پڑھا کرتا تھا وہ سکول بہت عمدہ حالت میں تھا۔ چنانچہ وہاں باپ۔ گارنی جیسے پام اور فنک بینل جیسے فاضل استاد تھے یہ ایک پرانا سکول تھا جسے لیسنز جیسے فاضل شاگردوں کے رکھنے کا فخر حاصل تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے استاد ڈاکٹر کلی نے ایک روز شام کے وقت جبکہ بباعث شرارت کے ہم کوئی کام نہ کر سکتے تھے۔ زبانی تبلایا کہ ہندوستان میں ایک زبان بولی جاتی ہے جو کہ یونانی۔ لاطینی۔ جرمن اور روسی زبان سے بالکل ملتی جلتی ہے پہلے ہم نے خیال کیا کہ استاد صاحب ہمارے ساتھ ہنسی مخول میں بات کر رہے ہیں۔ لیکن جب ہم نے سنسکرت فعل اسم ضمیر اسم صفت وغیرہ کی فہرست لاطینی اور یونانی کے مقابل اور مشابہہ بورڈ پر دیکھی تو ہمیں سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ پس حضرت آدم اور حوا اور بہشت کا قصہ۔ بابل کے مینار پر بولیوں کے تبدیل ہونے شام۔ حام۔ اور یافت کا قصہ۔ غرضیکہ یہ سب پرلے قصے ان نئے واقعات نے فرضی اور تباہی بنا دیئے۔ اور نئی تاریخی زندگی میں ہم نے قدم رکھا۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں کیوں ہندوستان کے مطالعہ کو تاریخی اور آزادانہ تعلیم کے لئے نہائیت ضروری سمجھتا ہوں اب یورپی لوگوں کے خیالات تبدیل ہو گئے ہیں اور اب ہم سمجھتے ہیں۔ کہ ہمارے خیالات پہلے کی نسبت بہت کچھ تبدیل ہو گئے ہیں۔

فرض کرو کہ امریکہ کے لوگوں کے تعلقات انگلستان سے بالکل بند ہو جاویں

اور ان پر ایسا عالم نسیان طاری ہو جاوے کہ وہ بھول جاویں کہ ہمارے بزرگ انگلستان کے رہنے والے تھے۔ دو تین ہزار سال کے بعد انہیں وہ زبان مل جاوے جس کا کھوج لگاتے لگاتے وہ انگلستان کی زبان تک پہونچیں یہی حالت ہماری ہے جو سنسکرت زبان کے دریافت ہو جانے سے ہوئی ہے اس زبان کے معلوم ہونے سے ہمیں اپنا بچپن کا زمانہ یاد آتا ہے جو ہمیشہ کے لئے مفقود ہو چکا تھا۔ ہمیں اپنا قدیمی مسکن باپ دادوں کا وطن اور انکے خیالات وغیرہ سب آنکھوں کے سامنے نظر آرہے ہیں کئی ہزار سال پیشتر ہم وہ بنی نوع انسان تھے کہ ہماری رگوں کے اندر انگریزی سکسن یونانی یا ہندو کا خون بہتا تھا لیکن بایں ہمہ ان تمام قوموں کا بیج یا نشانات ہماری رگوں کے اندر متحرک تھے ہمارے بزرگ گویا ان تمام کے آباو اجداد تھے۔

ادھر زمانہ سکسن سکاٹ اور دوسری قوموں کے بزرگوں کے بھی باپ دادے تھے پس سنسکرت زبان یا دوسری آریہ زبانوں کے مطالعہ نے ہمارے لئے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے ہمارے خیالات کے دائرہ کو وسیع کر دیا ہے اور ہم کو سکھایا ہے کہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کو جنہیں ہم اجنبی اور جنگلی وحشی خیال کرتے تھے۔ اپنے بچھڑے ہوئے بھائی سمجھ کر گلے لگا کر پیار کرتے ملیں پس سنسکرت زبان کے وجود نے بنی نوع انسان کی قدیم تاریخ میں ایک ایسی روشنی ڈالی ہے جو اس سے پہلے بالکل معدوم تھی

ہم زمانہ سلف کی معلومات اور عجائبات کی نسبت بہت کچھ لکھتے ہیں اور اگر ہمیں یونان کا کوئی پرانا بت یا مصر کا (دیوتا) یا بابل کا B (کتبہ) ملجاتا ہے تو ہم مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے اور ہم زمانہ قدیم کے اس خزانہ کو حفاظت سے رکھنے کے لئے شاہی محل سے بھی عمدہ عجائب خانہ طیار کرتے ہیں۔ لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہم آپ سب سے ہر ایک کے پاس زمانہ سلف کا عجائب خانہ جو نہایت ہی عجیب اور زبردست مالا مال ہی موجود ہے جو ان بتوں پتھروں یا برجوں سے کبھی بہت پرانا ہے اب سوال کرینگے کہ وہ نادر خزانہ کہاں ہے لیجیے میں آپ کو بتلادوں ہماری زبان کے

اندر موجود ہے +

جب میں حسب ذیل الفاظ استعمال کرتا ہوں "باپ یا ما - دل یا آنسو ایک دو تین وغیرہ تو میں اُن سنسکرت الفاظ کو استعمال کر رہا ہوں جو لیناان کے نبیوں - بابل کے مینارون اور مصر کے برجوں کے وجود میں آنے سے پہلے رائج تھے ہم میں سے ہر ایک کے پاس نہائت امیرانہ اور زمانہ سلف کا حیرت خیز عجائب گھر موجود ہے اگر ہم صرف یہ جان لیں کہ کس طرح اُن خزائن کا استعمال کرنا ہے کس طرح اُن کو رگڑ دیں اور جلا دیکر شفاف اور مجلی کریں - کس طرح اُنکو مرتب کریں اور مطالعہ کریں تو اُن خزائن میں سے وہ عجیب و غریب لعل و دُر بے بہا نکلینگے جو تمام کتبوں اور کندوں کے خط گلزار و خط قطبی کو ملا کر بھی ہم نہیں پہنچ سکتے - اگرچہ آپنے بہت کچھ ان عجیب و غریب حالات کو پہلے سُن لیا ہوگا اور اب آپکو یہ خیالات پُرانے معلوم ہوتے ہونگے - لیکن ابھی سنسکرت زبان کے اندر کئی عجیب باتیں قابل دریافت ہیں - کوئی لفظ سنسکرت میں ایسا نہیں جسے اگر آپ پد چھید کریں (یعنی ٹکڑے ٹکڑے کریں) یا اسکی اصلیت کا پتہ لگا دیں تو وہ آپ کے دل و دماغ کے اندر ایک قسم کی فرحت یا حیرت پیدا نہ کرے - جس طرح کسی نہائت ہی کاریگر اور صانع نے ہزاروں سال سے کوئی ہنر یا صنعت کا کام طیار کیا ہوا ور اسکے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے کے ملجانے سے اُسکی صنعت یا کاریگری مترشح ہوتی ہے - ایسے ہی سنسکرت زبان کے الفاظ کو بغور دیکھنے سے اسکے اندر وہ جوہر نہاں ملتے ہیں جنہیں بہت ہی دلچسپی اور خوشی کے ساتھ دیکھا جاتا ہے - الغرض آپ جس قدر غور و خوض سے سنسکرت زبان کے اندر غوطہ لگا دیکھئے اتنا ہی اسکے اندر سے خوبیاں اور جوہر نمایاں ہونگے مجھے اپنے نفس مضمون سے باہر جانا مناسب نہیں ہے - میں صرف آپکے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ علم زبان کے ایسے عجیب نتایج اور کرشمے جو بغیر سنسکرت کی امداد کے ہرگز بر آمد نہ ہو سکتے آزادانہ اور تاریخی تعلیم کے لئے نہائت ہی ضروری جزو ہیں اسکے ذریعے ہم اپنے مشرق کو پا سکتے ہیں اور سچے مشرق کو دریافت کر سکتے ہیں اور دنیا میں اپنا اصلی وطن و مسکن دریافت

کر سکتے ہیں اور جان سکتے ہیں کہ ہم کہاں سے روانہ ہوئے ہم نے کس راستہ پر سفر کیا اور کون سے مقامات پر ہم نے آئیندہ اپنی زندگی کے جہاز کو چلانا ہے۔

ہم سب مشرق سے آئے ہیں اور تمام ہماری قابل قدر اشیا مشرق سے ہی آئی ہیں جب ہم ہندوستان کا سفر کرتے ہیں تو نہ صرف وہ لوگ جنھوں نے مشرقی زبانوں کا مطالعہ کیا ہے۔ بلکہ ہم میں سے ہر ایک جسنے سچی انسانیت دریا حاصل کی ہے اپنے دل میں محسوس کرتا ہے کہ ہم اپنے اصلی وطن کو جا رہے ہیں۔

پس جبکہ آئندہ سال تم یہاں سے چل کر ساحل ہند پر جہاز کے لنگر لگاؤ گے تو بجائے اُسکے کہ دل میں کچھ پژمردگی چھا جاوے۔ آپ کے دل میں ویسے ہی خیالات کی ترنگ اٹھنی چاہئے جو آج سے ایک سو برس پہلے سر ولیم جونس کے اندر اٹھی تھی۔ جبکہ وہ انگلستان سے سفر کرتے ہوئے بحر ہند کے ساحل پر پہونچا اور یہاں سورج کو اُفق سے نکلتے دیکھا۔ اُس زمانہ میں ہندوستان کی اجنبی زمین پر قدم رکھنے والے نوجوان اپنے دل میں عجیب قسم کے خیالات لیکر جاتے تھے اور عجیب خواب دیکھا کرتے تھے۔ جن کے ظاہر کرنے میں وہ پس و پیش نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ سر ولیم جونس جب ساحل ہند پر اترا تو وہ اپنے خواب کا نقشہ جو اُسنے اُسوقت وہاں دیکھا اس طرح کھینچتا ہے جب میں ۱۸۸۳ء ماہ اگست میں ہندوستان کی طرف بحری سفر کر رہا تھا تو ایک روز شام کے وقت جبکہ میں ... کے مشاہدات میں مشغول تھا میرے دل میں اس بات کے دیکھنے کی زبردست خواہش پیدا ہوئی۔ کہ ہندوستان میرے سامنے واقع ہے۔ فارس میرے بائیں طرف عرب سے باد نسیم کا جھوکا ہمارے مکان پر پڑ رہا ہے۔ یہ حالت میرے لئے ایسی دلکش اور نئی تھی کہ میرے دل کے اندر خیالات کی لہر چل پڑی اور جیسا کہ میں مشرقی دنیا کی دل پسند کہانیاں اور تاریخی حالات سننے اور پڑھنے کا شائق تھا ویسے خیالات کا سلسلہ میرے اندر قائم ہو گیا۔ جب میں نے اپنے تئیں ایسی پاک سرزمین میں پایا جو کہ ایشیا کے وسیع میدانوں سے محیط تھی تو میں اس فرحت کو بیان نہیں کر سکتا

ہیں۔ کہ مشرق [illegible] ہر قسم کے علوم کا گہوارہ ہے۔ تمام مفید اور کارآمد ہنروں کا بانی۔ شاندار اور قابل فخر صنعتوں کا نظارہ گاہ ہے انسانی ذہانت کے پیدا کرنے اور نشو و نما دینے کے لئے یہ سرسبز و شاداب قطعہ ہے مذہب اور سلطنت قانون۔ اخلاق۔ رواج اور زبان۔ انسانوں کے خط و خال اور چلن ان تمام امور کے لحاظ سے رنگا رنگ اور گوناگوں خیالات سے بھرا ہے۔ میں یہ کہنے سے رک نہ سکا۔ کہ یہ علاقہ کیسا وسیع ہے جو ابھی قابل دریافت ہے اور کسقدر بڑے فوائد سے اسکے دریافت کرنے سے نصیب ہو سکتے ہیں"۔

ہندوستان کو سر ولیم جیسے سینکڑوں نوجوانوں کی ضرورت ہے جو اس قسم کی ترغیبیں اور امنگ لیکر جہاز کے کنارے پر کھڑے ہوکر سورج کو ہندوستان میں طلوع ہوتے ہوئے دیکھا ایسے بلند خیالات کے خواب دیکھیں جبکہ انگلستان کے خیالات اور حالات ابھی ان کے دل و دماغ میں تر و تازہ ہوں اور ہندوستان کی سرسبز امیدیں سامنے ہوں۔ ایران کی موجودگی اور اس کے زمانہ سلف کے سلاطین کے کارنامے محسوس کرتے ہوں۔ عرب کی باد نسیم کے جھونکے دماغ پر پڑتے ہیں۔ اور اسکی شاندار نظم کو اپنے دماغ میں محسوس کرتے ہوں۔ اس قسم کے خیالات رکھنے والے نوجوان اپنے خواب کو سچا کر دکھلاتے ہیں اور اپنے تصورات کو اصلیت کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔ جیسا خیال کہ آج سے سو برس پہلے تھا وہی خیال اب بھی موجود ہے اور ہندوستان میں ابھی کئی عجیب کام خیالات ایسے ہیں جن کی تکمیل باقی ہے بشرطیکہ آپ کا خیال انہیں [illegible] کرنے کا ہو۔

اگرچہ سر ولیم جونز کے کلکتہ میں آنے کے بعد مشرق کے علم ادب اور تاریخ کے متعلق بہت کچھ فتوحات حاصل ہو چکی ہیں یعنی بہت کچھ تفتیش ہو چکی ہے اور علماء نے بہت کچھ حالات پر روشنی ڈال دی ہے۔ لیکن باوجود سکندر کی طرح یہ کہنے کا موقعہ نہیں۔ کہ سندھ اور گنگا کے قدیمی ساحلوں پر

کوئی ایسی سلطنت یا علاقہ باقی نہیں رہا۔ جو قابل تسخیر یا فتح ہو۔ ابھی ہندوستان کے حالات دریافت کرنے کے لئے بڑا وسیع میدان باقی ہے ۔

باب دوم

قدیمی آریوں کی راست پسندی اور فرض شناسی

پہلے باب میں میں نے اس تعصب کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے جو اکثر طلباء کے اندر بیٹھا ہوا ہے کہ ہندوستان ایک اجنبی ملک ہے اور انگلستان کی ذہنی اور ذاتی زندگی کی نسبت وہاں کی زندگی بالکل مختلف ہے اسلئے ہندوستان کی ۲۵ سالہ ملازمت بمنزلہ جلاوطنی کے بسر کرنی پڑتی ہے وہاں بلند خیالات کے ظاہر کرنے اور تکمیل کرنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ اب میں دوسرا متعصبانہ خیال رفع کرنے کی کوشش کرونگا جو اہل ہند اور آپ کے فاتحوں کے درمیان زیادہ تفاوت اور اختلاف پیدا کرتا ہے۔ اسلئے زیادہ مضر اور خطرناک ہے اور ایسے خیال کی موجودگی میں باہمی اتحاد اور یگانگت کا پیدا ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایسے خیالات کی موجودگی میں ہندوستان میں ہماری بود و باش اخلاقی جلاوطنی متصور ہوتی ہے۔ اور ہندؤں کو ادنیٰ درجہ کی نسل سمجھنے سے اور اخلاقی پہلو میں انہیں گرا ہوا اور راستباز نہ سمجھنے سے بڑی بھاری غلطی کرتے ہیں۔ ایک عالی خیال نوجوان کیلئے اس سے بڑھکر مایوس کرنے والا خیال نہیں ہو سکتا۔ کہ اسنے اپنے ایام ملازمت ان لوگوں میں بسر کرتے ہیں جو اسکے خیال میں نہ تو صداقت شعار ہیں نہ ہی خودشناسی اور خودداری کا مادہ ان کے اندر موجود ہے نہ ہی انکے اندر راستبازی اور دیانتداری ہے۔ پس بجائے اسکے کہ وہ ان سے محبت کرے یا انکی عزت کرے انسے نفرت اور اجتناب اختیار کرتا ہے میرا یقین ہے

کہ اہل ہند بحیثیت ایک قوم کے کاذب ہونیکا الزام لگانا ایسا خطرناک اور مفسدانہ
کام ہے کہ ہند میں انگریزی سلطنت کا سخت جانی دشمن بھی نہیں لگا سکتا۔ اگر ایک
نوجوان جو سول سروس کا امتحان پاس کرکے ہندوستان میں قدم رکھتا ہے
اپنے دل میں یہ خیال لیکر آتا ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ میں نے وہاں علانیہ
اور خفیہ طور پر ملنا جلنا ہے وہ بالکل دروغگوئے ہیں۔ اور اخلاق پہلو
سے بالکل گرے ہوئے ہیں تو آپ خود اندازہ کریں کہ اسکے دل میں ایسی قوم
یا افراد سے کس قدر نفرت ہوگی اور انکے ساتھ کس طرح حقارت سے
سلوک کریگا۔ جب اس قسم کے نفرت انگیز خیالات اسکے دل میں سمائے
ہوئے ہونگے تو پھر انکا دور کرنا بہت دشوار ہوگا۔ ہندوستان کا خیال چھوڑ
کر بھی میری رائے میں اس قسم کی قومی نفرت یا حقارت کو جڑ سے اکھیڑنا
چاہئے۔ نہ صرف اسلئے کہ یہ خیالات متکبرانہ اور نخوت والے دل سے اٹھتے
ہیں۔ بلکہ دنیا میں بھی ایسے خیالات قائم نہیں رہ سکتے۔ مثلاً ایک آدمی نے یونان
کی سیر کی ہے اور وہاں اسکے ملازم نے یا کسی باشندہ نے اسے دھوکا دیا ہے
یا لوٹ لیا ہے تو کیا اسکے یہ معنی ہیں کہ زمانہ سلف یا حال کے تمام یونانی فریبی
اور دھوکے باز ہیں یا لوٹ مار اور دھوکا بازی کو اچھا سمجھتے ہیں۔ ٹھیک یہی
حالت ہندوستان کے ساتھ ہے۔ چونکہ کلکتہ۔ بمبئی و مدراس میں جو ہندوستانی
لوگ یورپین حکام کے تعلق میں آتے ہیں یا عدالتوں اور بازاروں میں پھرتے
ہیں اور پیش ہوتے ہیں وہ اعلی درجہ کے راستباز اور صداقت شعار نہیں ہیں
اسلئے دلیل اور عقل کے زمانہ میں یہ نتیجہ نکالنا کیسا بیجا اور نامعقول ہے کہ تمام
ہندو جو قریباً ۲۵ کروڑ ہندوستان میں آباد ہیں سب جھوٹے اور دروغگو ہیں
کیا کوئی انگریز ملاح اگر کبھی کسی ہندو جج کے سامنے عدالت میں پیش ہو۔ جو
عجیب لہجہ میں اسکے سامنے انگریزی بولے کیا وہ اسکے سامنے جھک کر خود آ
اپنے قصور یا جرم کا اقبال کریگا اور کیا تمام اسکے دوست رفیق دلیرانہ
آگے بڑھکر اسکے برخلاف شہادت دینگے جب کہ دیکھینگے کہ اسکے اوپر مصیبت
آنیوالی ہے۔ ہم مسٹر تھومس خسروار سے کی مثال کا اطلاق ہندوؤں پر کرنے کو

طیار ہیں۔ لیکن اگر ہم یہی قاعدہ یا تمثیل تمام بنی انسان پر عاید کریں تو ہم یقیناً
ویسی ہی غلطی کے مرتکب ہونگے جیسے ایک انگریز پادری نے ایک فرانسیسی
لمبی ناک والے لڑکے کو بپتسمہ دیا اور زندگی بھر یہ خیال اسکے دل میں قائم رہا
کہ تمام فرانسیسی لڑکوں کی ناک لمبی ہوتی ہے ؛

سر جان میلکم صاحب ان مختلف اقوام کی مختلف خصائل کے مشاہدہ
کرنے کے بارہ میں جن کو ہم ہندو کہتے ہیں اور جن کو ہم نفرت کے ساتھ ہندو کے
نام سے نامزد کرتے ہیں یوں فرماتے ہیں "بنگال کے لوگ بزدل اور کمزور جسم
ہیں اور کلکتہ سے نیچے سیرت اور صورت میں بھی کمزور ہیں لیکن جوں ہی کہ آپ
علاقہ بہار میں داخل ہوں وہاں کے ہندو باشندے بلحاظ جسمانی حالت
شہزور قوی ہیکل اور نہایت ہی اعلے چلن کے آدمی ہیں وہ بہادر فیاض
انسانی ہمدردی سے بھرپور اور راستبازی میں ایسے مشہور ہیں جیسے نجابت
ہیں ؛ چونکہ میں ایسے غلط اتہام کی تردید کے لئے زور سے آواز اٹھانا چاہتا ہوں
جو لنکا سے لیکر ہمالیہ تک کے ہندوؤں کے سر پر مڑھا جاتا ہے اس سے ہرگز
یہ تصور نکریں کہ میں ہندوؤں کے تمام نقائص پر پردہ ڈالکر انکی بیجا خوبیوں
کو آدرش کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں اور ان کی بیجا تعریف کے گن گاتا ہوں
میں نے آجتک ہندوستان میں کبھی سفر نہیں کیا بحیثیت راستباز مورخ کے
میرا فرض ہے کہ ہر ایک قسم کے واقعات کو فراہم کروں۔ اور تواریخی نکتہ چینی کے
قواعد کی پابندی کرتا ہوا اسکی چھان بین کروں اور اسپر رائے زنی کروں ؛

زمانہ سلف کے ہندوؤں کی قومی خصلت کے بارہ میں میری واقفیت
اور خیالات کا انحصار زمانہ سلف کے ہندوؤں کا علم ادب اور یونانی مورخوں
کی تصنیفات ہیں جو انہوں نے آجسے بہت عرصہ پہلے قلمبند کئے۔ زمانہ سلف
کے حالات دریافت کرنے کے لئے ہمیں ہندوستان کے مختلف فاتحوں کی
تحریروں پر بھی انحصار کرنا پڑتا ہے جو ضروری نہیں کہ ان لوگوں کے ساتھ انصافاً
برتاؤ کریں جنہیں وہ صرف مغلوب کرنا ہی جانتے تھے نہ کہ ان پر حکومت کرنے
کا ڈھنگ بھی جانتے ہوں۔ گزشتہ صدی سے لیکر آجتک میں ان لوگوں کے

حوالجات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرونگا جنہوں نے ہندوستان میں اور
ہندوؤں کے درمیان اپنی زندگی محنت و مطالعہ میں بسر کی اور اپنی تصنیفات
میں اپنے تجربوں سے ہمیں آگاہ کیا ہے اور کچھ نامی ملازمان سول سروس کی
شہادت پیش کرونگا اور بعض ہندوستانی شرفاء کی سند پیش کرونگا جنہے
کہ انگلینڈ - فرانس اور جرمنی میں اپنے ذاتی طور پر رسوخ حاصل کیا ہے - چونکہ میں
اسوقت زیادہ تر اُن اصحاب کے سامنے تقریر کر رہا ہوں - جنہوں نے کل ہندوستان
میں جاکر حاکم اور گورنر کی طرح کام کرنا ہے اسلئے میں پہلے اُن لائق فائق نہایت
ہی نیکدل اور انصاف پسند شرفا کی رائے کو پیش کرونگا جنہوں نے اس سے
پہلے ہندوستان میں جاکر بطور سول سروس کے نہایت اہم کام سر انجام دیتے ہوئے
رائے قائم کی اور بڑی جرات کے ساتھ ہندوؤں کی صداقت یا عدم صداقت
کی نسبت اپنے آزادانہ خیالات کا اظہار کیا ہے بعض اصحاب دیگر کا بھی یہ
خیال ہے کہ وہ سرکاری ملازم جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت انیسویں صدی کے
شروع میں بطور حاکم و منتظم آئے انہیں سے ذاتی طور پر واقفیت کا فخر مجھے انگلستان
میں نصیب ہوا انہوں نے ہندوستانیوں کے حالات اخلاق اور اوصاف کو زیادہ
عمدگی اور فصاحت سے دیکھا بہ نسبت اُن سرکاری ملازمان کے جو آج سے کوئی تیس برس
پہلے مجھ سے ملے - اور انگلینڈ میں واپس آکر اپنا نام حاصل کیا ہے ؞

اب ہندوستان دور دراز جزیرہ نہیں رہا - اب انگلینڈ سے ہندوستان
اور ہند سے انگلینڈ کا سفر آسان اور سہل ہوگیا ہے - روزانہ ڈاک تار - اخبارات
اور خط و کتابت وغیرہ ایسے واقعات ہیں جنہوں نے اب پچاس برس
پہلے کی نسبت سفر اور زندگی کو سہل اور خوشگوار بنا دیا ہے ؞ اب انگلستان کی بیبیاں
بھی گزشتہ پچاس سال کی نسبت زیادہ خوشی سے ہند کے سفر میں شریک ہونے کو
طیار ہیں - اگر کوئی مشکل ہے تو اُس کا دفعیہ یوں ہو سکتا ہے کہ آیندہ سول سروس
کے امیدواروں کے اندر وہ خیالات اور جوش ڈالے جاویں جنسے کہ وہ ہندوستان
میں قیام رکھتے ہوئے ہند کے اعلیٰ مفاد کا خیال رکھیں - میں پروفیسر ولسن کو
جو اکسفورڈ میں سنسکرت کا پروفیسر رہ چکا ہے کئی سالوں سے اچھی طرح جانتا

ہوں میں اس کے ہندوستان کی علمیت کے متعلق لیکچروں کو بڑی سرگرمی و شوق
سے سنا کرتا تھا۔ چنانچہ وہ ہندوستانی دوستوں۔ رفیقوں اور ملازموں کے بارہ میں
حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے "میں اپنی خوشی اور ضرورت کے باعث بہت عرصہ
تک ہندوستانیوں کے درمیان رہا۔ اور دوسرے یورپین کی نسبت ان کے ساتھ
زیادہ واقفیت کے موقع حاصل کرتا رہا۔ مثلاً کلکتہ کی ٹکسال میں مجھے کئی کاریگروں
مزدوروں اور دیگر کارکنان سے روزانہ میل جول اور تعلق میں آنے کا کام پڑتا
تھا چنانچہ میں نے دیکھا کہ ہندو لوگ خوش باش۔ ان تھک کام کرنے والے اپنے
افسروں کے احکام کو بڑی خوشی سے ماننے والے سختی سے سخت حکم کی
تعمیل فوراً کرنے والے اور جفاکش تھے۔ نہ تو اُن کے چال چلن خراب یا قابل اعتراض
تھے نہ ہی انکے اندر حکم عدولی کا خیال تھا۔ دیگر لوگوں کے مقابلہ میں بد دیانتی بھی
ان میں تھوڑی تھی۔ دیگر ممالک کے ٹکسالوں کی نسبت یہاں نگرانی کرنے کی
کم ضرورت پڑتی تھی۔ تیز فہمی اور ہوشیاری کا مادہ انکے اندر موجود تھا۔ اُن کے اندر
کشادہ دلی اور صاف دلی کمال درجہ کی تھی۔ ہندوؤں کے چلن میں یہ ایک عام وصف
ہے کہ جہاں پورا وشواس ہو وہ بڑے صاف دل اور فیاض طبع ہوتے ہیں
دیکھنے کا کافی موقعہ ملا ہے اور میں یقیناً کہہ سکتا ہوں۔ کہ وہ مقدمہ باز نہیں ہیں
لیکن مل صاحب اسی پر اکتفا نہیں کرتا اور اس سے ایک قدم بڑھ کر کہتا ہے۔ کہ
برہمن جب چاہے کسی کو مار ڈالے وہ ہندوؤں کو تمام بدیوں اور خرافات سکھاتا ہے یہاں تک
تو وہ سمجھتا ہے جیسا کہ کرنیل ورنسی کینڈی نے ظاہر کیا کہ یہ سوسائٹی کبھی
اکٹھی یا متفق نہ رہتی۔ اگر اس کے اندر اسی قسم کے رند آدمی ہی شامل رہتے اگر
یہ بات درست ہے کہ برہمن جب چاہے اور جسے چاہے فوراً قتل کر سکتا ہے۔ تو
یہ ہندوؤں کے حق میں ایک زبردست شہادت ہے کہ باوجود ایسے خاص استحقاق
ملنے کے برہمنوں نے کبھی اس سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا جس سے ظاہر ہے کہ
یہ امر واقعہ نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انگلستان میں فی دس ہزار آدمی پیچھے
ایک آدمی کو پھانسی کی سزا ملتی ہے۔ حالانکہ بنگال میں دس لاکھ کے پیچھے ایک کو سزا
قتل ہے۔ کرنیل سلیمن کی کتاب نے افسوس ہے کہ اس قدر اشاعت حاصل

نہیں کی جسکی وہ مستحق تھی۔ مگر تاہم اسکے خیالات کے اظہار کے لئے میں چند اقتباس
اسکی کتاب سے آپ کے سامنے پیش کرونگا۔ چنانچہ اس کی اکثر تحریرات اپنی
ہمشیرہ کی طرف مخاطب ہو کر تحریر شدہ ہیں وہ اپنی ہمشیرہ کو حسب ذیل تحریر ایک
مقام پر کرتا ہے "میری پیاری بہن۔ اگر ہندوستان میں کوئی ایک ہموطن کسی سے دریافت
کرے کہ ہندوستان میں دل لگی کا سب سے بڑا ذریعہ کیا ہے تو قریباً ½ حصہ تو ابھی
جھٹ بول اٹھینگے کہ صرف خوشی کا ذریعہ کیول (صرف) وہ خطوط ہی ہیں جو ہمیں
اپنی بہنوں سے ولائت سے آتے ہیں جہاں وہ ہماری دل لگی کا سامان پیدا
کرتے ہیں ہمیں عمدہ شہری اور گورنمنٹ کا وفادار بننے کی طرف مائل کرتے ہیں۔
کیونکہ ہندوستانیوں کی بہ نسبت اپنی زندگی کے جدوجہد میں ہمیں ان اصحاب
کی پسندیدگی کیطرف نگاہ ڈالنی پڑتی ہے جو ہماری مہربان بہنیں ظاہر کرتی ہیں
جو ہندوستان کی گورنمنٹ کی بلاتنخواہ مجسٹریٹوں جیسے اعلےٰ فرائض کو سرانجام دینے
والی تصور کی جانی چاہیئے۔" ان چند الفاظ میں جو اسنے اپنی بہن کو تحریر کئے
زمانہ سلف کی انگریزی بہادری کی جھلک پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ وہ تسلیم کرتا ہے
خطوط کا جواب دینے میں وہ سست الوجود ہے اسنے اپنی فرصت کے موقعہ کو
غنیمت سمجھا۔ جبکہ وہ نربدا سے ہمالیہ پہاڑ کو اپنی صحت کی خاطر جارہا تھا۔ اور وہ
ہندوستان میں اپنے تجارب اور خیالات کا مفصل حال اپنی بہن کو تحریر کرتا ہے
جو کچھ اسنے حالات لکھے وہ دراصل اسکی ہمشیرہ اور دوسرے ممبران خاندان کی خوشی
اور دل لگی کے واسطے تحریر کئے۔ وہ آگے چلکر رقمطراز ہے میں ایک امر کا آپکو یقیناً اطمینان
کراتا ہوں کہ مجھے کہیں بھی بناوٹ نہیں دیکھنی پڑی یعنی نہ تو گفتگو میں نہ کتابوں
میں اور نہ ہی حکایات میں۔ جو کچھ کہ میں دوسروں کی شہادت پر بیان کرتا ہوں
میں یقین کرتا ہوں کہ بالکل سچ ہے اور جو کچھ میں اپنے ذاتی تجربہ پر تحریر کرتا ہوں
میں یقین کرتا ہوں۔ کہ درحقیقت امر واقعہ ہے ٭

جب اسنے اپنی یہ کتاب ۱۸۳۴ء میں شائع کرکے ہدیہ ناظرین کی اسے امید
تھی کہ انگلینڈ کے لوگ اسے پڑھکر اہل ہند کی اصلیت اور اندرونی حالت کو ٹھیک
طور پر سمجھنے کے قابل ہو سکینگے کیونکہ ان کی قسمت کا بہت کچھ تعلق ہمارے اہل وطن

(مراد انگریزوں سے ہے) کے ہاتھ نہیں ہوگا۔ اور اسطرح اُن سے زیادہ مہربانی اور ہمدردی کے خیالات سے برتاؤ کرینگے۔ شاید آپ پوچھیں کہ ہندوؤں کے خصلت کے بارہ میں کیوں کرنیل سلیمن کو پروفیسر ولسن جیسے بے تعصب اور راستی پسند سے بھی زیادہ مستند اور قابل اعتبار سمجھتا ہوں۔ اس کا جواب صاف ہے کہ ولسن صاحب صرف کلکتہ میں قیام پذیر رہے اور کرنیل سلیمن نے تو جابجا دیہات میں گشت کی۔ جہانکہ ہندوستان کی اصلی تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔ کئی سال تک وہ محکمہ ٹھگی میں کمشنر کا کام کرتا رہا۔ اور انسداد ٹھگی میں بہت نمایاں کام کیا۔ ٹھگوں کا پیشہ قتل کرنا تھا۔ یہ لوگ خون کرنا مذہبی رسم سمجھتے تھے۔ دراصل یہ لوگ مسلمان تھے۔ مگر عرصہ دراز تک جوق درجوق ہندوؤں کے ساتھ ملکر رہنے سے یہاں کے لوگوں میں خلط ملط ہوگئے تھے۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی۔ پس ان گروہوں کی تلاش میں کرنیل سلیمن کو اکثر دیہاتی لوگوں میں بود و باش کرنی پڑتی تھی ان کا اعتبار بھی بننا پڑا۔ اور انکی اندرونی اور اصلی خصلت کے حسن و قبح جانچنے کا موقعہ مل سکتا تھا۔ چنانچہ کرنیل مذکور اس بات پر سخت اصرار کرتا ہے کہ جس کسی نے اہل ہند کی دیہاتی زندگی کا مطالعہ نہیں کیا وہ کبھی اہل ہند کے خصائل کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ جسطرح کہ ہندمیں دیہاتی زندگی اہل ہند کے خصائل کا پورا نمونہ اور اصلی تصویر ظاہر کرتی ہے وہ حالت کسی اور ملک میں نہیں پائی جاتی ✦

اگر لوگوں کو اپنے افسروں کی نیک نیت اور مزاج پر پورا اطمینان ہوجائے تو اسکے اندر بزدلی اور الگ تھلگ رہنے کا خیال دور ہوجاتا ہے اور اپنے افسر کی کمال درجہ کی عزت کرتے ہیں فرصت کے وقت وہاں کے عالم پنڈتوں سے میں نے پڑھنا شروع کیا اور انکے تعلق میں آنے سے انہیں محنتی۔ ذہین خوشباش۔ صادق دل۔ اور دیگر اعلےٰ اوصاف سے آراستہ پایا۔ ہندو لوگوں میں ایک خاص وصف یہ ہے کہ وہ بچوں کی طرح سادہ ہیں۔ اور زندگی کے کاروبار اور چالاکیوں سے نا آشنا ہیں۔ پنڈت اور دیگر عالم لوگ۔ یورپ کے لوگوں کے اخلاق سے ناواقف تھے۔ اسلئے اُنسے بہت ہراساں پائے جاتے ہیں۔ ہندو عالموں اور یورپین لوگوں کا باہمی میل جول راہ و رابطہ بہت کم ہے اسلئے کوئی

تعجب کی بات نہیں اگر ہم بھی غلط فہمیاں اور غلط خیالات پیدا ہوں۔ کلکتہ کے اعلےٰ طبقہ میں سے تہذیبانہ اخلاق والے صاف پاکیزہ اور سمجھدار۔ آزاد خیالات اور اصولوں میں پکے جو دنیا کے دیگر ممالک میں بھی نہایت اعلےٰ درجہ کے شریف سمجھے جاتے ہیں اس قسم کے بعض اصحاب سے میری دوستی رہی ہے میں نے کئی دفعہ پروفیسر ولسن سے اپنے ہندوستان کے پرانے دوستوں کی تعریف کرتے سنا ہے چنانچہ رام کمل سین کے ساتھ (جو کشیب چندر سین کا دادا اور پکا ہندو تھا) اسکی خط وکتابت رہی اور ابھی شائع ہو چکی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر انگریزوں کی طرف سے ذرا بھی محبت کا اظہار ہو تو کسطرح ہندو لوگ انکے ساتھ برتاؤ اور محبت کرنے کو اور گہری دوستی لگانے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں ۔

ایسا ہی ایک اور سنسکرت کا پروفیسر جس پر آپکی یونیورسٹی کو فخر ہے جو اس بارہ میں مجھسے زیادہ وزن دار اور مستند رائے رکھتا ہے۔ میری طرح وہ بھی صائب رائے رکھتا ہے کہ اگر تم ہندوؤں میں دوست تلاش کرنا چاہو تو آپ کو مل سکتے ہیں اور وہ قابل اعتبار و وفادار ہیں۔ میں ایک کتاب کے لئے زوردار الفاظ میں سفارش کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس سے بھی ارزان قیمت میں شائع ہو تاکہ عام شائقین کے ہاتھوں تک پہنچ سکے اس کا نام کرنیل سلیمن صاحب کی گشت اور ہند کے ایک افسر کے ملفوظات ہے۔ یہ کتاب ۱۸۴۴ء میں شائع ہوئی تھی اور ۱۸۳۵ء میں تحریر ہوئی تھی لیکن ایک اور کتاب ہے جس کے لئے میں انڈین سول سروس کے امیدواروں کو آگاہ کرتا ہوں۔ کہ اسکے مطالعہ سے اجتناب کریں کیونکہ یہ کتاب مضر ہے اور اسنے بہت خراب نتائج پیدا کئے ہیں یہ کتاب نہ صرف امیدواران سول سروس کو پڑھنی پڑتی ہے بلکہ اس میں سے امتحان ہوا کرتا ہے اب اسکے نقائص پر ذرا غور کریں۔ مل صاحب نے ہندوؤں کے خصائل کا اندازہ کرنے میں فرانس کے پادری ڈوبی صاحب اور بکانن۔ ٹننٹ اور وارڈ صاحب کی رائیوں پر انحصار کیا ہے جو متعصب ہونے کے علاوہ مستند یا ماہر نہیں سمجھے جاتے۔ مل صاحب ان کی تصنیفات سے جو کچھ زیادہ اسے ہندوؤں کے برخلاف ملتا ہے فراہم کرتا ہے اور ان اوصاف کو

محذوف کرتا ہے جوان مضمون کو بھی ہندؤن سے نفرت کا خیال رکھتے ہوئے بھی
ظاہر کرنے پڑتے ہیں مثلاً بطور محاول کہا گیا تھا کہ برہمن جھوٹ اور فریب میں بہنر له
پہونچی کے آشیانہ کے ہے۔ لیکن وہ اسکو سچا اور سنجیدگی سے پُرخیال کرکے تحریر
کرتا ہے۔ دوسرا ہندؤں کی دروغگوئی کے ثبوت میں اُن کا مقدمہ باز ہونا پیش
کرتا ہے وہ تحریر کرتا ہے جبکہ ہندو لوگ باہمی کدورت اور کینہ کا انتظام نہیں
لے سکتے تو عدالتوں کی طرف دوڑتے ہیں اور باہم مقدمہ بازی کرتے ہیں۔
کیا ہی خیال دوسرے الفاظ میں اس طرح ظاہر نہیں ہو سکتا۔ جبتک اُنکی
ضمیر اور قانون کی عزت انہیں ایک دوسرے سے انتقام لینے اور نفرت کرنے
سے منع کرتی ہے وہ انگریزی انصاف پر پورا اعتبار کرتے ہیں قانونی عدالتون
کے سامنے قانونی چارہ جوئی کے لئے حاضر ہوتے ہیں" چنانچہ ڈاکٹر رابرٹسن صاحب
اپنی کتاب موسومہ "ہندوستان کی نسبت تاریخی تحقیقات" میں ظاہر کرتے ہیں۔ کہ
اہل ہند کی مقدمہ بازی اُنکی اعلیٰ تہذیب کا ثبوت ہے نہ کہ وحشی پن کا۔ لیکن
مل صاحب اسکی اصلاح یوں کرتے ہیں کہ ایسی ہشیاری۔
ایرلنڈ کے وحشیوں سے زیادہ اور کہیں نہیں پائی جاتی" چونکہ انگریزی عدالتوں میں
اسلامیہ سلطنت کی عدالتوں کی طرح رشوت ستانی کا بازار گرم نہیں تھا۔ اسلئے تعجب
کی بات نہیں کہ ہندو لوگ ایسی عدالتوں کے شیدا ہوگئے ہوں لیکن کیا یہ
فی الواقعہ امر ہے کہ ہندو لوگ دوسری قوموں سے زیادہ مقدمہ باز اور جھگڑالو
ہیں۔ سر ٹامس منرو مدراس کا لائق گورنر اور رعیتوارنی بستیوں کا ایک زبردست
حامی فرماتا ہے" مجھے اہل ہند کو ہر ایک حالت میں۔ جب ہم تاریخ ہند میں اسقدر
راجوں مہاراجوں۔ بادشاہوں کے حالات پڑھتے ہیں تو ہم ہندوستان کو ایک
مشرقی وسیع سلطنت سمجھتے ہیں جسپر کہ ایک مرکزی طاقت حکومت کرتی ہے
اور اُس میں اُس سلف گورنمنٹ کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ جس کا کہ انگلستان
کو فخر ہے لیکن جنھوں نے کہ زیادہ احتیاط سے ہندوستان کی پولٹیکل زندگی
کا مطالعہ کیا ہے وہ اسکے برعکس نتیجہ نکالتے ہیں۔ ہندوستان میں مجلسی اور
ملکی اتفاق کا ثبوت باوجود بیرونی حملہ آوروں کے لگاتار حملوں کے بھی دیہاتی

زندگی میں اب تک پایا جاتا ہے اس قسم کے بعض پولیٹیکل جتھے "گرام کلاں" کہلاتے ہیں جو کہ اپنی اپنی جگہ پر مکمل ہوتے ہیں۔ منوسمرتی میں اُن افسروں کے نام دیکھے ہیں جو دس بیس۔ سو یا ہزار گاؤں پر حکومت کرنے کے لئے متعین ہوتے تھے وہ تمام قسم کے محصول وصول کرنیکے ذمہ وار ہوا کرتے تھے اور اُن دیہاتوں کے اچھے چلن کے لئے بھی ذمہ وار متصور ہوتے تھے۔ اس زمانہ کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ۸۴ گاؤں کا ایک حلقہ بنایا گیا اور ۳۶۰ گاؤں کے حلقے مقرر ہوئے اس سے پایا جاتا ہے کہ یہ صرف مالی محکمہ کے لئے انتظام کیا گیا تھا۔ ۹۹ فیصدی ہندوؤں کے لئے اپنا قصبہ یا گاؤں بمنزلہ دنیا کے سمجھا جاتا تھا۔ اور عام رائے یا عزت اسکی اپنے ہی قصبہ یا گاؤں تک محدود ہوا کرتی تھی۔ سب سے پہلے کرنیل سلیمن نے ایسی پنچائیتوں اور جماعتوں کا موجود ہونا ثابت کیا اور بتلایا کہ زمانہ سلف اور زمانہ حال میں آریہ ورت کیلئے بلحاظ مجلسی اتفاق و امور معاشرت ایسی پنچائیتیں ضروری اور ازبس مفید ہیں + اگرچہ سر ہنری مین صاحب نے زیادہ فصاحت کے ساتھ اسبارہ میں تحریر کیا ہے مگر کرنیل سلیمن کے تذکرات کا پڑھنا زیادہ دلچسپ و دلفریب ہے۔ وہ محض مشاہدہ کرنے والے کے طور پر اپنی تحریر لکھتا ہے اور عام طور پر اُن مسائل سے بے لاگ ہے۔ جو آریہ قوموں میں ابتدائی ملکی اور مجلسی زندگی کے عروج کے متعلق پیش کئے جاتے ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ سب سے پہلا شخص کرنیل سلیمن تھا۔ جسنے یہ امر ظاہر کیا۔ کہ تمام ہندوستان دیہاتی ریاستوں میں منقسم ہے بلکہ زمانہ قدیم کا نامی سیاح میگستھنیز بھی یہ حالت دیکھکر دنگ رہ گیا۔ چنانچہ وہ تحریر کرتا ہے۔ کہ ہندوستان میں کسان لوگ اپنی عورتوں اور بچوں سمیت دیہات میں رہائش کرتے ہیں اور قصبات میں جانا بالکل پسند نہیں کرتے میٹکاف نے مشاہدہ کیا کہ اکثر خاندان مشترکہ کاشت کرتے ہیں۔ البتہ سب سے پہلے سلیمن نے یہ ظاہر کیا کہ ہندوؤں کے خصائل کا معیار انکی دیہاتی زندگی ہے۔ انگریز اعلیٰ حکام کو دیہاتی زندگی کا لطف بالکل معلوم نہیں ہے۔ بلکہ کسی انگریز افسر کی موجودگی سے ہی وہ اوصاف و خصائل معدوم ہو جاتے ہیں۔ جو ہند کے دیہات میں عام لوگوں کی زندگی اور رفاہ عام کے کاموں میں پائی جاتی ہیں۔ اگر کسی آدمی کو اس کی برادری سے خارج

کردیں یا اگر کسی آدمی کو اسکی دیہاتی جماعت سے الگ کردیں تو وہ سوسائیٹی کی تمام پابندیوں سے دور ہوجاویگا۔ وہ اپنی دیہاتی زندگی کے خیالات پہ قائم نہیں رہیگا اور آزمائش میں پڑکر اپنے دیہاتی اوصاف کھو بیٹھیگا۔ ہر ایک گاؤں میں اخلاقی معیار کا امتیاز مختلف ہے۔ جس بات کو اپنے گاؤں کے لئے چوری یا لوٹ کہا جاتا ہے۔ دور کے گاؤں کے لئے کامیاب دھاڑا یا فتح سمجھا جاتا ہے جس بات کو نیچ کی زندگی میں فریب یا جھوٹ کہا جاتا ہے وہ دوسروں کے برخلاف فخریہ طور پر پالیسی اور چالاکی خیال کی جاتی ہے۔ برخلاف اسکے مہمان نوازی کے شرائط دوسرے گاؤں کے لوگوں پر برتی جاتی ہیں۔ اپنے گاؤں کا آدمی اجنبی یا مہمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ کرنیل سلیمن کی رائے دیہاتی لوگوں کے اخلاق اور ان چال چلن کی بابت وزن دار ہے۔ کیونکہ اسکو بحیثیت کمشنر انسداد ٹھگی ہندوستانیوں کے حسن و قبیح دیکھنے کا کافی موقع مل سکتا تھا۔ وہ مجھے یقین دلاتا ہے کہ ایک ہی گاؤں کے لوگ آپس میں کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ بلکہ گونڈ جیسی وحشی اقوام میں بھی لالچ کی خاطر بھی جھوٹ بولنا روا نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے قریبی میدان یا گاؤں کی بھیڑ یا مویشی چرانے میں تو پاپ نہ سمجھیں گے۔ مگر جھوٹ کبھی نہیں بولینگے ایسے آدمیوں کی نسبت شاید یہ کہا جاوے کہ وہ جھوٹ بولنے کی قدر تک نہیں جانتے

میرے خیال میں ایسی عدم واقفیت ایسی قوم کے حق میں مبارک ہے۔ لیکن میں یہاں بھیل۔ گونڈ۔ سنتھال یا دیگر غیر آریہ قوموں کے لئے وکالت نہیں کر رہا۔ بلکہ میں تو ہندوستان کے مہذب اور شائستہ آریوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ ان لوگوں میں جہاں اپنے حقوق۔ فرائض۔ اور ذاتی مفاد و اغراض کی نسبت تنازعہ ہو۔ تو عام رائے دوسرے فریق کو جھوٹ بولنے نہیں دیتی۔ ابھی دیوتوں کا خوف بھی ہندؤں پر اپنا اثر رکھتا ہے۔ اکثر دیہات میں پیپل کا درخت متبرک ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ دیوتا لوگ اس کے پتوں میں بیٹھکر لوگوں کے راگ و نغمہ کو سنتے ہیں۔ پس ایک فریق پتہ کو ہاتھ میں لیتا ہے۔ دیوتا کو جو اسپر اسکے خیال میں بیٹھا ہوا ہوتا ہے آواہن کرکے کہتا ہے اگر میں جھوٹ بولوں تو یہ دیوتا جسطرح کہ میں پتے کو مروڑتا ہوں مجھے یا میرے قریبی رشتہ دار کو تباہ کرے۔ تب وہ پتے

کو توڑتا ہے اور مروڑتا ہے۔ اور جو کچھ اسے کہنا ہوتا ہے بیان کرتا ہے عموماً ہندؤں کا خیال ہے کہ پیپل کے درخت پر دیوتا رہتا ہے۔ لیکن روئی کے پودے پر مقامی دیوتا رہائش کرتے ہیں اور یہ زیادہ خوفناک ہیں کیونکہ چھوٹی آبادی کی پولیس کی طرح وہ کام کرتے ہیں۔ پنچایت کے روبرو ہندو لوگ مذہبی خیال سے اور عادتاً بھی سچ بولتے ہیں۔ میں نے سینکڑوں ایسے مقدمات دیکھے جن میں کہ بعض انسانوں کی جائداد۔ آزادی اور زندگی کا انحصار اُن کے جھوٹ بولنے پر تھا۔ لیکن جھوٹ بولنے سے قطعاً انکار کیا گیا۔

یہ امر کئی انگریزی حکام کو معلوم ہوگا۔ کہ جب کبھی انہوں نے اپنی عدالت کسی پیپل کے درخت یا کپاس کے پودے کے نیچے کی۔ اگر وہاں کسی نے امر خلاف واقعہ بیان کیا تو عام لوگوں کا یقین ہوا کہ دیوتا اسپر رہتا ہے وہ اپنا غصہ اس پر ظاہر کریگا۔ اور ضرور اس سے انتقام لیگا۔ پس اگر وہ خود یا اس کا کوئی رشتہ دار بیمار ہوا یا اُس پر کوئی مصیبت نازل ہوئی۔ تو فوراً لوگوں نے اُسے دیوتا کا قہر تصور کیا۔ اور اگر کوئی حادثہ واقعہ نہ ہوا تو اُسکے اپنے وہم سے کوئی نہ کوئی بیماری یا مصیبت اُسپر عائد ہوگئی۔ یہ ایک قابل تعریف وہم تھا جو کہ قدیمی ہندؤں کے دھرم شاستروں میں مندرج کیا گیا۔ کہ مرے ہوئے آبا و اجداد کی روحیں گواہ کے بیان کو اوپر سے سنتی رہتی تھیں۔ اور اسکی صداقت یا کذب بیانی کے مطابق وہ سورگ یا نرک میں جاتے تھے۔

چنانچہ سلیمن صاحب اپنی کتاب میں ایک انگریز افسر اور دیسی قانون دان کے درمیان ایک طویل مکالمہ درج کرتے ہیں جسکا لب لباب یہ ہے کہ انگریز نے پوچھا کہ اگر قرآن شریف اور گنگا جلی کی قسم بند کر کے اُنکی بجائے اقرار صالح رائج کیا جاوے تو اُس کا کیا اثر پڑیگا۔ قانون دان نے جواب دیا کہ ہندوستان کے گواہ تین قسم کے ہیں اول قسم کے وہ لوگ ہیں۔ جو ہمیشہ سچ ہی بولینگے۔ خواہ انہیں کسی قسم کا حلف دیا جاوے یا نہ دیا جاوے۔ ایسے آدمیوں کو روئے زمین پر کوئی چیز سچائی سے منحرف نہیں کر سکتی۔ رشوت لالچ۔ یا رُعب اُن پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتے دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو جھوٹ بولنے سے دریغ نہیں کرینگے

بشرطیکہ اس سے اُن کا کوئی مطلب حل ہوتا ہو اور انہیں حلف بھی نہ دیا جاوے حلف اٹھاتے ہوئے انہیں خدا کے قہر اور لوگوں کی نفرت کا خطرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک دن میں نے ایک پردہ نشین بیگم سے مختار نامہ لیا۔ اندر سے اُسنے انگوٹھا لگا کر بھیجدیا اور باہر ہندو مسلمان گواہوں نے اسپر شہادت لگائی اب میں نے اُنسے پوچھا کہ اگر جج صاحب تم سے پوچھیں کہ آیا بیگم صاحبہ نے تمہارے روبرو دستخط کئے تھے تو تم کیا جواب دوگے انہوں نے کہا کہ اگر جج صاحب بلا حلف دینے کے ہم سے دریافت کرینگے تو ہم اثبات میں جواب دینگے ورنہ ہم صاف مُنکر ہو جاوینگے کیونکہ ہمیں تمام لوگ جھوٹی قسم کہانے والا کہکر پکارینگے۔ اور ہمارے دشمنوں کو یہ طعن کرنیکا موقعہ ملجاویگا کہ ہم نے فلاں موقعہ پر جھوٹ بولا تھا۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو حلف پر بھی جھوٹ بولنے سے دریغ نہ کرینگے۔ اگر اس سے انکو کچھ فائدہ پہونچتا ہو۔ اگر دیہاتی لوگوں کے بیانات انکی برادری اور پنچائیت کے روبرو لئے جاویں تو وہ کبھی جھوٹ نہیں بولینگے۔ لیکن شہری لوگوں کی حالت ایسی نہیں ہے انپر برادری یا شہر کے عوام لوگوں کا ایسا دباؤ نہیں ہے۔ جبکہ دیہاتی لوگوں پر انکی برادری کا اسلئے دیہات میں قسم اول کے لوگ بہت ملینگے اگر اُنکے بیانات اُنکے بزرگوں اور برادری میں لئے جاویں"۔ میں نے کرنل سلیمن کی شہادت کا یہ مختصر اقتباس پیش کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ دیہاتی لوگ کس قسم کے راستباز ہیں اور اگر انہیں اپنی مرضی پر راستے پر چھوڑا جاوے۔ تو کسطرح وہ سچائی کو قائم رکھتے ہیں +

ہندوستان کے مسلمان فاتحوں کے جور و جبر کے زمانے سے لیکر انگریزوں کے قدم جمانے کے عہد تک اگر آپ حالات کا مطالعہ کریں تو فوراً بیساختہ آپ بول اٹھینگے کہ کسطرح کوئی قوم ایسی پست اور ذلیل حالت میں بغیر شیطان بننے کے زندہ رہ سکتی ہے۔ محمود غزنوی کے حملوں سے دو ہزار برس پہلے تھوڑے بیرونی سیاح اور نکتہ چیں پائے جاتے ہیں۔ لیکن نہایت ہی حیرت انگیز بات ہے کہ یونانی چینی فارسی اور اعرابی جس کسی سیاح کی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ ہندوؤں کی راستبازی اور انصاف پسندی کی تعریف خصوصیت سے کرتے ہیں +

(۱) چنانچہ کٹیس جو آرٹے زیکسیز تمن شاہ یونان کا مشہور یونانی حکیم گزرا ہے۔

اور ۳۰۵ برس قبل عیسوی میں کیو ٹنکس کی لڑائی میں موجود تھا اور سب سے پہلا یونانی مصنف گزرا ہے۔ وہ ہندوؤں کے خصائل کی نسبت جو اسنے شاہ فارس کے دربار میں بیان کئے بہت کچھ روشنی ڈالتا ہے اور اہل ہند کے انصاف پر اپنی کتاب میں اُن نے ایک علیٰحدہ باب لکھا ہے۔

(۲) میگستھنیز جو شاہ سلوکس کیطرف سے چندر گپت کے دربار واقعہ پاٹلی پتر میں بطور سفیر تھا تحریر کرتا ہے کہ ہندوستان میں چوری کرنا قریباً معدوم تھا۔ اور کہ اہل ہند صداقت اور نیک خصائل (سداچار) کی بڑی قدر کرتے تھے۔

(۳) آرین جو ایپکٹی ٹس کا شاگرد دوسری صدی عیسوی میں ہو گزرا ہے۔ ہندوستان کے منتظمان یا اورسیروں کے بارہ میں لکھتا ہے کہ وہ اچھی طرح غور سے دیکھتے ہیں کہ گاؤں یا قصبات میں کیا ہو رہا ہے اور ہر ایک واقعہ کی رپورٹ مجسٹریٹ یا بادشاہ کو کی جاتی ہے۔ جھوٹی رپورٹ دینا انکی سرشت سے بعید ہے لیکن فی الواقعہ کوئی ہندو جھوٹ بولنے کا مجرم نہیں ہے۔

(۴) اسکے بعد اہل چین نے ہند میں سیاحت کی اور وہ تمام سیاح بالاتفاق اسبات کی شہادت دیتے ہیں کہ ہندو متدین اور راستباز ہیں ہیونن سانگ جو چین کا مشہور سیاح ہو گزرا ہے اور ساتویں صدی عیسوی میں اسنے ہندوستان کی سیاحت کی۔ حسب ذیل تحریر فرماتا ہے۔ "اگرچہ اہل ہند تنک مزاج ہیں لیکن اپنے چال چلن کی دیانتداری اور صداقت کیلئے ممتاز ہیں۔ کوئی چیز ناجائز طریق پر کسی سے نہیں لیتے۔ انصاف اور راستبازی انکے انتظام سلطنت کا مشہور وصف اور خاصہ ہے۔"

(۵) ہند کے اسلامی فاتحوں کے زمانہ میں گیارہویں صدی کیں ادریسی اپنے جغرافیہ میں اہل ہند کی نسبت یہ رائے ظاہر کرتا ہے "اہل ہند انصاف پسندی کی طرف قدرتاً مائل ہیں اور عملی طور پر بھی اس سے کبھی انحراف نہیں کرتے۔ وہ اپنے کاروبار میں ایمانداری دیانتداری اور وفاداری کا پورا ثبوت دیتے ہیں اور وہ اُن اوصاف کیوجہ سے ایسے نامور ہیں۔ کہ لوگ چاروں طرف سے انکی طرف کھنچے چلے آتے ہیں"۔

(۶) تیرھویں صدی میں مارکیو پولو کی شہادت ہے۔ جو برہمن (مراد ہندوستانی ہے) کی نسبت تحریر کرتا ہے کہ اگرچہ اُن کا پیشہ تو تجارت نہیں ہے لیکن اگر جا انہیں تجارتی

کاروبار میں لگائیے تو وہ بڑے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جبکہ برہمن تحت مصیبت زدہ تھے۔ اور ایسے حالات میں اُن کاموں کی بھی اجازت ہو جاتی ہے۔ جو دھرم شاستر انکول نہ بھی ہوں۔ آگے چلکر وہ بیان کرتا ہے۔ کہ برہمن دنیا میں سب سے بڑھکر تاجر ہیں اور نہایت ہی راستی پسند ہیں وہ روئے زمین پر کسی چیز کی خاطر کبھی جھوٹ بولنا گوارا نہیں کرینگے ۔

(۷) فرائر جارڈلس صاحب چودہویں صدی میں تحریر کرتے ہیں کہ جنوب مغربی ہند کے لوگ اپنی کلام میں سچے اور انصاف میں لائق ہیں ۔

(۸) پندرھویں صدی میں کمال الدین عبد الرزاق سمرقندی جو کالی کٹ کے شاہزادہ کے پاس خاقان کیطرف سے سفیر بن کر گیا تھا اور بعد ازاں ودیانگر کے بادشاہ کے پاس گیا بتلاتا ہے کہ وہاں کے تاجر لوگ نہایت ہی امن و آرام سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں ۔

(۹) سولہویں صدی میں ابو الفضل وزیر شہنشاہ اکبر۔ آئین اکبری میں یوں فرماتا ہے ہندو لوگ دھارمک۔ ملنسار۔ خوشباش۔ انصاف پسند۔ معتکف کار دنیا میں لائق۔ صداقت کے دلدادہ۔ شکر گذار اور پرلے درجہ کے وفادار ہیں اُن کے سپاہی میدان کارزار سے ہرگز پشت نہیں دکھلاتے ۔

(۱۰) زمانہ حال میں مسلمان بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہندو لوگ اپنے ہم قوم لوگوں کیساتھ کاروبار میں مسلمانوں کی نسبت زیادہ صاف دل اور راستی پسند ہیں چنانچہ میر سالامت علی جو بقول کرنیل سلیمن ایک قابل تعظیم مسلمان نہائیت ہی متقی ہے سرکاری ملازم ہو گزرا ہے۔ مانتا ہے کہ ہندو مسلمان کو دہوکا دینا مباح بلکہ فخر سمجھیگا۔ مگر وہ اپنے ہم مذہب کو کبھی دہوکا دینا پسند نہیں کریگا مسلمانوں کے 72 فرقے ہیں۔ ہر ایک فرقہ نہ صرف دوسرے مذہب کے ہر ایک معتقد کو دہوکا دینے سے دریغ نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے مذہب کے دوسرے فرقہ جات کے ہر ایک ممبر کو بھی دہوکا دینے سے باز نہیں آتے۔ اور جتنا کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے نزدیکی ہے۔ اسکے پیروکاروں کو دہوکا دینا اپنی تعریف سمجھیگا۔ بس میں کہاں تک۔ کتابوں کے حوالے نقل کرتا جاؤں۔ ہم ہر ایک کتاب سے اس امر کی شہادت

پاتے ہیں۔ کہ باہر کے جسقدر سیاح یا دیگر لوگ جو اہل ہند کے تعلق میں آتے رہے کس
طرح اُنکی صداقت اور راستبازی کے دلدادہ ہو جاتے تھے اور کہ اہل ہند کی قومی
خصلت کا خاصہ راستی ہی تصور کرتے تھے۔ اہل ہند پر کسی نے بھی دروغگوئی کا الزام
نہیں لگایا۔ اسکے لئے کافی وجوہات ہیں زمانہ حال میں سیاح لوگ کبھی یہ رائے
ظاہر نہیں کرتے کہ فلاں مقام کے رہنے والے راستبازی میں بے نظیر ہیں۔ ان انگریز
سیاحوں کے حالات مطالعہ کیجئے جنہوں نے فرانس کی سیر کی۔ اور آپ کہیں نہیں
پائینگے۔ کہ انہوں نے فرانسیسیوں کی سچائی اور دیانتداری کی تعریف کی ہو حالانکہ
فرانسیسیوں کے حالات انگلینڈ کے بارہ میں انکی بیوفائی کی طرف اکثر اشارہ کرتے
ہیں۔ لیکن اگر یہ سب سچ ہے تو کیوں انگلستان میں عام رائے اہل ہند کے برخلاف
ہے نہ تو انپر اعتبار کرتے ہیں نہ ہی انہیں مساوات کا درجہ دیتے ہیں میں پہلے ہی وجوہات
ظاہر کر چکا ہوں۔ کہ انگلستان میں عام رائے اُن لوگوں کے خیالات پر مبنی ہے جنہوں
نے چند سال بمبئی۔ کلکتہ۔ مدراس یا چند دیگر بڑے بڑے شہروں میں بسر کئے ایسے
بڑے قصبات میں اصلی ہندو کے وصف جو دیہاتوں میں پائے جاتے ہیں نہیں ملتے
اسلئے رائے برخلاف قائم کر لی جاتی ہے۔ بلکہ قصبات میں ہی معزز گھرانوں کی خانگی
زندگی کے اندرونی خیالات کا معلوم کرنا دشوار ہے اور اگر کچھ حال مل بھی جاویں تو
اُنکے اخلاق کا معیار ہمارے اخلاقی معیار کے مقابلہ میں معلوم کرنا مشکل ہے۔ اسلئے
غلط بیانیوں اور غلط رائے کا قائم ہونا غلبہ اور اکثر ہو جایا کرتا ہے۔ جبکہ ہم
ہندوؤں کے اخلاق اور چال چلن کی نسبت متضاد خیالات سنتے ہیں تو فوراً انکے اخلاق
کے برخلاف رائے کو وقعت دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ شاید آپ یہ خیال کریں
کہیں اہل ہند کے اخلاق کا ٹھیک معیار بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لے رہا ہوں
میں اسبارہ میں جناب انفنسٹن صاحب مصنف تاریخ ہند جیسے فاضل۔ نیکدل اور
لائق گورنر کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب تاریخ ہند میں فرماتے ہیں
ہندوستان میں انگریزوں کو بہت کم موقعہ ملتا ہے۔ کہ ہندوستانیوں کے اخلاق کی نسبت
ٹھیک رائے قائم کرسکیں۔ انگلستان میں بھی لوگ اپنے ہی فرقہ یا قوم کے دیگر آدمیوں
کے حالات بہت کم جانتے ہیں جو کچھ رائے وہ قائم کرتے ہیں اخبارات یا دیگر تحریروں سے

لیتے ہیں۔ حالانکہ ہندوستان میں ایسا دستور نہیں ہے اُس مُلک میں بھی مذہب
اور اخلاق نہیں اہل ہند کے ساتھ تعلق پیدا کرنے نہیں دیتے اور باہمی ملاپ وتعلقات
بہت کم ہوتے ہیں۔ اسلئے ایک دوسرے کے خصائل کی نسبت ٹھیک رائے بھی قائم
نہیں ہو سکتی۔ سوائے رپوٹوں کے ہم لوگوں کے اندرونی حالات کیسے جان سکتے
ہیں۔ اور زندگی کے اُن بیشمار واقعات سے ذرا بھی آگہی نہیں ہوتی جن میں انسانی
خصلت کے جوہر ظاہر ہو سکتے ہیں۔ مختلف مذہب کے پادری جج مجسٹریٹ۔ صیغہ مال
اور جنگی کے حکام اور نیز عالم لوگ بھی کسی قوم کے نیک وروشن پہلو کو نہیں دیکھتے جب
تک کہ کسی جذبہ یا ذاتی مفاد کے بس میں نہوں۔ جو کچھ کہ ہم دیکھتے ہیں ہم اپنے اخلاقی معیار
سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ معمولی موقعوں پر اگر کسی آدمی کو بچے کی طرح روتا دیکھتے ہیں تو ہم
نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ وہ کسی تکلیف کو صبر سے برداشت نہیں کرسکے گا اور جو آدمی اپنے
تئیں جھوٹا کہلانا برداشت کرسکتا ہے وہ کسی کمینہ پن سے دریغ نہیں کریگا۔ ہمارے
مورخ وقت اور مقام کے امتیاز میں گڑبڑ ڈالتے ہیں۔ وہ مرہٹوں اور بنگالیوں کو ایک
ہی پلڑے میں دیکھتے ہیں اور موجودہ نسل کو مہابھارت کے ہیروں کے جرائم سے منسوب
کرتے ہیں۔ کئی ناموافق شہادتوں کے برخلاف یہ کہا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں کا عرصہ
دراز تک ہندوستانیوں کے ساتھ تعلق یا واسطہ پڑا ہے۔ وہ اُنکی نسبت بہت اچھی رائے
رکھتے ہیں لیکن یہ حالت ہر ایک قوم کی ایسی ہی ہے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ وہ تمام لوگ
جو ایکدفعہ ہندوستان کا سیر یا سفر کرکے واپس آئے ہیں۔ وہ دنیا کی نہائیت ہی مہذب
اور پسندیدہ اقوام کی نسبت ہندؤں کو زیادہ قابل قدر اور عمدہ سمجھتے ہیں۔ حیرت کی بات
تو یہ ہے کہ لوگ مخالف نکتہ چینوں کی باتوں پر زیادہ اعتبار کرلیتے ہیں بہ نسبت اُن
اعلیٰ حکام کی رائے کے جو سول سروس کی حالت میں بحیثیت افسر اور رکن سلطنت کے
ہندوستان میں قیام پذیر رہے۔ جن کی رائے زیادہ مستند اور قابل اعتبار ہونی چاہئے
جنہوں نے کہہ بار نکتہ چینوں کے برخلاف آواز اٹھائی اور اپنی رائے کا اظہار کیا۔

چنانچہ میں یہاں چند معزز حکام کی رائے کا اقتباس پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں*

(۱) وارن ہیسٹنگز سابق گورنر جنرل کشور ہند فرماتے ہیں کہ ہندو شریف اور
فیاض طبع ہوتے ہیں اگر ذرا بھی اُن پر شفقت کی نظر کی جاوے تو بڑے شکرگزار اور

مرہون ہو جاتے ہیں۔ روئے زمین کی تمام قوموں کی نسبت کم انتقام جو ہیں۔ اگر ان پر سختی بھی کی جائے۔ یہ لوگ وفادار۔ محنتی اور قانون کے آگے فوراً سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔

(۲) بی شپ ہیبر صاحب فرماتے ہیں "ہندو۔ بہادر خلیق۔ ذکی۔ علم اور ترقی کے شائق۔ متقی۔ جفاکش۔ فرمانبردار۔ اپنے بچوں سے بہت محبت کرنے والے۔ سب سے شریفانہ برتاؤ کرنے والے۔ متحمل۔ ذرا سی مہربانی سے متاثر ہونے والے ہیں اور دنیا کی دیگر تمام قوموں کی نسبت ذرا سی ہمدردی ظاہر کرنے پر زیادہ شکر گزار ہیں۔

(۳) الفنسٹن صاحب فرماتے ہیں "ہندوستان میں کوئی فرقہ الیسا رذیل نہیں ہے جیسے کہ ہمارے بڑے قصبات میں رذی آدمی پائے جاتے ہیں۔ دیہاتی لوگ ہر جگہ خلیق اپنے قبیلہ سے محبت کرنے والے۔ اپنے ہمسایوں پر شفقت کرنے والے اور سب کے ساتھ صادق اور راستباز ہیں۔ ٹھگوں اور ڈاکوؤں سمیت جرائم کی تعداد ہندوستان میں انگلینڈ کی نسبت بہت کم ہے۔ ٹھگوں کا ایک الگ فرقہ ہے۔ اور ڈاکو لوگ سخت سرکش پہاڑی قوموں کے غول پھرتے ہیں۔ ہندو لوگ ایشیائی قوموں میں سب سے بڑھکر شریف اور نرم دل قوم ہے۔ قیدیوں پر رحم کرنے والے ہیں۔ وہ سخت زناکاری سے بری ہیں اور حمیدہ اخلاق میں تمام قوموں سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ تاہم الفنسٹن صاحب ہند کے لوگوں کے اصلی نقائص کو بہت سختی سے ظاہر کرتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ آجکل انکے اندر صداقت کی کمی ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ بدی زیادہ تر ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو گورنمنٹ کے تعلق میں آتے ہیں یہ ایک جماعت ہے جو سندھ میں دور تک پھیلی ہوئی ہے کیونکہ مالگذاری کی نوعیت سے سب سے ادنٰے درجہ کا دیہاتی آدمی بھی طاقت کا مقابلہ دھوکے سے کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے

(۴) سر جان میلکم صاحب فرماتے ہیں۔ مجھے بہت کم اتفاق ہوا ہے۔ کہ اگر معتبر اور اچھے واقف کار آدمی کے ذریعہ کسی ہندوستانی کو سمجھایا گیا ہو یا نرمی سے اس کے ساتھ بات چیت کی گئی ہو تو فوراً ظاہر ہو جاتا ہے کہ کسی ہندو کا سچ نہ بولنا یا تو خوف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یا ٹھیک طور پر مطالب نہ سمجھنے کے باعث میں یہ بات جرات سے کہنے کو طیار ہوں کہ ہماری ہندوستانی رعایا

اُن تمام اقوام سے جو اُنکے ہمسایہ ہیں اس عیب میں زیادہ بچے ہوئے ہیں۔ لیکن میں اس بات پہ اصرار کرتا ہوں اور وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ دروغگوئی کیطرف زیادہ مائل نہیں ہیں ؎

(۵) سر ٹامس منرو کی رائے اس سے بھی زبردست ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اگر کسی مہذب قوم کی علامات حسب ذیل سمجھی جاویں (۱) زراعت کا باقاعدہ اور عمدہ انتظام (۲) اعلےٰ درجہ کی صنعتکاری و حرفتکاری (۳) آرام و آسائش کے سامان پیدا کرنے کی قابلیت و نیز ہر ایک گاؤں میں پڑھنے۔ لکھنے۔ حساب نکالنے کے مدرسہ جات کا ہونا (۵) آپس میں مہمان نوازی اور حسن سلوک (۶) عورتوں پر اعتبار کرنا۔ اُنکی عزت کرنا اور اُن کی نزاکت و آرام کا خیال کرنا ؎

تب تو میں وثوق سے کہونگا کہ ہندو یورپ کی قوموں سے کسی حالت میں بھی کم نہیں ہیں۔ لیکن اگر تہذیب کے معنی ہند اور انگلینڈ کے مابین تجارت کی اشیاء کا لیجانا ہے تو میرا یقین ہے کہ انگلستان اپنی اشیاء درآمد کے لحاظ سے کامیابی حاصل کریگا ؎ میرا اپنا ذاتی تجربہ ہندوؤں کے خصائل کی نسبت بہت محدود ہے کیونکہ جو ہندو یورپ میں میرے ذاتی دوست یا واقف بنے ہیں وہ ممکن ہے کہ نہایت ہی اعلےٰ نمونہ کے سمجھے جاویں اور اس لئے وہ مستثنیات میں لئے جاویں۔ نیز میرا تعلق بھی اُن سے اس قدر اور اس قسم کا رہا ہے کہ اُن کے تاریک پہلو کے دیکھنے یا جانچنے کا موقعہ ملنا مشکل تھا۔ تاہم گذشتہ ۳۰ سال میں چند ہندوستانی طلباء کو ایسے حالات میں بڑے غور سے دیکھتا رہا ہوں۔ جہانتک اُنکے چال چلن اور اخلاق کا اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا۔ میرا مطلب تعلیمی کام اور تعلیمی گفتگو سے ہے۔ جو گفتگو اُن کی باہمی یا یورپ کے فاضلوں اور طلباء کے ساتھ ہوا کرتی۔ اس سے پایا جاتا ہے وہ صداقت کی بڑی عزت کرتے ہیں اور مردانہ و فیاضانہ طبیعت کا اظہار کرتے ہیں۔ جو اہل امریکہ و یورپین لوگ کبھی ایسا نہیں کرتے۔ جب اُن سے ذرا بھی غلطی ہو جاتی ہے۔ تو فوراً تسلیم کر لیتے ہیں۔ جب وہ راستی پر ہوں تو کبھی یورپین مخالفوں پر طنز نہیں کرتے مجھے بارہا انگریز سوداگروں نے بتلایا ہے کہ تجارت کے لحاظ سے ہندوستان میں دوسرے ملکوں سے زیادہ عزت ہے۔ ہنڈی یا بیع

کو ندا ادا کرنا وہ نہیں جانتے - میں نے ہندؤں کی اپنی شہادت کو آخیر پر رکھا ہے - تاکہ
کسی قسم کی طرفداری یا شک کی گنجائش نہ رہے - ان کا تمام علم ادب وید بانی ایک
سرے سے دوسرے سرے تک سچائی کی عزت اور راستی سے پیار کے اظہار سے
بھر پور ہے - اُن کا لفظ ست ہی معنی خیز ہے - جس کے معنی ہیں "جو ہے" پس
اُن کے واسطے سچائی یا صداقت کے معنی بھی یہی ہیں جو دراصل ہے۔ انگریزی
لفظ Sooth سوتھ بھی ست سے نکلا ہے - ایسا ہی یونانی زبان کا لفظ ست
لاطینی ششش بھی اس دھاتو سے پائے جاتے ہیں ہم عموماً سچ اُسے کہتے ہیں جسکو کثیر التعداد
لوگ ماننے والے ہوں اس قسم کا سچ اختیار کرنا سہل ہے - لیکن جو شخص کہ
لوگوں کے شور و شر اور نکتہ چینی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سچائی پر قائم
رہا ہے - خواہ وہ گلیلیو یا ڈارون - کولنبز و - یا شیلے یا کوئی اور ہو وہی انوبھو
کر سکتا ہے - کہ جب اُسے معلوم ہو جاوے - کہ یہ صداقت ہے یعنی یہی
اصلیت ہے - اُسے کس قدر خوشی اور مسرت ہوتی ہے - خواہ روزانہ اخبارات
رسالے یا جرنل - بشپ - لاٹ پادری یا پوپ کبھی کیوں نہ اس کے برخلاف
رائے ظاہر کریں - مگر وہ اپنی صداقت کے پالینے سے اپنے تئیں شہنشاہ سے
کم خوش نہیں سمجھتا - سنسکرت میں سچائی کے لئے دوسرا لفظ ریت ہے - جس کے
اصلی معنی سیدھے کے ہیں اور انرت کے معنی جھوٹ کے ہیں - ویدوں میں
دیوتوں کی اتم مہماں یہ ورنن کی گئی ہے کہ وہ ستیہ بولنے والے (راستباز)
اور قابل اعتبار ہیں - یہ عام مشہور بات ہے - کہ زمانہ سلف اور زمانہ حال
میں لوگ پرماتما اور دیوتوں کو انہی اوصاف سے متصف کرتے ہیں - جن کو
وہ سب سے اُتم اور اعلیٰ سمجھتے ہیں - ایک اور لفظ جو دیوتوں کے لئے مستعمل
ہوتا ہے وہ ادروگھ ہے - جس کے معنے ہیں نہ دھوکا دینے والا - چنانچہ ادروگھ
واک کے معنی یہ ہیں جو اپنی زبان سے کبھی انحراف نہ کرے - اسی لئے اندر کی تعریف
میں بہتر لوگ یوں کہتے ہیں "وہ ششترو (دشمن) پر جیت پہنچ جاتا ہے اسے
مغلوب کر لیتا ہے - چوٹی پر کھڑا ہو جاتا ہے - ست بانی بولتا ہے - خیالات
میں بڑا زبردست ہے" ادروگھ واک کے معنی دغا باز کے ہیں ؎

وشسشٹ جی کرتے ہیں "اُدگات وید تو کیوں ہم سے ناراض ہے۔ نہ میں نے جھوٹے دیوتوں کی پوجا کی ہے نہ میں نے مغرور دیوتوں پر شردھا رکھی ہے۔ جھوٹے اور کذب بیانی کرنے والوں کا ناش ہو" ستیم کا ترجمہ سچائی کیا جاتا ہے۔ مگر اسکے معنی یہ بھی ہیں "جو ہے سچا اور اصلی"۔ چنانچہ رگ وید میں کئی منتر آتے ہیں۔ جہاں ستیم کے معنی صداقت کی بجائے اصلی اور جو ہے" کے آتے ہیں اس میں شک نہیں کہ

کے ارتھ زمین سچائی پر قائم ہے۔ ظاہرا اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک مترجم نے یہاں ست شبد کے ارتھ سچائی کئے ہیں۔ مگر فاضل لڈوگ

اس کا ترجمہ جرمن زبان میں   ایساہی

کرتا ہے۔ لیکن زمانہ قدیم کے رشیوں اور فیلسوفوں کے اندر ایسے باریک خیال کا ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ اُن کا مطلب یہ تھا۔ کہ زمین جس حالت میں کہ ہم دیکھتے ہیں۔ کسی ایسی چیز پر قائم ہے جو اصلی ہے۔ اگرچہ ہم اس کو دیکھ نہیں سکتے۔ کسی ایسی چیز پر جس کو وہ اصلی کہا کرتے تھے اور کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے اس کے کئی نام رکھے۔ مثلاً رت (ٹھیک یا درست) اور برہمن وغیرہ۔ جہاں سچائی کے واسطے اس قدر عزت اور قدر ہو وہاں جھوٹ ضرور بمنزلہ پاپ متصور ہوگا۔ اس لئے ایک رشی یوں پرارتھنا کرتا ہے۔ کہ پانی میرے جسم کو شدھ کرے۔ تمام پاپوں اور جھوٹوں کو دُور کرے۔ اے جل دیوتا۔ جو بُرائی میرے اندر ہے۔ اسے دور کر جہاں میں نے دھوکا دیا ہو یا کسی کو ملامت کی ہو یا جھوٹ بولا ہو وہ سب پاپ ناش کر (اتھروید ادتا لم منتر ۶)

تیرے مہلک پھندے اُن آدمیوں کو پہنا دیں جو جھوٹ بولتے ہیں۔ اور اس کو ذرا بھی ضرر نہ ہو سچا دین جو سچ بولنے والا ہے ۔۔

برہمن گرنتھوں کے چند حوالجات

(۱) شت پتھ برہمن ادھیائے ۱۱ منتر ۲ - جو شخص سچ بولتا ہے وہ اپنے آتما کے اندر اس طرح گیان کی آگ روشن کرتا ہے جس طرح جلتی ہوئی آگ میں گھی ڈالنے سے اس کا اپنا تیج بڑھتا ہے - اور دن بدن وہ ترقی کرتا ہے لیکن جو کوئی اسّت بولتا ہے وہ اپنے من کے پرکاش کو اس طرح مٹاتا ہے جس طرح آگ پر پانی ڈالنے سے - اس کا اپنا تیج پرتی دن گھٹتا ہے اور وہ دن بدن زیادہ [illegible] کو پراپت ہوتا ہے - اس لئے منشوں کو چاہئے کہ ہمیشہ سچ بولا کریں -

(۲) شت پتھ برہمن ادھیائے ۳ منتر ۱۰۰۲ - منش جھوٹ بولنے سے اپوتر ہو جاتا ہے -

(۳) ستپتری ارنیک ادھیائے ۱۰ منتر ۹ - جس طرح اگر ایک منش کو تلوار کی دھار پر چلنا پڑے جو ایک گڑھے پر پڑی ہو اور وہ خیال کرتا ہے کہ میں گڑھے میں گر جاؤں گا - ایسا ہی منش کو چاہئے کہ جھوٹ بولنے سے اجتناب رکھے -

الغرض ہم سچائی کے لئے اس حد تک عزت اور قدر دیکھتے ہیں کہ غلطی سے وعدہ کیا ہو - ابھی ایفا کرنا لازمی سمجھا جاتا تھا -

(۴) کٹھ اپنشد میں ذکر ہے کہ پتا سرو میدھ یگ کر رہا تھا - اس نے سب کچھ دان کر دیا تھا - بیٹا جو پاس کھڑا ہوا تھا نچکیتا کہتا ہے کہ تو نے مجھے کیوں دان نہیں کیا - اس پر باپ غصہ کی حالت میں اپنی مرضی کے برخلاف اپنے لڑکے کو بھی قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے - جب لڑکا یم لوک میں جاتا ہے تو یم آ کر تین ور مانگنے کے لئے کہتا ہے - وہ کہتا ہے کہ مجھ پر پتا جی (باپ) خوش ہو جاوے - اگنی (آتش) کی ودیا سکھائی جاوے - تیسرا یہ سمجھا دے کہ مرنے کے بعد انسان کی کیا حالت ہوتی ہے - یم اسے ہر قسم کا لالچ دے کر تیسرے ور مانگنے سے منع کرتا ہے لیکن چونکہ

وہ وعدہ کرچکا ہے جسے پورا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد یا ہمیں اس مضمون پر
گفتگو ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی حالت کیا ہوتی ہے۔ یہ گفتگو ہندوستان
کے قدیمی علم ادب اور فلسفہ میں ایک نہایت ہی دلچسپ مفصل خیال کیجاتی ہے
(۴)۔ رامچند کے سارے قصہ کی بنیاد راجہ دسرتھ کا وہ وعدہ جو اس
نے میدان کارزار میں اپنی رانی کیکئی سے کیا تھا کہ وہ اس کے دو خواہش جو
ظاہر کرے گی پورا کرے گا۔ پس اس نے اپنے بیٹے کو مالک تخت و تاج
بنانے کے لئے پہلا ور مانگا اور کوسلیا کے بیٹے رامچندر کو ۱۴ سال کا بن باس
دوسرا ور مانگا۔ اگرچہ راجہ دسرتھ اپنے وعدے سے انحراف کرنے کا خیال
کرتا ہے مگر اس کا بیٹا رام اسے ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرنے دیتا وہ اپنے
بھائی لکھشمن اور استری سمیت جنگل کی راہ اختیار کرتا ہے۔ باپ کے
مرنے کے بعد بھرت تخت پر بیٹھنا نہیں چاہتا اور رام کے پاس جاتا ہے۔
اسے سمجھاتا ہے کہ اپنے باپ کے راج کو قبول کرے لیکن رامچندر اپنے
ارادے کا دھنی ہے وہ ہرگز واپس آنا قبول نہیں کرتا اور اپنے باپ
کے قول کو پورا کرنا دھرم سمجھتا ہے۔ چنانچہ جاوالی برہمن اور رامچندر کے
مابین جو گفتگو عجیب و غریب ہوتی ہے اس کا یہاں درج کرنا خالی
از لطف نہ ہوگا۔

برہمن جو کہتا ہے۔ اے رگھو کی سنتان تو ایسا اعلیٰ [illegible]
اور شدھ آچرن ہوکر معمولی آدمی کی طرح ایسے نکمے خیال کے پیچھے پڑ رہا ہے
کوئی آدمی کسی کا رشتہ دار نہیں ہے مانا کہ کسی سے ہمارا رشتہ ہے۔ نہ کوئی
ہمارا سمبندھی ہے۔ جو کسی کو اپنا ماں باپ خیال کرتا ہے سمجھو کہ وہ پاگل ہے
کوئی کسی کا نہیں ہے تجھے اپنے باپ کا راج ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیئے تھا
اور ایسی تنہائی و دق جنگلوں میں مصیبتوں کا انبار سر پر اٹھاتے ہوئے ادھر
ادھر آوارہ پھرنے سے کیا فائدہ۔ چلو اب بھی ایودھیا میں چل کر سنگھاسن
پر بیٹھیے۔ دسرتھ نہ تیرا کچھ لگتا ہے نہ تو اس کا لگتا ہے۔ تو اپنے پتر دلیپ
کے نام پر چل کر یگ کر لیکن ایسا کرنے سے بھی خواہ مخواہ خوراک کو ضائع

کرے گا کیونکہ مرے ہوئے کیا کھا سکتے ہیں۔ اگر یہاں ایک آدمی کے کھانے سے دوسرے کے اندر وہ خوراک چلی جاتی ہو تو پہلے شرادھ ان کا کرنا چاہئے جو سفر پر گئے ہوں تاکہ انہیں سفر میں کھانے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ یہ بیشکیں مرادویدوں سے ہے جن میں یگ کرنے۔ دان کرنے۔ اپنے تئیں شدھ کرنے تپ کرنے اور دیا کرنا سکھنے کا دوہان ہے یہ چالاک آدمیوں نے اپنے فائدے کے لئے بنائی ہیں۔ ہمیں اور تمہیں کیتی اور عقل انوسار کام کرنا چاہئے۔ جو بات عقل انکول معلوم ہو اس پر قائم رہنا چاہئے اور جو بات نہ دکھلائی دینے والی ہو اسے ترک کرنا چاہئے۔ پس دنیا سورگ ہے اور کوئی آیندہ دنیا نہیں ہے۔ پس یہاں ہی آنند بھوگنا چاہئے کیونکہ ہر ایک نیک آدمی کو آنند نہیں ملتا۔ نیک آدمیوں کو اکثر دکھ یعنی تکلیف ہی اٹھانی پڑتی ہے اور عموماً دیکھا جاتا ہے کہ پاپی آدمی زیادہ سکھی اور آنند میں ہیں"۔ ایسے خیالات ایک برہمن کے زبان سے نکلے ہوئے عجیب معلوم ہوتے ہیں لیکن شاعر کا مطلب ایک برہمن کو ایسی حیثیت میں ظاہر کرنے کا ہے جس نے عدالت میں کچھ عرصہ کام کیا ہو اور جو کہ راجہ کو خوش کرنے کے لئے ہر ایک قسم کی دلیل پیش کرنے کو تیار ہے۔

لیکن رام کا جواب کیسا اعلیٰ ہے "آپ کے الفاظ گو ظاہرا درست اور پسندیدہ ہوں مگر دھرم ورودھ ہیں۔ جو پاپی ادھرمی ناستکوں کے طریقہ پر چلتا ہے نیک آدمیوں سے کوئی قدر نہیں حاصل کرتا۔ صرف شدھ آچرن ہی سبب ہے انسان کو اوروں کی نگاہ میں شریف یا رذیل بہادر یا مردانگی کا بہانہ کرنے والا۔ پاک یا ناپاک بنانے کا۔

یہی لئے راجہ کا سناتن دھرم ہی چلا آیا ہے کہ راجہ ہمیشہ ستیہ اور دیا کرے۔ ستیہ پر ہی دنیا قائم ہے۔ رشیوں اور دیوتاؤں نے ست کی عظمت ورنن کی ہے۔ جو منش کہ اس دنیا میں ست بولتا ہے وہ سورگ پراپت ہوتا ہے۔ بعد ریشن جیسے جھوٹے آدمی سے اس طرح ڈرتے ہیں

جیسا کہ ظاہر ہے۔ اس دنیا میں تمام نیکیوں میں سے اعلیٰ سچائی ہے
جو ہر ایک چیز کی بنیاد ہے۔ ست ہی دنیا میں شرومنی ہے پختگی اور
نیک خصلت کی بنیاد ہی ست پر ہے۔ دنیا میں کوئی چیز سچائی سے
اعلیٰ نہیں ہے۔ اس لئے مجھے کیوں اپنے وعدہ کا سچا نہ ہونا چاہئے تاکہ
میں اپنے باپ کی راستی اور صداقت کو ایمانداری سے رکھ سکوں۔
میں لالچ کے مارے اور دنیا میں پھنسکر کبھی بھی سچائی سے انحراف نہیں
کرونگا۔ لیکن جو وعدہ کہ میں نے اپنے باپ سے کیا ہے اس پر قائم رہونگا
جب میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں کہ میں ۱۴ سال بن باس اختیار کرونگا
تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اس کی حکم عدولی کروں اور تیرے یا بھرت کے
کہنے پر چل کر اپنے نام پر دھبا لگاؤں۔"
دوسری زندہ کتاب مہابھارت ہے جسمیں کئی ایسی دلچسپ کہانیاں
ہیں جو ست پر قائم رکھنے کی بڑی شکشا کرتی ہیں۔ بلکہ ایک قسم کا وعدہ کیا ہوا
خواہ کچھ ہی ہو جاوے ایفا کرنا چاہئے۔ چنانچہ بھیشم پتامہ جو مہابھارت میں
ایک مشہور اور نامور بہادر ہو گذرا ہے اس نے وعدہ کیا تھا کہ میں عورت
پر ہتھیار نہیں چلاؤنگا۔ چنانچہ مخالفین نے میدان کارزار کے بیچ شکھنڈی
کو کھڑا کر دیا۔ اس نے اسے عورت سمجھا پس اپنی پرتگیا پوری کرنے کے لئے
اس پر ہتھیار نہ چلائے اور سچائی کے لئے اپنی جان قربان کر دی۔ اسی طرح
اگر میں سمرتیوں اور آدش گرنتھوں سے حوالہ جات پیش کروں تو ان
سے ظاہر ہوگا کہ ہر ایک دھرم پستک اور شاستر میں سچائی کی مہاتما اور مہما
کا ورنن ہے۔ ہم یہ بات بھی مخفی نہیں رکھ سکتے کہ سمرتیوں میں خاص حالات
میں جھوٹ بولنے کی اجازت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ گوتم سمرتی میں درج کیا
ہے کہ کرودھ۔ اتیت خوشی۔ ڈر۔ درد یا غم کی حالت یا دیوانہ آدمی
اگر جھوٹ بولیں تو یہ سخت پاپ نہیں ہے۔ اس اقبال کے اندر بھی
دیانتداری پائی جاتی ہے۔ مہابھارت میں بھی کئی مقام پر اس عذر یا بہانہ
کے حق میں دلائل ہیں چنانچہ اس میں کوشک ست وادی کی کہانی ہے

جوست بولنے کے باعث نرک میں بھیجا گیا تھا۔ اس نے ایک دفعہ جنگل میں دیکھا کہ لٹیروں سے خوف کے مارے آدمی بھاگ کر جا رہے تھے اتنے میں دسیو (لٹیرے) آپہونچے انہوں نے کوشک سے دریافت کیا کہ آدمی کہاں بھاگ گئے ہیں۔ اس نے سچ سچ بتلا دیا چنانچہ ان لٹیروں نے ان آدمیوں کو جا کر پکڑا اور قتل کر دیا۔ لیکن کوشک ایسے موقعہ پر ستی بولنے کی خاطر نرک میں ہوا معلوم ہوتا ہے کہ ہندو لوگ ہمیشہ سے برہمنوں کے جال میں پھنسے رہے ہیں اور ہمیشہ گپ شپ کا پرچار کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے مہابھارت میں آیا ہے کہ ایک ہزار اشومیدھ اور سچ بولنے کا پھل ایک ہی ترازو میں وزن کرو۔ ستی کا پلڑا بھاری رہیگا۔ یہ الفاظ ہیں جو سکنتلا نے راجہ دشینت کو جب اُسے اور اس کے بیٹے کو شناخت کرنے سے انکار کیا مخاطب ہو کر کہے تھے اور جب اس نے اس کی اپیل کو سننے سے انکار کیا۔ تو وہ بڑے زوردار الفاظ میں اُسے "ضمیر کی آواز" کے الفاظ سے اپیل کرتی ہے۔ وہ راجہ کو کہتی ہے کہ اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ میں تنہا ہوں مجھے معلوم نہیں کہ تمہارے اندر پرش یا ہردے کے اندر دانا پُرش (یعنی یا ضمیر) موجود ہے۔ وہ تمہارے بُرے کاموں کو جانتا ہے۔ اس کی نظر میں تم پاپ کر رہے ہو جس آدمی نے پاپ کیا ہو ممکن ہے کہ وہ کہے کہ مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ لیکن دیوتاؤں کو معلوم ہے اور بوڑھا آدمی (مراد ضمیر ہے) جو ہمارے اندر ہے اس سے مخفی نہیں رہتا۔

میرے خیال میں اس قدر کافی ہوگا۔ اس ساری بحث سے میری یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ ہندوستان کے ۲۰ کروڑ سب کے سب دیوتا یا فرشتے ہیں بلکہ میرا مطلب یہ ثابت کرنے کا ہے کہ وہاں کے زمانہ قدیم کے لوگوں کے برخلاف جو جھوٹ بولنے کا سخت الزام لگایا جاتا ہے وہ بے بنیاد اور لغو ہے زمانہ حال میں جو ۱۰۰۰ عیسوی سے میں خیال کرتا ہوں جبکہ مسلمانوں کے خوفناک حملے اور تجاویز کا حال پڑھتا ہوں تو میں حیران ہوتا ہوں کہ کس طرح ان کے اندر صداقت اور نیک خصائل

بیشک باقی چلے آتے ہیں۔ اگر بچے کے سامنے چوپیا سے سچ بولنے کی امید کی جاسکتی ہے تو ایک مسلمان حاکم کے روبرو ہندو بھی سچ بول سکتا ہے۔ اگر آپ لڑکے کو خوف زدہ کر دیں تو وہ ضرور ہے کہ جھوٹ بولے ایسا ہی اگر آپ لاکھوں آدمیوں کو خوف زدہ کر دیں تو ممکن ہے۔ کہ وہ بھی مارے خوف کے راستی سے قدم پیچھے ہٹا لیں۔ صداقت ہماری زندگی میں بمنزلہ ایک قسم کی عیاشی کے لئے اور مبارک ہے وہ آدمی جسے عالم طفولیت سے ایسی عیاشی اور آسائش کے حاصل کرنے کا موقعہ ملتا رہا ہو ممکن ہے کہ زمانہ حال میں اور انگلینڈ جیسے آزاد ملک میں ایسا حاصل کرنا سہل ہو۔ لیکن جوں جوں ہم بڑے ہوتے ہیں۔ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ ہم محض سچ ہی بولیں اور سوائے سچ کے اور کچھ منہ سے نہ نکالیں

شتہ پیٹر برس میں ایک چھوٹی سی کتھا آئی ہے جو بہت دل پسند ہے جس میں صداقت کی بہا کا ذکر ہے اور کس طرح سچ بولنے میں مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ارن ایولسی کو اس کے سمجھ ہی نے کہا۔ اب تو بڑا ہو گیا ہے تجھے اب نیک کرنا چاہئے۔ اس نے جواب دیا کہ تمہارا مطلب ہے میں آیندہ اپنی زبان کو بالکل بند رکھا کروں کیونکہ جو آدمی نیک کرنے والا ہو وہ کبھی جھوٹ نہ بولے اور اگر زبان بالکل بند رکھیں تب ہی جھوٹ نہیں بولا جاوے گا۔ پس نیکوں کی ممات یہاں تک روشن کی گئی ہے

مجھے شک ہے کہ دنیا کے کسی اور قدیمی دھرم پستکوں میں اس درجہ کی ضمیر پرستی اور صداقت پسندی کا نشان مل سکے جو خاموشی کو بمنزلہ سونے کے ظاہر کرے اور کلام کو بمنزلہ چاندی کے اور راستبازی کی اس قدر اعلیٰ قدر ظاہر کرے

میں ان صاحب کے دل پر نقش کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے ہندوستان کے لاکھوں آدمیوں پر جا کر حکومت کرنی ہے کہ وہ قومی لغضات کو اپنے

سے ترک کریں جو انسان کو اخلاقی درجے سے گرا کر دیوانہ بنا دیتے ہیں۔ دنیا
میں نیک اور بُرے آدمی ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ انگلستان میں
بھی یہی حالت ہے۔ مگر نقص تو یہ ہے کہ ہم سب لوگ فریب کھا کر
دوسروں پر نکتہ چینی کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ میں نے چند روز
ہوئے کہ ایک مہذب راج نیتی کے جاننے والے پرش کے چند الفاظ
خوب غور سے پڑھے ہیں۔ صرف تجربہ ہو کر سکھلاتا ہے کہ ایک اخلاق سے
گری ہوئی قوم کے لئے کوئی اور امر زیادہ حیرت میں ڈالنے والا نہیں ہے
جتنا کہ اس قوم کا نظارہ جس پر کہ اسے پورا اعتبار ہو۔ ہندوستان کے
لوگ اپنی کمزوری کو محسوس کرتے ہیں انہیں بجائے اس کے کہ سائنس
اور علم ادب پڑھایا جاوے۔ ان کے اخلاق سدھارنے کی طرف زیادہ
توجہ کرنی چاہئے۔ اگر آپ ہندوستان کو اس طرح کی تعلیم دیں گے تو
وہ آپ کو صداقت اور بردباری کا نہ صرف ثبوت دیں گے بلکہ الٹا اپنی
ان دونوں وصفوں سے سبق سکھلا دیں گے۔ مہارشی یاگولک کہتا ہے
کہ ہمارا دھرم سادھو بننا ہی نہیں ہے نہ ہی ہمارا جسم دھرم (شبھ آچرن)
بناتا ہے۔ شبھ آچرن (نیک خصلت) سادھن سے پراپت ہوتی ہے
اس لئے دوسروں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرو جو تمہیں اپنے آپ کیساتھ
پسند نہیں ہے یعنی جو بات کہ تم اپنے اوپر پسند نہیں کرتے ہو وہ
دوسروں سے بھی نہ کرو۔

ایسا ہی منوسمرتی میں بھی فرمایا ہے۔ بُرے کام کرنے والے سمجھتے ہیں
کہ ہمیں دیکھنے والا کوئی نہیں ہے۔ لیکن دیوتے انہیں دیکھتے ہیں اور
اپنے اندر ضمیر بیٹھی ہوئی دیکھتی ہے۔ آتما ہی آتما کا ساکھشی ہے اور
اور آتما ہی آتما کا پناہ ہے۔ اپنے آتما سے جو کہ منش کا سب سے تم ساکھشی
گھیرنا (نفرت) نہ کرو۔ اگر تیرا خیال ہے کہ تو بالکل اکیلا ہے دھیان کرکہ
تیرے اپنے اندر مہان آتما چپ چاپ سوچ کر رہا ہے موجود ہے
اور وہ شبھ اور اشبھ کرم کو تاڑ رہا ہے۔ اے دوست جو شبھ کام کو تو نے

پیدائش کے وقت سے کئے ہیں۔ تمام نشپھل جاویں گے۔ اگر تو کبھی جھوٹ بولے گا"

ایسا ہی وششٹ ادھیائے ۵ شلوک ۱ ست کا سادھن کرو ست کا بیوہار کرو۔ است کو تیاگو۔ سچ بولو جھوٹ کبھی نہ بولو۔ دور کی طرف نگاہ کرو۔ نزدیک نہ دیکھو۔ سب سے مہان کی طرف نگاہ ڈالو نہ کہ کسی پست چیز کی طرف۔ اسمیں شک نہیں کہ ہندوستان میں اخلاقی کمزوری موجود ہے لیکن دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اخلاقی کمزوری نہ پائی جاوے ہمیں یہ بھی خیال رہے کہ اخلاقی معیار سب جگہ مختلف ہوتے ہیں اور بعض امور میں تو ہندوستان کے اخلاقی معیار سے بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہمیں تعجب نہیں کرنا چاہیئے اگر ہم اس بات کو جو بات سمجھ کر نفرت کریں جنہیں کہ اس کے اپنے وارث درست اور ٹھیک سمجھا کرتے تھے ہمیں اپنی ضمیر کے مطابق اندازہ کرنا چاہیئے کہ فلاں امر ٹھیک ہے یا غلط۔ لیکن دوسروں پر نکتہ چینی کرتے ہوئے بحیثیت مورخ یا مدبر ہمیں بھولنا نہیں چاہیئے کہ جہالت ہر ذات کبھی نقصان نہیں پہنچاوے گا۔ یقیناً ہندوستان میں انگریزی راج کے مستقل قیام کے لئے میں اس سے زیادہ خطرناک مضر اور نقصان رساں کوئی اور بات نہیں سمجھتا جیسا کہ نوجوان سول سرونٹس کے اپنے دوران ہندوستان کا سفر کرتے ہوئے یہ خیال دل میں لے کر جاویں کہ ہندوستانی اخلاقی حالت میں چاہ ضلالت میں گرے ہوئے ہیں وہ جھوٹ کے تودے اور انبار کھڑے کر دیتے ہیں" وہ آدمی کبھی نقصان اور غلطی سے نہیں بچ سکتا جو جلد بازی میں بیساختہ یہ کہے کہ تمام آدمی جھوٹے ہیں"

باب سوئم

علم سنسکرت کا پڑھنا کیوں ہمارے لئے مفید اور دلچسپ ہے

میرے پہلے لیکچر کا مدعا یہ تھا کہ میں اُس تعصبانہ خیال کو دور کردوں ۔ ہندوستان ہمارے لئے ایک اجنبی ملک ہے جو یورپین لوگ وہاں جاکر رہائش کرتے ہیں وہ اُن عالی خیالات اور زندہ دلی کی لہر سے دور رہتے ہیں۔ جو انہیں انگلستان اور یورپ کے دیگر ممالک میں رہتے ہوئے میسر نہیں ہوسکتی ۔ میرے دوسرے لیکچر کا مُدعا اس غلط خیال کو دور کرنا تھا کہ ہندوستان کے لوگ جن کے ساتھ نوجوان سول افیسروں کو اپنی زندگی کا بڑا قیمتی حصہ بسر کرنا ہے۔ ایسی قوم ہے جو اخلاقی طور پر گری ہوئی ہے ۔ راستی کی مطلق پرواہ نہیں کرتی، اس لئے ان کے ساتھ میل جول یا رابطہ اتحاد قطعی نہیں ہونا چاہیئے ۔ آج میں تیسری غلط فہمی کے رفع کرنے کی کوشش کروں گا وہ یہ ہے کہ ہندوستان کا علم ادب اور خاصکر پُرانی سنسکرت زباندانی (ممکن ہے کہ علماء اور محققان اس میں کچھ دلچسپی لیتے ہوں یا کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہوں)۔ لیکن ہم عام لوگوں کو اس میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جو دیگر ذرائعہ سے ہم حاصل نہ کر سکتے ہوں۔ بالخصوص نوجوان سول افسروں کے لئے عملی طور پر وہ کچھ بھی مفید نہیں ہے ۔ اگر یہ افسران اپنے خیالات کو ہندوستانی یا تامل زبان میں ظاہر کرنے کی لیاقت حاصل کر سکتے ہیں تو اُن کے لئے اتنی لیاقت کافی ہے ۔ بلکہ یہاں تک خیال کرتے ہیں کہ چونکہ انہیں عوام الناس کے

کے ساتھ عام معاملات میں برتاؤ کرتا ہے اور دنیا دار بن کر رہتا ہے اگر وہ علمیت کے سوالوں میں الجھیں گے یا زمانہ قدیم کے مذہب. داستانوں اور فلسفہ کی تحقیقات میں اپنا وقت لگا دیں گے تو نہ صرف اپنا وقت ضائع کریں گے بلکہ ان کا ایسا کرنا خطرناک بھی ہے - میں اس خیال کی تائید نہیں کرتا - میں ہر ایک نوجوان کو جو اپنی زندگی کی بہار ہندوستان میں بسر کرنا چاہتا ہے اور وہاں اپنی رہائش کے ایام اپنے لئے اور دوسروں کے لئے مفید بنانا چاہتا ہے نصیحت کروں گا کہ سنسکرت کا مطالعہ کریں اور خوب غور سے کریں - اکثر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آجکل سنسکرت پڑھنے سے کیا فائدہ ہے - کیا یہ مردہ زبان نہیں ہے - کیا ہندو لوگ خود اپنی پرانی زباندانی سے شرمندہ نہیں ہیں کیا وہ خود انگریزی نہیں پڑھتے اور کیا وہ اپنی قدیمی فلسفہ اور شاعری کی نسبت مل - ہیوم اور لاک کی تصنیفات کو ترجیح نہیں دیتے - اس میں شک نہیں کہ سنسکرت ایک گونہ مردہ زبان ہے - میرا خیال ہے کہ دو ہزار سال سے پہلے سنسکرت مردہ زبان تھی - جیسا کہ بدھ نے ۵۰۰ برس قبل عیسے اپنے حواریوں کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کی عالم بولی میں بدھ مذہب کا پرچار کریں راجہ اشوک نے ۲۵۰ برس قبل مسیح اپنے فرمان اور ہدایات جاری کئے جن کا مطلب یہ تھا کہ لوگ انہیں پڑھیں اور سمجھیں اس نے انہیں چٹانوں اور ستونوں پر کابل سے لیکر دہلی تک گنگا اور جمنا کے دہانہ سے لیکر الہ آباد - پٹنہ بلکہ اڑیسہ تک لوگوں کی مختلف بولیوں میں نصب کرایا یہ مختلف بولیاں سنسکرت سے اس قدر مختلف ہیں جیسے اٹلی زبان لاطینی سے اس لئے اس بات کے تسلیم کرنے کے لئے کافی وجہ ہے کہ سنسکرت زبان حضرت عیسے سے ۳۰۰ سال پیشتر عام لوگوں میں بولی جانی بند ہو گئی تھی - کل واگ پستک میں ایک دلچسپ فقرہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدھ کی زندگی میں اس کے چند حواریوں نے جو برہمن نسل سے تھے شکایت کی کہ لوگ بدھ کے کلام اور مطلب کو اپنی اپنی مختلف

بولیوں میں بیان کرنے سے فوت کر دیتے ہیں اور غلط ظاہر کرتے ہیں انہوں
نے تجویز کی کہ بدھ کے خیالات کو سنسکرت میں ترجمہ کیا جاوے۔ لیکن
اس نے انکار کیا اور حکم دیا کہ ہر ایک آدمی اپنی اپنی زبان میں اُس کے
سدہانتوں کو پڑھے اور پرچار کرے۔

مسٹر ہارڈی اپنی کتاب "مینوئل آف بدھ ازم" میں لکھتے ہیں کہ جب
بدھ نے پہلے پہل پرچار شروع کیا تو سامعین میں سے ہر ایک یہ خیال
کرتا تھا کہ رشی میری طرف مخاطب ہو کر مجھے اپنی بولی میں سنا رہا ہے
اگرچہ جس زبان میں وہ تقریر کرتا تھا وہ انگدہ دیش کی بھاشا تھی۔ اس
سے پایا جاتا ہے کہ ۳ سو سال قبل مسیح سنسکرت زبان بولی جانی بند
ہو چکی تھی۔ لیکن بایں ہمہ ہندوستان کے زمانہ حال اور زمانہ ماضی کے
درمیان اب تک حیرت انگیز سلسلہ زبان سنسکرت برابر قائم ہے
اور جاری چلا آتا ہے اگرچہ بارہا مجلسی انقلاب ہوئے۔ مذہبی اصلاحیں
ہوئیں۔ غیر ملک کے لوگوں کے حملے ہوئے لیکن باوجود اس کے سنسکرت
زبان ہی اس وسیع ملک کے تمام علاقہ جات میں بولی جاتی ہے۔ اگرچہ
بدھ مذہب کے پیروکار راجوں نے اپنے فرمان اپنی اپنی عام بول چال
کی زبانوں میں جاری کئے۔ سرکاری کتبے اور دستاویزات آج تک
سنسکرت میں بنے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ بدھ اور جین
کی مقدس کتب کی زبان عام لوگوں کی بولی ہے۔ لیکن ہندوستان کا
علم ادب بانی رشی کی سنسکرت میں تحریر ہونا کبھی بند نہیں ہوا سوائے
چند مستثنیات کے مثلاً کالیداس وغیرہ کے ناٹکوں میں عورتیں اور
ادنیٰ علمیت کے لوگ یہ اکثر بھاشا بولتے پائے جاتے ہیں۔ اور
یہ ناٹک تاریخی شہرت رکھتے ہیں۔ بلکہ زمانہ حال میں جبکہ انگریزوں کو
سلطنت کرتے ہوئے ایک صدی گزر چکی ہے اور انگریزی تعلیم بتدریج
پھیل رہی ہے میرا خیال ہے کہ سنسکرت زبان ہندوستان میں زیادہ
سمجھی جاتی ہے بہ نسبت اس کے کہ ڈینٹی کے زمانہ میں یورپ میں

لاطینی زبان سمجھی جاتی تھی جب کبھی مجھے ہندوستان کے کسی عالم آدمی کی چٹھی آتی ہے وہ سنسکرت زبان ہی میں ہوتی ہے جب کبھی ہند میں قانون یا دہرم کے کسی مسئلہ پہ بحث ہوتی ہے اس پہ جو رسلے ہندوستان مین لکھے جاتے ہین وہ سنسکرت میں ہی ہوا کرتے ہیں۔ کئی ماہواری رسالے سنسکرت میں شائع ہوتے ہیں۔ جس کے پڑھنے اور مدد کرنے والے ضرور ہی سنسکرت دان ہون گے چونکہ عام لوگوں کی بول چال سے عالمانہ زبان سنسکرت کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ رُسالہ پنڈت" بنارس سے شائع ہوتا ہے جس میں نہ صرف زمانہ سلف کے شلوکوں یا سوتروں کی تشریح ہوتی بلکہ زمانہ حال کے مضامین پہ بھی بحث ہوتی ہے یہاں تک کہ انگلستان میں جو کتب شائع ہوتی ہیں ان پہ بھی سمالوچنا (ریویو) ہوتی ہے اور بحث مباحثہ کے مضامین تمام سنسکرت میں ہوتے ہیں ایسا ہی ایک اور اخبار پرتن کرمندنی (قدیمی اشیاء کے پسند کرنے والوں کو آیندہ دینے والا) بھی بنارس سے شائع ہوتا ہے جس میں بہت علمی مصالحہ ہوتا ہے۔ بنگال میں ایک اور رسالہ ودیودے (یعنی یا ودیا کا طلوع ہونا) کلکتہ سے شائع ہوتا ہے جس میں بہت ضروری اور مفید مضامین شائع ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کئی اور بھی رسالے ہوں جنکا مجھے علم نہیں ہے۔ مہاشئے ایشور کانتی" بمبئی سے ماہواری سلسلہ کتب نکالتے ہیں۔ جس کا نام ست درشن چنتکا (چھے فلسفہ پہ وچار) ہے جس میں پراچین درشنوں پہ بحث ہوتی ہے سنسکرت میں ویاکھیا ہوتی ہے اور مضامین بھی سنسکرت میں ہوتے ہیں۔ اگرچہ ساتھ ہی مرہٹی اور انگریزی میں ترجمہ بھی ہوتا ہے۔ رگ وید جو سنسکرت کی نہایت ہی پرانی پستک ہے اس کی دو ایڈیشن ماہواری شائع ہوتی ہیں۔ ایک بمبئی میں آزاد خیال کے لوگ شائع کرتے ہین اور دوسری الہ آباد میں دیانند سرسوتی جو کہ ہندوستان کے پرانے خیالات

کا وکیل ہے شائع کر رہا ہے۔ پہلے قسم کے اڈیشنوں میں منتروں کی سنسکرت میں ویاکھیا کی جاتی ہے ساتھ ہی مرہٹی اور انگریزی میں ترجمہ کیا جاتا ہے دوسرے اڈیشن میں پہلے سنسکرت میں بھاشیہ ہوتا ہے پھر ہندی بھاشا میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔ یہ کتب ماہواری چندے پر شائع ہوتی ہیں اور اُن کے خریداروں کی فہرست بھی خاصی ہے۔

کئی اور رسالے ہیں جو بنگالی۔ مرہٹی یا ہندی میں چھپتے ہیں لیکن انمیں اکثر مضامین سنسکرت میں بھی شائع ہوتے ہیں مثلاً ہرس کندر کا بنارس میں شائع ہوتا ہے۔ تتو بودھنا کلکتہ میں شائع ہوتا ہے اور ایسا ہی کئی دیگر رسالہ جات۔

چند روز ہوئے مینے ایک رسالہ کیبرلی میں جو کشیپ چندرسین فرقہ کی طرف سے نکلتا ہے ایک مضمون دیکھا جسمیں ایک مباحثہ کا ذکر تھا جو بصورت سمدھیا ہے ندیا کے مشہور ویدوں کے ماہر اور **کاشی ناتھ ترمبک ایم۔ اے** بمبئی یونیورسٹی کے مابین واقعہ ہوا ایک مشرق اور دوسرا مغرب کی طرف سے آیا اور ہر دو پنڈت فر فر سنسکرت میں بات چیت کرتے تھے۔ زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ سنسکرت کی کتابیں جو دیسی مطابع میں چھپتی ہیں ان کی بڑی مانگ رہتی ہے۔ کیونکہ جب کبھی انگلینڈ میں یہ کتابیں سال دو سال شائع ہونے کے بعد منگائی جاتی ہیں تو یہ جواب ملتا ہے کہ کُل کتب ہندوستان میں ہی فروخت ہو گئی ہیں حالانکہ انگلینڈ میں اینگلوسکسن کتابوں یا اٹلی میں لاطینی زبان کی کتابوں کی یہ حالت نہیں ہے۔ اس سے بڑھکر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اب تک مندروں میں رامائن اور مہابھارت کی جو زمانہ سلف کی دو مشہور رزمیہ کتابیں ہیں کتھا ہوتی ہے اور ہزاروں آدمی جا کر سُنتے ہیں۔ دیہات میں بھی خاصی تعداد دیہاتی لوگوں کی کتھا کرنے والے کے گرد جمع رہتی ہے اور جبکہ رامائن کا شو بھیر رامچندر بن جاتیں کو جاتا ہے تو اُس وقت کا نظارہ سُن کر سامعین کے آنسو نکل آتے ہیں۔

اور جبکہ وہ کامیابی کا سہرا سر پہ باندھے ہوئے اجودھیا کو لوٹتا ہے تو گھروں
میں روشنی دیپ مالا کی جاتی ہے اور پھولوں وغیرہ سے مکانات آراستہ
کئے جاتے ہیں بعض دفعہ مہابھارت کا بھوگ پانے میں تین ماہ اور بسا اوقات
چھ ماہ صرف ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ کتھا کرنے والا
برہمن پہلے سنسکرت کا شلوک پڑھے اور پھر ویاکھیا کرے۔ بہت ایسے
سامعین موجود ہوتے ہیں کہ ویاس اور والمیک کے شلوکوں کو سمجھتے ہیں
یا کم از کم ان کے رویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان شلوکوں کو سمجھ گئے ہیں
جو پنڈت صاحب پڑھتے ہیں۔ اس وقت بھی بیشمار برہمن ایسے ہیں جو اب
بھی ویدوں کو ازبر کرتے ہیں اور زبانی سنا سکتے ہیں اگرچہ ویدوں کے پڑھنے
کے لئے آجکل کوئی حوصلہ افزائی یا ترغیب نہیں رہی یہی حالت کئی دیگر
پستکوں کی ہے

اگر سنسکرت کو مردہ زبان بھی تصور کریں تو بھی ہندوستان کی تمام چلتی
آرین اور دراوڑی زبان سنسکرت زبان سے ہی اپنی روح اور جان حاصل
کرتی ہیں۔ میں بارہا کہہ چکا ہوں اور مجھ سے پیشتر یورپ کے لائق و فائق
علماء نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے کہ ہندوستان کی تمام زبانیں سنسکرت
سے ہی منفعت حاصل کرتی ہیں ہر ایک امیدوار (طالبعلم) جو کہ ابتدائی
ویاکرن کو بھی جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میری مراد اس سے کیا ہے خواہ
اس کی خاص زبان بنگالی۔ ہندوستانی یا تامل ہو۔

سول سروس کے دو یورپین ملازم ہوں جن میں سے ایک نے سنسکرت
اور ہندوستانی دونوں زبانیں پڑھی ہوں اور دوسرا جس نے صرف ہندوستانی
سیکھی ہو وہ دونوں اگر ہندوستان یا اس کے باشندوں کی ذہانت اور لیاقت
معلوم کرنے لگیں تو ان کے باہمی ٹھیک ایسا ہی امتیاز ہوگا جیسا کہ ان دو
سیاحوں کے درمیان جن میں سے ایک تو لاطینی زبان پڑھ کر اٹلی کی
سیاحت کرے اور دوسرا وہ جو مسٹر کک اینڈ کو کے ذریعہ سے روما
کی سیر کرے۔

آؤ ہم اس اعتراض کی جانچ پڑتال کریں کہ آیا سنسکرت مردہ یا بناوٹی زبان ہے تاکہ ہم معلوم کر سکیں کہ اسمیں کچھ صداقت بھی ہے یا نہیں بعض اصحاب کی رائے ہے کہ سنسکرت میں جو کتب اس وقت دستیاب ہوتی ہیں۔ اُن کے اندر کبھی جان نہیں تھی۔ یعنی صرف عالم لوگ انہیں تحریر کرتے تھے۔ عام لوگ اس کو نہیں پڑھتے تھے۔ اس لئے ہمیں اُن سے ہندوؤں کے دماغی ترقی کی نسبت کوئی پتہ نہیں لگتا۔ بعض اصحاب کی رائے ہے۔ انگریزی سلطنت کے قائم ہونے کے بعد (جس کو صرف ایک سو برس گذرا ہے) سنسکرت کے اندر جان نہیں رہی اور جو کچھ ہندوؤں کے دل و دماغ کے خیالات ہیں وہ اب سنسکرت زبان کے ذریعہ نہیں معلوم ہو سکتے نہ ہی اب سنسکرت ہندوؤں کے نیک و بد افعال پر کچھ اثر رکھتی ہے۔

سنسکرت زباندانی ایک وسیع اور غیر محدود نقطہ ہے اگر وید ۱۵۰۰ برس قبل مسیح قلمبند ہوئے اور اگر یہ امر واقعہ ہے کہ اب بھی سنسکرت زبان میں کتابیں لکھی جا رہی ہیں تو ہمارے سامنے علمی زندگی کی لہر بہتی ہوئی نظر آتی ہے جو کہ ۳۲۰۰ برس سے برابر چل رہی ہے۔ اور سوائے چین کے تمام دنیا میں یہ لہر غیر متوازی ہے۔ سنسکرت کی مختلف کتب اور ان کی اشاعت و توسیع کو واضح کرنا بڑا مشکل ہے۔ ہم آہستہ آہستہ اُن بے حساب خزائن سے واقفیت حاصل کرتے جاتے ہیں جو اب دستیاب ہیں۔ گورنمنٹ ہند نے چند سال سے حکم دیا ہے کہ ہند میں باقاعدہ طور پر کتب قدیمہ کا کھوج کیا جاوے چنانچہ یورپین اور ہندوستانی سنسکرت کے عالم مختلف مقامات پر بھیجے گئے ہیں جہاں سے کہ سنسکرت کے قلمی نسخہ جات فراہم کریں تاکہ ان کی جانچ پڑتال کیجاوے اور مکمل فہرست تیار کی جاوے چنانچہ بعض فہرستیں چھپ کر شایع بھی ہو گئی ہیں ان سے پتہ لگتا ہے کہ سنسکرت زبان کی الگ تصنیفات جن کے قلمی نسخہ جات تاحال موجود ہیں دس ہزار تک پہنچتی ہے میرے خیال میں اگر لاطینی اور یونانی زبان کی کل کتب کو اکٹھا کیا جاوے تو یہ

قلمی نسخے ان کے مجموعہ سے زیادہ ہیں اس میں شک نہیں کہ اس مجموعہ میں
سے بہت کچھ ناکارہ یا فضول ہوگا لیکن آپ سے مخفی نہیں ہے کہ زمانہ حال
میں بھی ایک لائق سے لائق فلاسفر کی تصنیفات فضول کے لفظ سے
منسوب کی گئی ہیں۔ میرا مطلب ظاہر کرنے کا یہ ہے کہ تین چار ہزار
سال سے تمام ہندوستان کی تاریخ میں سنسکرت زباندانی کے لئے ایک
شاہی سڑک موجود ہے یا دوسرے الفاظ میں ایک اونچا پہاڑی راستہ
موجود ہے جو میدان کی تکالیف سے زیادہ سخت ہے۔ ممکن ہے کہ لاکھوں
آدمیوں کو جنہیں روزانہ اپنی زندگی قائم رکھنے کے لئے جدوجہد کرنی پڑتی
ہے ایسا راستہ دشوار گذار نہ معلوم ہو سکے۔ لیکن بنی نوع انسان کے
محققان۔ انسانی دماغ کے نشو ونما کے مطالعہ کرنے والے طالبعلموں کیلئے
ایسے چند سیاح (سنسکرت قدیم کی زباندانی کا مطالعہ کرنے والوں سے
ہے) ہندوستان کے سچے وکیل وقتاً فوقتاً کہے جا سکتے ہیں ہمیں مغالطہ
میں نہیں پڑنا چاہئے کہ دنیا کا سچا اتہاس ہمیشہ تھوڑے آدمیوں کا اتہاس
ہوا کرتا ہے جس طرح کہ ہمالیہ پہاڑ کی بلندی کو ایورسٹ چوٹی کی بلندی سے
اندازہ کرتے ہیں ایسا ہی ہمیں آریہ ورت کی اوستھا کا اندازہ کرتے ہوئے
وید درشٹا رشیوں اور اپنشدوں کے کرتا۔ ویدانت اور سانکھیہ فلسفہ کے
بانی تتو گیانیوں اور پراچین سمرتیوں کے کرتاؤں کے خیالات سے اندازہ
لگانا چاہئے نہ کہ ان لاکھوں آدمیوں کی اوستھا سے جو کہ اپنے گاؤں میں
پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں اور ایک منٹ بھی اپنے خواب غفلت سے
بیدار نہیں ہوتے اس میں شک نہیں کہ سنسکرت زبان ہندوستان کے
کثیر التعداد لوگوں کے لئے نہ صرف مردہ زبان تھی بلکہ بالکل معدوم تھی لیکن
یہ حالت قدیم دنیا کی تمام زبانوں پر عائد ہوتی ہے نہ کہ صرف سنسکرت پر
لیکن بہر حال میں اس صداقت کو کسی حد تک ماننے کو تیار ہوں کہ سنسکرت
زباندانی کسی حد تک نہ تو عوام الناس میں بولی جاتی تھی اور نہ ہی قومی
زبان کی حیثیت میں رائج رہی ہے جس طرح کہ یونانی اور اہل روما کی زبان

تمام قوم کی زندگی کو اپنے زمانہ میں ظاہر کرتی تھی اور یہ بھی سچ ہے کہ سنسکرت
کی تمام کتب جو عوام الناس میں مشہور ہیں وہی ہندوستان کے علم و ادب
کا زمانہ عروج سمجھا سکتی ہیں کیونکہ یہ کتب ان لوگوں نے تحریر کیں جنہیں
خود سنسکرت کا مطالعہ ٹھیک اسی طرح کرنا پڑتا تھا جیسا کہ انگریزی زبان
کا۔ اور وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ فقط علماء اور اہل
دماغ کے لئے یہ کتابیں لکھ رہے ہیں نہ کہ عوام الناس کے واسطے۔

یہ امر تشریح طلب ہے چنانچہ ہم تمام سنسکرت علم ادب کو رگ وید سے
لے کر سوامی دیانند کے رگوید آدی بھاشیہ بھومکا تک جو کہ ایک دلچسپ
کتاب ہے دو زمانوں میں تقسیم کرتے ہیں ایک تورانیوں کے حملہ کرنے
سے پہلے کا زمانہ اور دوسرا اس کے بعد کا۔

پہلے زمانہ میں ویدک گرنتھ اور بدھ مذہب کی تمام قدیمی تصانیف شامل
ہے دوسرے زمانہ میں باقی کل پستکیں

ہیں ساکا یا سیتھین یا انڈو سیتھین یا کشنا لوگوں کے حملوں کو تورانی لوگوں
کے حملے کہتا ہوں محض اس لئے کہ میں ان قوموں کو ابھی قومیت کا درجہ
دینے کو تیار نہیں جنہوں نے کہ ایک سو برس قبل مسیح سے لیکر [illegible] برس
عیسوی تک ہندوستان کی سلطنت کو اپنے قبضہ میں رکھا۔ ان کو چین کی
تاریخی اصطلاح میں یوچی کہتے ہیں چینی تاریخی کتب خاص ذریعہ ہیں جن
سے ان کے ہندوستان پر حملہ کرنے سے پہلے اور پیچھے کے ان قوموں کے
حالات کا ہمکو کچھ پتہ ملتا ہے۔ دیگر نسلوں کے ساتھ ان کے تعلقات کے
بارہ میں کئی مختلف رائے ظاہر کی گئی ہیں ان کے [illegible] گورے ہیں
گھوڑے کی پیٹھ پر سے گولی چلاتے ہیں ان کے تمام یوچی کی مشابہت گوتھی
(یا گتھا) قوم سے ہوتی ہے جو رمیوست سے ترمین نسل کے لوگوں کیساتھ
اور بعض کی رائے میں گیٹیا قوم سے مشابہت ہے جو ان کے ہمسایہ میں
رہائش پذیر ہیں مگر ٹاڈ صاحب ایک قدم اور آگے بڑھے ہیں۔ اور
ہندوستان کے جاٹ اور راجپوت لوگوں کو یوچی اور گیٹی لوگوں کو ایک

بنا دیا۔ ممکن ہے کچھ عرصہ مدید تک اس تاریکی پر روشنی پڑ جاوے لیکن بالفعل ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایک سو برس قبل عیسوی سے ۴۰۰ برس عیسوی تک تورانیوں یا شمالی نسل کے باشندوں کے بار بار حملوں سے ہندوستان کی ملکی حالتیں بڑا انقلاب ہو رہا۔ جیسا کہ چین کے مورخ تحریر کرتے ہیں ان کا ہند میں یورش کرنا سکوں کتبوں اور زبان زد خلائق قصوں سے پایا جاتا ہے لیکن ہندوستان میں ان کی موجودگی کا ثبوت اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ ان چار سو سالوں میں برہمنی علم ادب ہندوستان میں بالکل نہیں ملتا۔ اگر ہم اس ملک کی ملکی و مجلسی حالت پر غور کریں تو ہم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ جنگجو قوم کی فتوحات اور حملوں سے ملک کی حالت کیسی ہو گئی ہو گی۔ حملہ آوروں نے قلعوں اور شاہی محلوں پر فوراً قبضہ کر لیا ہو گا یا تو قدیمی راجگان کو تخت سے اتار دیا ہو گا یا انہیں اپنا خراج گزار یا نائب السلطنت مقرر کر لیا ہو گا

× ×

× × × × × × × × × × × × × × × × باقی ہر ایک کام بدستور چلتا رہا ہو گا۔ محصول ادا ہوتے رہے ہوں گے۔ اور عام دیہاتی لوگوں کی زندگی گورنمنٹ کے تبدیل ہو جانے سے اس امان سے بسر ہوتی رہی ہو گی۔ نقصان صرف برہمنوں (جماعت علما) کو ہی پہنچا ہو گا بیشتر طیکہ حملہ آوروں کے ساتھ انہوں نے صلح نہ کر لی ہو۔ چونکہ یہی لوگ علم کے پھیلانے والے تھے اس لئے ان کے راجاؤں کی حکومت نہ ہونے سے لازمی تھا کہ علمی حالت کو بھی سخت دھکا لگے اور علمی اشاعت قطعی بند ہو جاوے بدھ مذہب کے عروج اور مہاراجہ اشوک کے بدھ مذہب گرہن کرنے سے برہمن مذہب کو سخت نقصان پہنچ چکا تھا اور ان کا رعب داب جاتا رہا تھا۔ شمالی طرف کے خاندان خواہ وہ کسی مذہب کے پیرو کار ہوں کم از کم وہ ویدوں کے ماننے والے نہیں تھے۔ انہوں نے بدھ مذہب کے ساتھ کچھ صلح کر لی یا تو ان کے یا ہمیں اس راجنامہ کا نتیجہ ہے یا یہ کہ

ساکائی داستانیں بدھ مذہب کے سدھانتوں کے ساتھ خلط ملط ہو گئیں جس سے بدھ مذہب نے **مہایان** صورت اختیار کی اور خاصکر امتیابہہ پوجا شروع ہو گئی جو کہ ایک سو برس عیسوی میں ہندوستان کے تورانی حاکم کانشکا کے زیر حکومت کونسل میں آخر کار قائم ہو گئی تیتجل مصنف مہابھاشں کے زمانہ میں سرمن (بدھ مذہب کے پرچارک) اور برہمنوں کے درمیان اس قدر اختلاف پیدا ہو گیا تھا کہ انہیں کوے - الو - کتے - گیدڑ اور جاتی دشمن وغیرہ ناموں سے پکارا گیا ہے پس اگر تمام سنسکرت علم ادب کو دو زمانوں میں تقسیم کریں ایک زمانہ تورانیوں کے حملوں سے پہلے اور دوسرا اس کے بعد کا تو پہلے زمانہ کے علم ادب کو قدیمی اور قدرتی اور دوسرے زمانہ کو نیا اور بناوٹی کہیں گے -

پہلے زمانہ میں سب سے پہلے اور قدیمی کتب ہمارے پاس وید میں جن کے معنی گیان کے ہیں جو کہ علم ادب کا بھاری ذخیرہ ہیں لیکن بڑے بھاری طوفان میں سے یہ تھوڑا سا حصہ تنکے کی طرح بچا ہوا ہے ب - وہ ذخیرہ جو بدھ مذہب کی ترشکا میں فراہم شدہ ہے جو آج کل پالی گاتھا اور سنسکرت زبان میں پایا جاتا ہے اور پچھلے دنوں میں اس میں بہت ملاوٹ ہو گئی ہے -

سنسکرت زبانداتی کے دوسرے زمانہ میں باقی تمام کتب وغیرہ شامل ہیں - ان زمانوں کے پھر حصے در حصے ہو سکتے ہیں لیکن چونکہ اس مضمون سے ان کا زیادہ تعلق نہیں اس لئے ہم اسے یہاں ہی چھوڑتے ہیں اب میں اس بات کے تسلیم کرنے کو تیار ہوں کہ دوسرے زمانہ کی سنسکرت کبھی عام طور پر بولی نہیں جاتی ہیں نہ ہی یہ قومی زبان تھی اس میں ابتدائی زمانہ کے حالات اور خیالات کہیں کہیں پائے جاتے ہیں - جو کہ ویدکے زمانہ کے علمی - مذہبی اور اخلاقی حالات کے مطابق بتلائے گئے ہیں اور جب کبھی ہم زمانہ قدیم کے حالات و واقعات کو الگ کرنا چاہیں تو زمانہ سلف کے واقعات کے صحیح حالات معلوم کرنے

سکے لئے اُن سے بڑی امداد ملتی ہے اور جو کچھ علم ادب ویدک زمانہ میں تلف ہو چکا ہے یا گم ہو چکا ہے اس کے کھوج لگانے میں ضمیمہ کا کام دیتے ہیں مثلاً قدیمی دہرم شاستروں میں وہ قدیمی باتیں موجود ہیں جو ویدک زمانہ میں پائی جاتی ہیں کچھ تو نثریں ہیں جن میں سوتر کہتے ہیں اور کچھ نہایت ہی قدیمی چھندوں میں جنہیں گوتھا کہتے ہیں۔

راماین اور مہابھارت کی رزمیہ کتابوں نے اتہاس اور اکھیان کی جگہ لی ہے پرانوں میں اگرچہ بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا ہے لیکن پھر بھی وہ مسالہ دستیاب ہوتا ہے جو ویدک علم ادب میں پران کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے مگر دوسرے زمانہ کے علم کا بہت سا حصہ بناوٹی یا علمی ہے جیسے دلچسپ مضامین اور رنگین عبارتیں مشرقی علماء کیلئے بہت دلکش معنی خیز اور مفید ہیں جو کہ فلاسفروں اور مورخوں کی ہمدردی کھینچنے کے لئے بہت ہی اعلیٰ ہیں۔

ہندوستان کے قدیمی علم ادب کی حالت مختلف ہے یہ علم ادب ویدک اور بدھ مت کے اصولوں سے بھرپور ہے۔ اس علم ادب میں انسانی نسل کی تعلیم کا پورا پورا حال پایا جاتا ہے جس کا ثانی کہیں اور کہیں نہیں ملتا اس لئے جن شائقین اصحاب کو ہماری زبان کے تاریخی عروج ہمارے ابتدائی حالات و خیالات و ترقی کا سلسلہ دریافت کرنا ہو۔ جس کسی کو مذہب اور داستانوں کے قدرتی اور سنجیدہ ترقی کے واقعات کا پتہ لگانا ہو۔ جس کسی کو علم ہیئت۔ صرف و نحو۔ علم عروض۔ و قوافی وغیرہ کے ابتدائی بنیادی اصولوں سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق ہو جس کسی کو فلسفانہ خیالات کے ابتدائی چمکاروں۔ گرہست آشرم۔ دیہاتی زندگی۔ راجا اور پرجا کے سنجیدہ وغیرہ کے حالات معلوم کرنے ہوں جن کی بنیاد دہرم سنسکار و قانون کتابوں اور داستانوں وغیرہ پر رکھی گئی ہے۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ویدک زباندانی کا مطالعہ بھی ویسے ہی شوق اور تن دہی سے کریں جیسے کہ وہ یونان اور روما اور عبرانی کی زباندانی کا مطالعہ کرتے ہیں۔

میں بالفعل اس بات پر بحث نہیں کروں گا کہ ہمیں بدھ مذہب کے علم ادب سے کیا کیا سیکھ شامل سکتی ہے کیونکہ ان تھوڑے سے لیکچروں میں اس مضمون پر وچار کرنے کا میرا ارادہ نہیں ہے۔ ان لیکچروں میں مشکل سے ویدک علم ادب پر سرسری نظر ڈالی جاسکتی ہے اور صرف وہ موٹی موٹی باتیں ظاہر کی جاسکتی ہیں۔ جو ہم وید منتروں۔ براہمن گرنتھوں اپنشدوں اور سوتروں سے سیکھ سکتے ہیں۔ پھر جتنی سنسکرت نظم ادب یورپ میں عام لوگوں تک دوسری زبانوں کی کتب سے پہنچا۔ بھاگوت گیتا۔ کالیداس کے ناٹک مثلاً شکنتلا۔ اُروشی۔ مہابھارت اور رامائن کے کئی حصے مثلاً نل دمینتی ست۔ ہت اُپدیش کی اخلاقی کہانیاں۔ بھرتری ہری ستک بلاشک نہایت ہی عجیب ہیں۔ جب پہلے پہل یہ کتب یورپ میں پہنچیں تو خیال کیا جاتا تھا کہ یہ نہایت ہی قدیمی زمانہ کی ہیں۔ چونکہ پہلے یہ خیال تھا کہ یہ لوگ اعلیٰ خیالات اور علمیت سے نابلد ہیں اس لئے ان کتب نے سر ولیم جونس کو انگلستان میں ہرڈر اور گیٹی کو جرمن میں ان کا مفتون و شیدا کرلیا جو نہایت ہی اعلیٰ تحسین اور تعریف کے گیت ان کے حق میں گانے لگ گئے۔ اس زمانہ کا فیشن ہوگیا کہ کالیداس کو ہارس اور ورجیل کا بڑا ہمعصر اور ہمپایہ خیال کرنے لگے جیسا کہ سکندر زوال ہمبولٹ نے اپنی کتاب کاسمس میں تحریر کیا ہے۔ یہ کالیداس راجہ وکرم آدیتہ (بکرماجیت) کے شاہی دربار میں ایک رتن تھا۔ یہ وہی راجہ بکرماجیت ہے جس نے اپنا سمت ۵۶ سال قبل مسیح رائج کیا۔ لیکن اب یہ خیالات تبدیل ہوگئے ہیں۔ جس وکرمادیتہ نے ساکا کو شکست دی اور ۵۶ سال قبل مسیح ایک سمت رائج کیا وہ یقیناً ایک سو برس قبل مسیح نہیں ہوسکتا ہے نہ ہی اب یہ خیال ہے کہ زمانہ سلف کے ہندو ان پڑھ تھے اور ان کی نظم بے سلیقہ بے ترتیب یا خشک خیال کی جاتی ہے برخلاف اس کے ان کی قابلیت کا وہی پایہ سمجھا جاتا ہے جو ایرانیوں عربی۔ اٹلی اور فرانس کی قوموں کا ہے اور اس معیار سے اندازہ لگانے پر کالیداس کے ناٹک

ان بہت سے ناٹکوں سے بہت اعلیٰ نہیں ہیں جو مدتوں تک ہمارے کتب خانوں کی الماریوں میں مٹی اور گرد و غبار میں بلا کسی کے مس کرنے کے پڑے رہے ہیں۔ کوئی سنسکرت کا عالم ان کی دیرینہ قدامت کا دعوے نہیں کرتا چنانچہ ایک کتبہ میں جو ۵۸۵ یا ۵۸۶ عیسوی کا ہے کالیداس کا نام مشہور شاعر بہاروی کے ساتھ درج ہے۔ اس لئے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اس سے بہت پہلے زمانہ کا پایا جاوے چنانچہ اونیت نہیں نے کہ بہاروی کرتا گن پیتک کے پندرہ سرگوں پر ٹیکا کی ہے وہ سنہ ۶۰۰ عیسوی میں ہو گذرا ہے۔ پس اگر ہم یہ تاریخ ٹھیک سمجھیں تو ظاہر ہے کہ کالیداس اور بہاروی چوتھی اور پانچویں صدی کے مابین ہو گذرے ہیں۔ قوانین منو کے بارہ میں جو نہایت ہی قدیمی خیال کئے جاتے تھے اور آجکل بھی جو لوگ کہ قیاسی گھوڑے دوڑا کر ایسی سنائی باتوں پر عمل کر کے لکھنے والے ہیں وہ انہیں بہت قدیمی زمانہ سے منسوب کرتے ہیں لیکن میں اس بات کے دعوے کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ موجودہ صورت میں جو منوسمرتی موجود ہے وہ چوتھی صدی عیسوی سے پہلے کی نہیں ہے بلکہ اس سے بھی بعد کی مرتب ہوئی معلوم ہوتی ہے میں یقین کرتا ہوں کہ سنسکرت کے کئی عالم میرے اس خیال کے برخلاف آواز اٹھا دیں گے۔ لیکن ہم نے دیانتداری سے اپنی ضمیر کے مطابق کام کیا ہے۔ کیا کوئی شہادت اس امر کی ملسکتی ہے کہ موجودہ مانو دہرم شاستر جو سلسلہ وار سلوکوں میں پایا جاتا ہے ۳۰۰ برس عیسوی سے پہلے کا ہو۔ اگر ایسی شہادت نہیں ملتی تو ہم کیوں کھلم کھلا یہ خیال ظاہر نہ کریں اور جو لوگ اس کے برخلاف رائے رکھتے ہیں ان سے بحث کریں۔ اگر وہ ہمارے خیال کو پلٹ دیں تو ہم ان کا شکریہ ادا کریں۔ اسمیں شک نہیں کہ اس زمانہ سے پہلے منو ایک اعلیٰ مقنن تھا اور منو اور مانوم کا ذکر اکثر قدیمی گرہیہ اور دہرم سوتروں میں آتا ہے لیکن یہ امر اس خیال کو مضبوط کرتا ہے کہ جو علم ادب تورانی حملوں کے بعد ہمارے تک پہنچا

اس میں وہ پرانے خیالات موجود ہیں جو درمیانی طوفان سے محفوظ رہ
گئے اگر منو کا دہرم شاستر اس سے پہلے جسٹی نین کے کوڈ کی طرح قوانین
کا مرتب مجموعہ ہوتا تو ضروری ہے کہ اس کے حوالجات اس زمانہ کی دیگر
پستکوں میں کہیں نہ کہیں درج ہوتے وراہمر جو ۵۸۶ء میں ہو گزرا
ہے کئی جگہ منو کے حوالے پیش کرتا ہے نہ کہ منو دہرم شاستر کے۔ اور
جبکہ وہ منو کے شلوکوں کے حوالے دیتا ہے یہ حوالے ہماری منوسمرتی
میں دستیاب نہیں ہوتے۔ میرا یقین ہے کہ چوتھی۔ پانچویں اور چھٹی
عیسوی صدی میں ہندوستان میں علم ادب کے عروج کا زمانہ تھا کالیداس
اور بھاردی اس زمانہ میں بہت مشہور ہو گذرے ہیں یہ امر کتبہ جات کی
شہادت سے ثابت ہے چھٹی صدی میں ہند کے علم ادب کا شہرہ
ایران میں پہنچا اور خسرو نوشیرواں شاہ ایران نے (۵۳۱ سے ۵۷۹
عیسوی تک حکومت کی) اپنے حکیم بیرزومی کو ہندوستان میں بھیجا تاکہ
پنچ تنتر کا ترجمہ سنسکرت سے پہلوی زبان میں کرلاوے۔ نورتن یعنی
نو عالموں کا ذکر بھی اس صدی کے حوالجات میں پایا جاتا ہے اور مجھے
شک ہے کہ سوائے ویدک اور بدھ مذہب کی تصنیفات کے ہم باقی
سنسکرت علم ادب کی کسی کتاب کو اس سے پہلے زمانہ کے ساتھ منسوب
نہیں کر سکتے۔ اگرچہ زمانہ حال کی سنسکرت کی کتب نے عام لوگوں کو
چونکا دیا اور شائق لوگ ان کے پڑھنے کے لئے ہمہ تن مائل ہو گئے اب
تک ہندوستان کے علم ادب کیساتھ بہت ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار
کیا جاتا ہے لیکن زیادہ وچار والے اور سنجیدہ عالموں نے ان کتابوں پر
چنداں غور نہیں کیا۔ ان کو عمدہ اور دلکش مانتے ہوئے بھی دنیا کے علم
ادب میں وہ جگہ نہیں دی جو یونان۔ جرمن۔ لاطینی۔ اٹلی۔ فرنچ یا
انگریزی کو دی گئی ہے۔ ایک زمانہ تھا جبکہ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ
جو کچھ ہندوستان کے علم ادب سے جاننے کے قابل تھا۔ ہم نے جان لیا
ہے سنسکرت کو یونیورسٹی میں علم کی ایک مستند شاخ اس لئے قرار

دینا چاہئے کہ سنسکرت سائنس آف لنگویج (زبانوں کا علم) کے مطالعہ
کے لئے ازبس مفید ہے۔ آج سے پچاس برس پہلے ایک نئی لہر اٹھی
جس نے سنسکرت علمیت کو ایک بالکل نئی رنگت دی ہے۔ اس
تحریک کا خاص بانی برنوف ہے جو پیرس کے کالج میں پروفیسر تھا
وہ اعلیٰ درجہ کا عالم آدمی تھا اور بڑے وسیع خیالات والا اور سچے
تاریخی جوش والا تھا۔ نل اور شکنتلا جیسی کتابوں پر اپنا قیمتی وقت ضائع
کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کا باپ یونان کی مشہور صرف نحو کا مصنف تھا
کچھ عرصہ کے لئے یہ ہونہار نوجوان بیرسٹری کا کام کرتا رہا اس کے دوست
صاحب رسوخ تھے مثلاً گینوٹ۔ ہنائر۔ مگنٹ اور وسیمنی اس کے
خیالات میں اس کے معاون تھے اس کو اپنی زندگی میں بڑی بڑی
امیدیں تھیں اس لئے وہ سنسکرت کے خوبصورت کتبوں پر اپنی زندگی
صرف کرنے والا نہیں تھا جب اس نے اپنے تئیں سنسکرت کی طرف
متوجہ کیا تو اس کا مدعا یہ تھا کہ وہ تاریخ انسانی بلکہ دنیا کی تواریخ کا پتہ
لگائے اور اس لئے اس نے ویدک اور بدھ مذہب کے علم ادب
کو ایسی عمدگی اور کامیابی کے ساتھ مطالعہ کیا کہ اس کی تحقیقات کا
مطالعہ دنیا میں یادگار رہیگا۔ افسوس کہ وہ عالم شباب میں فوت ہو گیا
اور اس عملی عمارت کے صرف محراب و ستون چھوڑ گیا جسکو تعمیر کرنیکا
اس کا ارادہ تھا۔ لیکن اس کا جوش اس کے شاگردوں اور دوستوں
میں تازہ ہے اب کوئی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ ویدوں اور بدھ
مذہب کے عالموں نے جس قدر علمی کام کیا ہے اس کا محرک
پروفیسر برنوف تھا اور بالخصوص اس کی وہ تقریریں تھیں جو اس نے
فرانس کے کالج میں کی تھیں۔ اب آپ دریافت کر سکتے ہیں کہ ہمیں
قدیمی علم ادب سنسکرت میں کیا کچھ مل سکتا ہے جو اور کہیں نہیں ملسکتا
میرا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس میں وہ آریہ نسل کے منش ملتے ہیں جنکی
ہم مختلف صورتیں اس وقت دیکھتے ہیں۔ مثلاً یونانی۔ روما۔ جرمن

کلٹ اور سلیواب بالکل نئی شکل میں نمودار ہوتے ہیں - جو آریہ لوگ شمال کی طرف چلے گئے ان کی چالاکی اور پولیٹیکل حالت اعلیٰ درجہ تک تکمیل کو پہنچی ہوئی تھی دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں لوگ مست اور صرف خدا کی دنیا میں سیر کرنے والے موجود ہیں - رگ وید کے بعض منتروں میں کئی ابتدائی حالات معلوم ہوتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ آریہ نسل کے لوگ نئے علاقے فتح کر رہے ہیں اور جنگ کے دیوتا اور مروت کی زیر نگرانی سیاہ فام اصلی باشندوں اور پیچھے آئے ہوئے آریوں کے برخلاف جنگ کر رہے ہیں - لیکن یہ جنگ کا زمانہ جلدی ختم ہوا جبکہ بہت لوگ اپنے علاقوں میں آباد ہو گئے تو فوجی اور جنگی فرائض ایک قوم نے سنبھال لئے وہ ایک مختصر سلطنت مطلق العنان بنگئی اور بہت لوگ اپنی زندگی دیہات میں بسر کرنے لگے جو کہ بیرونی دنیا کے معاملات میں کچھ دخل نہ رکھتے تھے اور قدرتی پھل پھولوں پر گزارہ کر لیتے تھے - جہانکہ کچھ محنت نہ کرنی پڑتی تھی چنانچہ بھرتری ہری کہتا ہے "ہر ایک جنگل میں درختوں پر پھل رہتے ہیں جو ہر ایک آدمی اگر چاہے بغیر تکلیف کے توڑ سکتا ہے - ہر جگہ دریاؤں میں ٹھنڈا اور میٹھا پانی موجود ہے / سندر بیل بوٹوں کی شاخوں سے مخمل کا فرش بچھا ہوا ہے اور با ایں ہمہ / بد نصیب لوگ دولتمندوں کے دروازوں پر جا کر دکھ اٹھاتے ہیں" بادی النظر میں تو ہمیں ایسے خیالات زندگی کو شانتی دینے والے نظر آتے ہیں لیکن زیادہ نظر تعمق سے دیکھنے پر بجائے ترقی یا عروج کے یہ حالت پستی کی طرف لیجانے والی ہے - اگر اعلیٰ نقطہ خیال سے دیکھا جاوے تو ظاہر ہو گا کہ جنوبی آریوں نے اچھا طریق اختیار کیا جو انہیں پسندیدہ معلوم ہوا - شمالی طرف کے آریہ لوگ زیادہ محتاط تھے اور کئی امور میں جفاکش تھے تاہم یہ سوال مزید غور طلب ہے کہ جس طرح قدرتی نظر میں شمال اور جنوب میں ایسا ہی انسانی سرشت میں بھی دو ہی قسم کے پہلو ہیں جو کہ ہر دو قابل ترقی ہیں - ایک چالاک جنگجو اور پولیٹیکل دوسرا کم چالاک

مگر دقیقہ شناس اور فلسفہ کے خیالات سے پُر دماغ ۔ اس سوال کے حل
کرنے کے لیئے کوئی علم ادب اس قدر مصالحہ بہم نہیں پہنچا سکتا جس قدر کہ
ویدوں سے دستیاب ہو سکتا ہے جو کہ منتروں سے شروع ہو کر اُپنشدوں
پر ختم ہوتا ہے ۔ ہم نئی دنیا میں قدم رکھتے ہیں جو ہمیں ہمیشہ اگرچہ دلکش
معلوم نہیں ہوتی لیکن اس کے اندر ایک سحر ہے یہ حقیقی اور طبعی ہے
اور ہر ایک قدرتی نشوونما یافتہ چیز کی طرح اس کے اندر بھی مخفی اسرار
ہیں جو ہمیں اتم سکھشا دیتے ہیں ۔ ایسی سکھشا ہمیں اور کہیں سے نہیں
مل سکتی ہمارا یہ کام نہیں کہ قدیم سنسکرت علم ادب کی تعریف کریں یا اسے
نفرت کریں بلکہ ہمارا یہ فرض ہے کہ اس کا مطالعہ کریں اور اس کے سمجھنے
کی کوشش کریں کئی ایسے مجہول آدمی بھی ہیں جنہوں نے ہندوستانی
دماغ کو سب سے بلند اور اعلیٰ ظاہر کیا ہے جو ہمیں ویدوں اور بُدھ مذہب
کے گمنام مصنفوں کی طرف اس لئے مائل کرتے ہیں کہ ہم ان میں اپنے سے زیادہ
صداقت آمیز مذہب زیادہ پاکیزہ اخلاق اور زیادہ اعلیٰ فلسفہ پاتے
ہیں میں ان مصنفوں یا ان کی کتابوں کے نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا لیکن
مجھے اس سے بڑھ کر حیرت ہوتی ہے جبکہ میں دوسری طرف اُن نکتہ چین
عالموں کے خیالات دیکھتا ہوں جو ہندوستان کے قدیمی علم ادب پر
اس طرح نکتہ چینی کرتے ہیں گویا کہ انہیں انیسویں صدی کی کتابیں تصور
کرتے ہیں اور انہیں اپنے دشمن سمجھ کر شکست فاش دینے کو مستعد ہیں
اور ان پر ذرا رحم نہیں کرتے ۔ کون انکار کر سکتا ہے کہ ویدوں کے اندر
مجہولانہ اور وحشیانہ خیالات نہیں ہیں لیکن یہ وحشیانہ خیالات بھی ہیں
اعلیٰ سبق دینے والے ہیں اور دلچسپ ہیں بلکہ ان میں سے بعض
کے اندر تو سچائی کے رتن اور روشنی کی کرنیں ہیں جو کہ نہایت ہی تاریک
رات کے پردوں میں سے پھوٹتی ہیں ۔ ان کے اندر وہ سچا جوش
سرگرمی اور صداقت ہے جس پر نہ صرف معترض علماء یا زمانہ سلف کی
تاریخ کے محققان کو غور کرنا چاہیئے بلکہ ہر ایک تعلیم یافتہ مرد اور عورت

کا فرض ہے کہ اس پر دھیان دے کئی ایسے مسائل ہیں جنہیں کچھ عرصہ
تک نظر انداز کیا جا سکتا ہے جنہیں بالفعل ضروری التوا میں رکھنا
چاہئے جبکہ ہم اپنی زندگی کی جد و جہد میں مستقل ہیں لیکن انہیں بہر کیف
کبھی نہ کبھی حل کرنا پڑے گا اور جبکہ وہ حل ہوں گے تو ہمیں وہ زیادہ
متحرک کریں گے بہ نسبت اس کے کہ ہم دوسروں کے آگے اقبال کرنا
پسند کریں۔

یہ سچ ہے کہ ہمارے لئے ہفتہ میں ایک دن آرام اور تنہائی میں
سوچنے کے لئے علیحدہ کیا ہوا ہے اور ان امور کے وچار کرنے کے لئے
جن کو یونانی ہمیں سب سے اعلیٰ چیز کہا گیا ہے ضرور وقت نکالنا چاہئے
یہ سچ ہے کہ ہم میں سے بہت اصحاب یہ ساتواں دن بھی صرف حسب
معمول گرجا میں جانے یا خالی پڑے رہنے یا آرام کرنے میں گزار دیتے
ہیں لیکن خواہ ہفتہ کے دنوں میں یا اتوار کے دن جوانی میں یا بڑھاپے
میں چند ایسے لمحے ضرور آتے ہیں گو شاذ و نادر ایسا ہوتا ہے۔ گو تاہم
وہ ہماری زندگی کے نہایت ہی نازک لمحے ہوتے ہیں جبکہ وہی پرانا سیدھا
سادہ سوال بڑے زور شور کے ساتھ ہمارے دل سے اٹھتا ہے اور ہم
اپنے ہی دل سے پوچھتے ہیں کہ ہم کون ہیں کس لئے ہم دنیا میں آئے
کیا ہمیں کبھی آرام نہیں ملیگا اور ہمیشہ جد و جہد کرتے رہیں گے۔ اور اپنی
خوشی کا سامان اپنے ہمسایوں کی خوشی کے کھنڈرات سے تیار کرتے رہیں گے
جب ہم روئے زمین پر اپنے مکان کو ایسا قابل آرام و آسائش تیار کر
جیسے کہ کیا بید گھاس اور برقی روشنی سے تیار ہو سکتا ہے تو پھر سوال اٹھتا
ہے کہ آیا ہم ان ہندوؤں سے زیادہ آسودہ ہیں جو ابتدائی زمانہ
کے جھونپڑوں میں اپنے جیون بسر کرتے تھے۔ جیسا کہ ہیں سے ابھی بتلایا
ان شمالی علاقہ جات میں جہاں تک زندگی ایک سخت جد و جہد میں رہی ہے
جہاں تک عالم ضعیفی کے نشیب و فراز مجلسی زندگی کی پیچیدگیوں اور حادثات
سے بچاؤ کی خاطر دولت کا فراہم کرنا ضروری اور لابد ہو گیا ہے۔ ایسے

حالات میں ہماری سوسائٹی میں ہم لوگوں کے آرام اور اعتکاف کے لئے وقت نکالنا بہت مشکل ہو گیا ہے جہاں تک ہمیں علم ہے یہی حالت ٹیوٹن نسل کے لوگوں کی تھی اور یہی اوستھا اہل روما و یونان کی تھی ۔ یورپ کی تو آب و ہوا جہاں عرصہ دراز تک سخت سردی پڑتی ہے کئی مقامات پر تو کاشت کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے ۔ چھوٹے چھوٹے فرقوں میں باہمی ضد اور مخاصمت کے پیدا ہونے سے خود حفاظتی کا مادہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ یورپ کی سوسائٹی کے کئی حسن و قبح اس ذریعہ تک بھی کھوجے جا سکتے ہیں ۔ ہمارے اپنے اخلاق پر تعلیم ضرورت اور پیشہ کے مستکاروں نے ان امور کا اثر ڈال رکھا ہے ۔ ہماری زندگی جھگڑا لو ہے ہماری زندگی کا اعلیٰ آدرش ہی دن رات لڑائی جھگڑا کرنا ہے ۔ ہم اس وقت تک کام کئے جاتے ہیں جب تک کام کرنے کے قابل رہتے ہیں یعنی جب تک کہ موت ہمیں آکر بند نہیں کر دیتی اور اس بات کا فخر کرتے ہیں کہ بوڑھے گھوڑے کی طرح ٹمٹم کے آگے جوئے ہوئے ہی موت کا لقمہ ہوں ۔

ہم زمانہ حال کی تہذیب کے اچنبھے دکھلا کر خوش ہوتے ہیں ۔ ہمارے عالیشان شہر ۔ شاہی سڑکیں ۔ پلیں ۔ ہمارے جہاز ۔ ریلوے ۔ تار گھر برقی روشنی تصاویر ۔ بت ۔ باجے اور ناچ گھر ہم خیال کرتے ہیں کہ ہماری زندگی ان اشیاء کے میسر ہونے سے دنیا میں بڑے آنند میں ہے بعض حالات میں ہم اپنی زندگی ایسی اعلیٰ سمجھتے ہیں کہ اس کے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا لیکن جو سبق کہ ہم کو برہمن یا بدھ مت کے رہبر لگاتار سکھلاتے ہیں یہ ہے کہ یہ زندگی بمنزلہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں سفر کے ہے دنیا جائے قیام نہیں بلکہ مسافر خانہ ہے جس طرح کہ ایک مسافر کسی گاؤں میں سفر پر جاتا ہے ۔ رات کو کھلے میدان میں آرام کرنے کے لئے بسیرا کرتا ہے اور دوسرے دن اٹھ کر پھر اپنی منزل مقصود کی طرف راہی ہوتا ہے ۔ ایسا ہی باپ ۔ ماں ۔ استری اور دھن یہ سب کچھ رات کے بسیرے کی طرح ہیں ۔ بدھ میان لوگ ہمیشہ ان اشیاء پر دل نہیں جماتے بجائے اس کے

کہ ہم ہندووں کی زندگی کی نسبت ایسے خیالات کو محض حقارت سے ہی
دیکھیں ہمیں ایک لمحہ کے لئے پکشپات رہت ہو کر اس پر گمبھیرتا سے وچار
کرنا چاہئے کہ آیا ان کی زندگی کی فلاسفی بالکل غلط ہے اور ہماری بالکل
صحیح - آیا یہ دنیا درحقیقت صرف کام کرنے کے لئے بنی ہے (کیونکہ ہمارے
لئے تو خوشی بھی کرم (کام کرنا) سے مبدل ہو گئی ہے اور ہمیشہ اسی ادھیڑ بن
میں لگا رہنا ہے یا یہ کہ ہم شمال کے رہنے والے پھرتیلے آریہ لوگ کچھ کم کام
اور کچھ تھوڑی خوشی سے مطمئن نہ ہونگے بلکہ تھوڑے سے وچار اور آرام
کے ساتھ شانتی نصیب ہوگی - چونکہ ہماری زندگی بہت تھوڑی ہے (ہم
اُن برساتی کیڑوں کی طرح دنیا میں نہیں آئے جو مینہ اٹھتے ہی پیدا ہوتے
ہیں اور بارش کے خاتمہ پر فنا ہو جاتے ہیں - ہم نے اپنے زمانہ سلف اور
زمانہ مستقبل کی طرف بھی نگاہ ڈالنی ہے اور یہ ممکن ہے کہ آئندہ زندگی کے
چند لمحے گذشتہ زمانہ کی دانائی پر وچار کرنے سے حل ہو جاویں پھر سوال
پیدا ہوتا ہے کیوں ہم اپنی نگاہ زمانہ حال کے معاملات پر ہی ڈالے
رکھیں کیوں ہم ہمیشہ دولت یا طاقت یا ثروت حاصل کرنے کے لئے
گھوڑ دوڑ کریں - کیوں ہم کبھی آرام نہ کریں اور پرماتما کا دھیان ادا نکریں
مجھے اس سے انکار نہیں کہ مردانہ ہمت چپ چاپ بردباری - ہمدردی
عامہ اور یورپ کے شہری لوگوں کی ذاتی خوبیاں ایک پہلو ظاہر کرتی ہیں
جو کہ اپنی قسمت کا نہایت ہی ضروری پہلو ہے جو ہر ایک انسان نے روئے
زمین پر سر انجام کرتا ہے لیکن ہماری سرشت کا یقیناً ایک اور پہلو بھی ہے
اور اس زندگی کے سفر میں انسان کے لئے قسمت آزمائی کا ایک اور میدان
ہے جس کو بالکل نظرانداز نہیں کرنا چاہئے - اگر ہم اپنی توجہ مشرق کی طرف
بالخصوص ہندوستان کی طرف لگا دیں جہاں کہ زندگی ایسی سخت جدوجہد
نہیں ہے یا کم از کم زمانہ سلف میں نہیں تھی جہاں کہ آب و ہوا معتدل بلکہ
نرم ہے زمین زرخیز ہے جہاں کہ نباتاتی غذا تھوڑی مقدار میں بھی صحت اور
جسمانی طاقت قائم رکھنے کے لئے کافی ہے جہاں کہ سادہ سے سادہ جھونپڑی بھی

جنگل میں غار دیکھا) سر چھپانے کے لئے کتنی خیال کیجاتی ہے - جہانتک سماجک اوستھا نے لنڈن یا پیرس جیسی ہیبت ناک صورت اختیار نہیں کی بلکہ دیہاتی برادریوں اور پنچائت کے تنگ دائرہ میں محدود رہی ہے کیا ایسی جگہہ میں قدرتی طور پر اُن کے جیون کا مدعا ایسا ظاہر نہیں ہوتا کہ زندگی کا دوسرا پہلو بھی مضبوط کیا جاوے وہ کونسا پہلو ہے - وہ پہلو نہ تو زندگی کی کشمکش - تنازعات اور دن رات کار و بار میں لگا رہنا ہے بلکہ سوچ وچار کرنے - یوگ ابھیاس اور مراقبہ کا - کیا یہہ تعجب کا مقام ہے کہ جن آریہ لوگوں نے سندھ یا گنگا کی گھاٹیوں اور خوشنما میدانوں میں بطور اجنبی کے آکر قدم جمائے وہ زندگی ہمیشہ آوار یا رخصت کے دن کی طرح سمجھتے رہے ہوں اور یہ خیال کرتے رہے ہوں کہ جبتک زندگی بسر ہو خوشی سے گذرے لیکن دیر وزا اس کا خاتمہ ہو جاوے گا -

ان کو دولت جمع کرنے کی کیا ضرورت تھی کیوں وہ عالیشان محل بناتے کیوں رات دن وہ سخت محنت کرتے - روزانہ اپنی جسمانی ضروریات کے لئے سامان بہم پہنچانے کے بعد انہوں نے سوچا کہ اس اجنبی علاقہ میں جہانک ہم جلاوطنیوں کی طرح رہائش رکھتے ہیں ہمارا فرض ہے کہ اپنی اندرونی اوستھا کا بھی کچھ وچار کریں اور پھر ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ آیا وہ زندگی کے اسرار کا سچا مطلب بھی سمجھ سکتے تھے - ہم بلاشک زندگی کے ایسے خیالات کو وہمی - فرضی اور نا قابل عمل کے نام سے پکارتے ہیں لیکن کیا وہ ہمارے زندگی کے خیالات کو کوتہ اندیشی اور نا عاقبت اندیشی پر مبنی نہیں سمجھتے ہو کہ آخر کار نہایت ہی نا قابل عمل در آمد ہے کیونکہ ایک زندگی کی خاطر دوامی زندگی کو قربان کرنا پڑتا ہے -

اس میں شک نہیں کہ دونوں طرف سے یہ غائت درجہ کے خیالات ہیں اور کسی قوم نے ایشیا یا یورپ میں آجتک اس انتہائی درجہ تک خیالات کو الٹ پھیر نہیں کیا - ہم ہر وقت جد و جہد میں نہیں لگے ہوئے -

بسا اوقات آرام - شانتی اور سوچ وچار کے لئے وقت نکالتے ہیں نہ ہی زمانہ سلف کے ہندو ہمیشہ اور ہر وقت زندگی کے ادیش پر ہی سوچ وچار میں مشغول رہتے تھے بلکہ حسب ضرورت جنگ کرنے کو خوب تیار ہوتے تھے اور بجیر کلا کوشل کے صبر اور استقلال سے نہایت ہی رذیل قسم کے دستی کام کو ہنر کا کام بنا دیتے تھے جو کہ بنانے والے اور خریدنے والے ہر دو کے لئے آنند دینے والا ہوتا -

اس لئے میں اب صاف طور پر واضح کرتا ہوں کہ آریہ لوگ جو ہندوستان میں اپنے جیون کا ادیش پورا کرتے آئے تھے ممکن ہے کہ جنگی اوصاف اور دیگر عملی کاموں میں کمزور ہوں اور شمالی آریوں میں یہ اوصاف اس جدوجہد کے باعث بڑھ گئی ہوں جس کے بغیر اُن کے لئے زندہ رہنا مشکل ہوتا لیکن آریہ لوگوں کی زندگی روئے زمین پر محض ناکارہ اور تضیع اوقات نہیں تھی اگرچہ ہم شمالی علاقوں میں ان کی زندگی کی تقلید نہیں کر سکتے لیکن بہر حال ہمیں اُن سے کافی سکھشا مل سکتی ہے اور نیز عبرت حاصل کر سکتے ہیں کہ ہم جیون کے اعلیٰ ادیش کو بالکل تیاگ نہ دیں -

زمانہ قدیم کا سب سے بڑا فاتح ہندوستان (سکندر اعظم) ہندوستان کے ایک بیرلوگی کے سامنے چپ چاپ حیرت زدہ ہو کر کھڑا رہا اور افسوس کرتا تھا کہ میں ان کی زبان میں اِن سے بات چیت نہیں کر سکتا اور ان کی دانائی بجز چند مترجمان کے وسیلہ کے میرے تک نہیں پہنچ سکتی مگر آجکل ایسی حالت نہیں ہے سنسکرت اب مشکل زبان نہیں رہی -

میں ہر ایک نوجوان امیدوار سول سروس کو جو ہندوستان میں جانے والا ہو یقین دلا سکتا ہوں کہ اگر وہ اہل ہند کی دانائی کے سرچشمہ کی طرف جانا چاہتا ہے تو وہاں سے اسے کئی اعلیٰ سبق ملیں گے جو سیکھنے کے قابل ہیں اور جنہیں ہم جلد بازی میں نظر انداز کرتے ہیں یا حقارت سے دیکھتے ہیں - میں آپ کو چند اُپدیش سناتا ہوں جو اب تک ہندوستان میں جب کہ دن کی گرمی یا محنت کے بعد بوڑھے اور نوجوان اپنے گاؤں کے درخت

کے سایہ کے نیچے اکٹھے ہوتے ہیں تو وہاں سنائے جاتے ہیں ۔ یہ اُپدیش
انہیں بالکل سچے معلوم ہوتے ہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ ہم انہیں شاید پورا
پورا سچ نہ خیال کریں ۔ چنانچہ چند نمونے حسب ذیل ہیں ۔

(۱) جبکہ سب نے زمین کے فرش پر (شمشان بھومی میں) مل کر اکٹھا سونا
ہے کیوں بیوقوف لوگ ایک دوسرے کو دُکھ دینا پسند کرتے ہیں ۔

(۲) ۔ جو آدمی موکھش کا متلاشی ہے وہ ان تکالیف کے سویں حصہ سے
پراپت کر سکتا ہے جو کہ بیوقوف آدمی دھن کی پراپتی میں برداشت کرتا ہے

(۳) ۔ غریب آدمی امیروں کی نسبت زیادہ اچھا لذیذ کھانا کھاتے ہیں
کیونکہ بھوک ان کے کھانے کو زیادہ لذیذ بنا دیتی ہے ۔

(۴) ۔ ہمارا جسم بمنزلہ کف سمندر کے ہے ہماری زندگی بمنزلہ پرند کے ۔ ہماری
رفاقت ہمیشہ ان کے ساتھ قائم نہیں رہتی ۔ جنہیں ہم محبت کرتے ہیں ۔ او میرے
فرزند اُٹھ تو کیوں سو رہا ہے ۔

(۵) ۔ جس طرح لکڑی کے دو ٹکڑے سمندر میں آ ملتے ہیں اور پھر الگ
ہو جاتے ہیں ایسا ہی انسانوں کا باہمی سمبندھ ہے ۔

(۶) ۔ ہمارا ملاپ استری ۔ دوستوں اور رشتہ داروں سے ہمارے سفر
پر واقع ہوتا ہے ۔ اس لئے ہر ایک انسان کو معلوم کرنا چاہئے کہ میں کہاں
ہوں ۔ میں نے کہاں جانا ہے میں کون ہوں اور کس لئے یہاں ٹھیرا ہوا ہوں اور کیوں
دنیوی اشیاء کے واسطے فکر کرتا ہے ۔

(۷) ۔ کٹمب ۔ استری ۔ بچے ہمارے جسم اور ہماری دولت یہ سب ہم سے
جدا ہو جاویں گے یہ ہمارے نہیں ہیں تو پھر ہمارا کیا ہے ہمارے شبھ اشبھ کرم

(۸) ۔ جب تو یہاں سے کوچ کرے گا کوئی تیرا ساتھ نہیں دیگا ۔ صرف
تیرے اُتم یا مندے کرم ہی تیرا ساتھ دیں گے جہاں کہیں تو جاویگا ۔

(۹) ۔ خواہ کوئی کام نیک یا بُرا جو انسان کرتا ہے اُسے اس کا پھل اوش
بھوگنا پڑتا ہے ۔

(۱۰) ۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرا یہ شریر میرا نہیں ہے اور تمام پرتھوی میری

اور پھر یہ خیال ہو کہ یہ میری وستیری ہے تو پھر کوئی نقصان پیدا نہیں ہوتا۔

(۱۱) جس طرح کوئی شخص دنیا میں پرانا لباس اتار کر نیا اور مختصر لباس پہنتا ہے ایسا ہی آتما اپنے اعمال کے بموجب نیا شریر دھارن کرتا ہے۔

(۱۲) ویدک سدھانتوں کے مطابق آتما انت ہے لیکن تمام پرانیوں کا شریر انت ہے جب جسم ختم ہو جاتا ہے تو آتما ہمارے کرموں کی زنجیروں سے جکڑا ہوا کسی اور جگہ چلا جاتا ہے

(۱۳ و ۱۴) آتما کو کوئی ہتھیار کاٹ سکتا ہے نہ آگ جلا سکتی ہے نہ پانی اسے گلا سکتا ہے نہ ہوا اسے خشک کر سکتی ہے یہ غیر فانی۔ انادی نہ بدلنے والا اور نہ حرکت والا ہے۔ یہ غیر مادی ہے بدھی کے گیان سے پرے اور نہ بدلنے والا ہے اگر تم جیو آتما کو اچھی طرح جان لو تو تمام کلیشوں سے چھوٹ جاؤ گے۔

(۱۵ و ۱۶)۔ دنیا میں جیو آتما کے گیان کی پراپتی سے کوئی چیز اُتم نہیں ہے تمام پرانی آتما کے شریر ہیں اور جو مادہ میں لپٹے ہو کر رہتے ہیں۔ اور امر شدہ پوتر ہے۔

(۱۷)۔ وہ لوگ جو آتما کو اچل مگر ناپائدار مکان میں رہنے والا مان کر اسکی پوجا کرتے ہیں وہ امر ہو جاتے ہیں۔ بدھیمان آدمی کو چاہیئے کہ تمام اشیاء کو چھوڑ کر اپنی آتما کے گیان پراپت کرنے کے لئے یتن کرے

ہم اس مضمون کی طرف پھر کسی وقت اپنی توجہ مبذول کریں گے۔ کیونکہ آتما کا گیان درحقیقت ویدانت ہے جو کہ ویدوں کا سب سے اتم اور اعلیٰ اپدیش (پرم دھرم) ہے۔ یونانیوں کا سب سے اعلیٰ اُتم گیان یہ تھا کہ ہم اپنے تئیں جانیں مگر ہندوستان کا سب سے اعلیٰ گیان یہ ہے کہ ہم اپنے جیو آتما کا گیان حاصل کریں۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ ہندوؤں کے آچرن کا وشیش گن مختصر طور پر کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے یہاں ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے تو میں کہوں گا کہ یہ مہر اسے اُتم (یعنی ہمیشہ سے برابر اعلیٰ درجہ کا چلا آیا ہے) جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا میلان طبع برہم گیان

کی پراپتی کی طرف رہا ہے۔

لیکن باایں ہمہ ہندو اس زندگی سے پرے ایک زندگی سمجھتا ہے جس کسی نے ایک دفعہ بھی اس کی طرف نظر کی ہے وہ اس منش کی طرح ہے جس نے سورج کو دیکھا ہو تو جہاں کہیں وہ نظر ڈالتا ہے اسے سورج کی تصویر ہی نظر آتی ہے آپ اس سے محدود اشیاء کا ذکر کریں تو وہ اسے پیدائش کا دوسرا نام بتلا دے گا۔ آپ اسے وقت (کال) کی بابت کہیں تو وہ بتلادیگا کہ یہ تو انادی کال (لا محدود وقت) کا سایہ ہے۔ ہمکو ہمارے احساس و دیا کے طاقتور انجن، ہتھیار اور وسائل معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ایک ہندو کے لئے یہ بھاری بیڑیاں ہیں جو روح کو پرواز کرنے سے روکتی ہیں۔ ہمیں یہ زمین زندگی اور جو کچھ ہم دیکھتے یا سنتے ہیں یقینی اور اصلی دکھائی دیتے ہیں۔ ہم محسوس کرتے ہیں یہ ہمارا گھر ہے اس کام کو کرنا ہی ہمارا فرض ہے اور اس کام میں ہمیں آنند معلوم ہوتا ہے مگر اس کے لئے یہ زمین ایک ایسی شئے ہے جو پہلے کسی وقت نہیں تھی اور پھر وقت آئیگا کہ نہیں رہے گی یہ زندگی مثل ایک خواب کے ہے جس سے کہ ہم جلدی بیدار ہو جاوینگے یہ مت خیال کریں کہ ایسے آدمی کو صرف وہمی ہیں نہیں ہرگز نہیں۔ اگر ہم دیانتداری سے اس پر وچار کرینگے تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ہمارے اندر بھی کبھی نہ کبھی ایسے خیالات کی ترنگ اٹھتی ہے۔ ہمیں شک نہیں کہ اہل ہند کی خصلت میں اتم گیان اور سداچار کی پراپتی کے خیال نے اور لوگوں کی نسبت زیادہ اقتدار حاصل کیا۔ لیکن کوئی قوم یا فرد بشر ایسا نہیں ہے کہ جس کے دل میں آئندہ اور زندگی کے بعد کی اعلیٰ خواہش پیدا نہ ہوئی ہو جس کو ہم دوسرے الفاظ میں مذہب کے نام سے پکارتے ہیں تاہم یہ ضروری ہے کہ دہرم اور مذہب کے درمیان امتیاز کیا جاوے جیسا کہ ہم زبان، بولی یا کئی زبانوں کے درمیان امتیاز کرتے ہیں۔ ایک آدمی ایک مذہب کو قبول کرتا ہے وہ عیسائی بن جاتا ہے وہ اپنا خاص مذہب وقتاً فوقتاً تبدیل کرتا رہے جیسا کہ وہ مختلف زبانیں بولتا ہے۔ لیکن کسی مذہب

والا کا پیروکار ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دہارمک ہو یعنی دہرم کو ماننے
ہو اُس نے اپنی زندگی میں کم از کم ایک دفعہ اس دنیا کے افق سے پرے نظر
ڈالی ہوگی اور پرماتما کے نظاروں اور چمتکاروں کو اپنے دل میں انوبھو کیا ہوگا
جو پھر کبھی اس کی یادداشت سے دور نہ ہوں گے مگر جو آدمی کہ اندریوں کا
غلام ہے اُن کی عارضی طاقت یا خوشی کا خیال نہیں کرتا اور اُن کی محسوسات
کو عارضی نہیں سمجھتا اس کے اندر دہرم کا انکور پیدا نہیں ہو سکتا۔ جبکہ تمام انسانی
علم کی محدود شکتی کو انوبھو کر لیتا ہے تب انسان کا من (بدہی) اسکو انوبھو
کرتا ہے جو محدود سے پرے ہے خواہ اُسے اگوچر۔ اننت۔ قانون قدرت
سے پرے یا پرماتما کہیں اس منزل پر قدم رکھنے کے بعد جو مذہب اختیار کیا
جاوے سمجھ میں آسکتا ہے یہ مذہب کس قسم کا ہوگا۔ ہر ایک قوم کی خصلت
اس کے اردگرد کے تعلقات اور اس کے تاریخی تجربات پر منحصر ہے شاید
ہم خیال کریں کہ ہم بہت مذاہب کی بابت واقفیت رکھتے ہیں میرا مطلب
قدیم زمانہ کے مذاہب سے ہے جو کہ بعض اوقات قومی یا (قدرتی) ہیں
نہ ان مذاہب سے جو بعد میں خاص پیغمبروں یا اصلاح کرنے والوں نے
اختراع کئے۔ تاہم اُن قدیمی مذاہب میں جو نہایت ہی ضروری بات ہے
یعنی ان کی ماہیت۔ اصلیت۔ آغاز اور بتدریج بڑھنا اس سے ہم قطعی
ناواقف اور لاعلم ہیں۔ خیال ہے کہ یہودیوں کا مذہب شروع سے مکمل
اور پورا ہے اور اس کے اصلی ابتداء اور تاریخی طور پر نشوونما پانے کا
حال معلوم کرنا واقعی بڑا مشکل ہے۔

ایسا ہی یونانیوں اور اہل روما کے مذاہب کی اگر پڑتال کریں۔ ٹیوٹن
سلیونک اور کلٹ لوگوں کے مذاہب کی طرف نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم
ہوگا کہ ان کے عروج کا کارنامہ ہماری واقفیت اور ان کو جاننے سے پہلے
گزرا ہوا معلوم ہوتا ہے اور جیسے ہم اُن مذاہب کے حالات سے آگاہ ہوئے
ہیں۔ تمام اُن کی تبدیلیاں مضامین کی شکل اور صورت میں ہیں لیکن اصلی
تبدیلیوں کی منزل سے وہ ہمارے علم سے پہلے کے گزر چکے ہیں۔ آؤ ہم اب

ہند کے قدیم باشندوں کی طرف نگاہ ڈالیں۔ ابتدا میں وہ لوگ دہرم کو معمولی شغل نہیں سمجھتے تھے جس طرح کہ بہت سے لوگ آجکل خیال کرتے ہیں ان کی سرگرمی اور شغل اس قسم کے تھے کہ اس میں وہ دل وجان سے محو ہو جاتے تھے اس میں نہ صرف پرستش اور پیار شامل تھی بلکہ فلسفہ۔ اخلاق۔ قانون راج نیتی وغیرہ سب کچھ دہرم میں شامل تھا۔ ان کی تمام زندگی دہارمک تھی باقی ہر ایک چیز اس زندگی کے عارضی ضروریات کے لئے محض ایک گونہ امداد سمجھی جاتی تھی ورنہ ان کا سب کچھ سہارا دہرم ہی تھا۔

ا۔ سوال یہ ہے کہ ہم ہندوستان کے قدیمی مذہبی علم ادب یا ویدوں کی سکھشا گرہن کر سکتے ہیں۔ اگر یونانی دیوتاؤں میں چند ہیرو تھی [illegible] کی اصلیت دریافت کرنا چاہیں تو یونانی مذہب اور یونانی زبان کے اندر گہرا غوطہ لگانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ہر ایک طالبعلم بھی جانتا ہے کہ زمین کا تعلق آسمان سے ہے۔ پوزیڈان کا تعلق سمندر سے ہے۔ ہیڈیز کا پاتال سے۔ اپالو کا سورج سے آرٹی میز سے چاند کا اور ہیفسٹس میں آتش کا لیکن با ایں ہمہ زمین اور آسمان میں۔ پوزیڈان اور سمندر میں بہت فرق ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ویدوں سے کیا نہیں ملتا ہے۔ کہیں کہیں چند فلسفہ کے خیالات [illegible] منتر ہیں جن کے حوالجات کئی دفعہ دیئے گئے ہیں جس سے لوگوں کا خیال ہو گیا ہے کہ وید (منتر) گیتوں کا مجموعہ ہیں۔ ایسا ہی کئی داستانوں کے منتر ملتے ہیں جنمیں دیوتاؤں کی شخصیت اسی طرح پائی جاتی ہے جیسے ہیومر کے نظمیہ ناٹک میں۔ لیکن ویدوں کے بہت منتروں میں اگنی جل۔ آسمان۔ سورج۔ آندھی اور طوفان کو اکثر انہی ناموں سے مخاطب کیا گیا ہے جو پیچھے ہندو دیوتاؤں کے خاص نام بن گئے لیکن اس وقت تک داستانوں یا توہمات سے پاک تھے۔ ہمیں تو کوئی بات بعید از عقل معلوم نہیں ہوتی جبکہ وہ دعا مانگتے ہیں کہ طوفان بند ہو جائے یا آسمان سے بارش اترے یا سورج کی روشنی اور گرمی ہو۔ میں پھر کہتا ہوں

کہ کوئی بات ان میں بعید از عقل نہیں اگرچہ ہم زیادہ صحت کے ساتھ یوں
کہہ سکتے ہیں کہ ان میں کوئی ایسی بات نہیں جو دلیل یا ظاہرات عقل کے
واقف کار انسانوں کو عجیب معلوم ہو۔ جو لوگ کہ اپنے تئیں انسانی زندگی
کا مطالعہ کرنے والے کہتے ہیں یہ ان کا یقین رہا ہے کہ سب سے ابتدائی
زمانہ کے حالات جاننے کے لئے ہمیں وحشی قوموں کی زندگی کا مطالعہ
کرنا چاہئے جیسا کہ ہمیں ایشیا۔ افریقہ۔ پالن ایشیا اور امریکہ کے کئی
حصوں میں اب بھی دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ اس میں بہت کچھ صداقت
ہے اور ان مشاہدات سے زیادہ مفید کوئی چیز نہیں جو وسٹیر ٹیلر اور
لبک وغیرہ جیسے شائقین کی تصنیفات میں پاتے ہیں۔ لیکن ہمیں
دیانتداری سے کام کرنا چاہئے اور پہلے تسلیم کرنا چاہئے کہ جن وسائل
اور ذریعہ پر ہم نے انحصار کیا ہے وہ نہایت ہی ناقابل اعتبار ہیں۔
یہی بلکہ ہم ان وحشی قوموں کے حالات ان کی تاریخ سے آخری باب
کے سوا ہم کیا جانتے ہیں۔ کیا ہم کبھی ان کے ابتدائی حالات کی طرف اندرونی
نگاہ ڈالتے ہیں۔ کیا ہم سمجھتے ہیں کہ اس ضروری اور معنی خیز سبق کو سیکھنے
کی کوشش کرتے ہیں جو یہ ہے کہ ہم موجودہ حالت کو کس طرح پہنچے۔ وہ
اپنی زبان رکھتے ہیں اور اس زبان میں ان کی ترقی و نشوونما کے آثار
پائے جاتے ہیں جو ہمیں زمانہ سلف کو یاد دلاتے ہیں جیسے کہ ہومر کی
یونانی اور ویدوں کی سنسکرت۔ ان کی زبان ثابت کرتی ہے کہ یہ تمام
نیم دبت پرست (زیادہ وحشی لوگ) ان کی داستانوں کی پیچیدہ ترتیب ان کے
مصنوعی رواج ان کی نہ سمجھ میں آنے والی وہم یا وحشیانہ خیالات اتنے جلد
کے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔ جب تک ہم ان وحشیوں کے لئے خاص قسم
کی پیدائش تسلیم نہ کریں وہ ایسے ہی قدیم زمانہ کے ماننے پڑیں گے جیسے
کہ ہندو یونانی اور اہل روما اور ہم خود ہیں۔ البتہ ہم یہ بات فرض کر سکتے
ہیں کہ ان کی زندگی ایک ہی جگہ پر قائم رہی تھی انہوں نے ترقی اور گیان
کے میدان میں قدم آگے نہ رکھا اور وہ آجکل ایسی حالت میں ہیں جیسے

آج سے تین ہزار برس پہلے ہندو نہیں تھے لیکن یہ محض قیاس ہے اور
ان کی زبان کے واقعات سے ہی اس کی تردید ہو جاتی ہے۔ وہ کئی
انقلابات سے گزرے ہونگے اور جسے ہم ابتدائی زمانہ خیال کرتے ہیں
وہ وحشیانہ زمانہ کے بعد شروع ہوا ہوگا۔ جو ابتدائی حالات میں سنجیدہ اور
قابل فہم تھا اس کا بگاڑ ہوگا۔ ذرا ان پابندیوں کی طرف خیال کرو جو ادنے
طبقہ کے وحشی قوموں میں شادی کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ ان کی پیچیدگیاں
ہماری سمجھ سے باہر ہیں تمام قسم کا تعصب۔ توہمات۔ غرور۔ تکبر اور
ناواقفیت کا ایک بے ڈھب مجموعہ معلوم ہوتا ہے تاہم ان بے سمجھی
کی باتوں میں بھی کہیں کہیں عقل کی باتیں ملتی ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ کس طرح
عقل کو بے دلیل اور لچر باتوں میں ڈگمگانا پڑا۔ رواج اور رسومات میں
تبدیلی آئی سنسکار ایک قسم کی نقل بن گئے۔ پس وحشیانہ زندگی کی یہ
حالت ہم کو انسانی زندگی کا نچلا طبقہ دکھلاتی ہے چونکہ تہذیب اور شائستگی
کا ابتدا ہے محض اس لئے کہ ہم اس سطح سے پرے کھوج نہیں لگا سکتے۔
میں چاہتا ہوں کہ میری نسبت آپ کو غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ میں ہندوستان
کے قدیم علم ادب کے واسطے اس سے زیادہ دعوے نہیں کرتا جتنا کہ میں
وحشی قوم کی حکایات۔ زبان زد خلائق روایات اور گیتوں کے لئے سمجھتا
ہوں جو ہم آجکل اصلی حالتیں دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ علم النسانی کے
مطالعہ کرنے والے کے لئے دونوں قسم کے دستاویزات ضروری ہیں۔
میرا صرف یہ مطلب ہے کہ ویدوں میں ہم ابتدائی زمانہ کے حالات معلوم
کرنے کے لئے ہاٹن ٹاٹ یا خاردار جھاڑیوں میں رہنے والوں کے گیتوں
کی نسبت زیادہ عقلی اور عمدہ باتیں پاتے ہیں لیکن جب میں ابتدا کا لفظ
استعمال کرتا ہوں تو اس سے بالکل ابتدا یا تمام چیزوں کی ابتدا سے مراد
نہیں ہے۔ بارہا یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ آیا ہم یہ بات تسلیم کر سکتے ہیں
کہ انسان جوں ہی اپنی پاؤں کے بل کھڑا ہوا وید منتر گانے لگ پڑا ایکسی نے
یہ مسئلہ تسلیم نہیں کیا۔ یقیناً ہر ایک شخص جو آنکھ رکھتا ہے دیکھ سکتا ہے کہ

ہر ایک وید منتر اور ان کے شبدوں میں اس قدر حلقے در حلقے موجود ہیں جیسے کہ ایک پرانے درخت میں جو جنگل میں کلہاڑا سے کاٹا ہؤا پڑا ہو۔ میں اس سے بھی زیادہ کہنے کو تیار ہوں جیسا کہ آپ نے پہلے کہا ہے اگر ہم یہ مان لیں کہ ویدوں کے منتر حضرت عیسے سے ۵۰۰ یا ۱۰۰۰ برس پہلے کے تیار ہوئے ہیں سمجھ نہیں آتا کہ کس طرح اس قدر ابتدائی زمانہ میں۔ ہندوستان کے خیالات اس قدر اعلیٰ نشوونما پا گئے تھے جو آجکل کے خیالات کے بین بین ہیں۔ میں اس نتیجہ پر پہنچنے سے رُک نہیں سکتا کہ بعض وید منتر جو دس منڈلوں میں جمع ہیں کم از کم ۱۰۰۰ سال قبل عیسوی موجود تھے یعنی بدھ مذہب کے عروج سے پانچسو برس پہلے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ آیندہ کوئی ایسا مصالحہ ہم نہیں پہنچیگا جس سے یہ ثابت نہ ہو کہ وید اس کے بعد تحریر ہوئے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک ہمیں اب تک علم ہے جہانتک کہ تمام پکشپات رہت سنسکرت کے عالم لوگ اسوقت تک جانتے ہیں ہم اس قابل نہیں کہ بدھ مذہب کے پہلے کے علم ادب کو ۵۰۰ برس پہلے سے زیادہ تنگ دائرہ میں رکھ سکیں تو پھر اب کیا کرنا چاہیئے ہمیں ابتدائی نسل کے انسانوں کے پہلے سوچے ہوئے خیالات کو کچھ دیر کے لئے بند رکھنا چاہیئے اور اگر ہم کو پتہ لگتا ہے کہ تین ہزار سال پہلے کے لوگ اُن خیالات سے آشنا تھے جو ہمیں عجیب اور انیسویں صدی کے خیالات کے مطابق معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم ابتدائی زمانہ کے وحشیوں کے بارہ میں اپنے خیالات کی کچھ ترمیم کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ بسا اوقات جو امورات کہ داناؤں اور دور اندیشوں سے مخفی رہتے ہیں وہ بچوں پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ بقول سعدی

گاہ باشد کہ کودکے ناداں ۔۔۔ بغلط برہدف زند تیرے
گاہ باشد کہ پیر دانشمند ۔۔۔ برنیاید ز درست تدبیرے

اس لئے میرا دعوےٰ ہے کہ انسانی جیون کا مطالعہ کرنے کے لئے یا کم از کم آریہ نسل کے انسانوں کے مطالعہ کرنے کے لئے وید جیسی

ضروری کوئی اور کتاب روئے زمین پر نہیں ہے - میرا یہی دعوے ہے
کہ ہر ایک انسان کے لئے جسے اپنی بابت کچھ سوچ وچار کرتا ہے - اپنے
بزرگوں - اپنی تواریخ یا اپنی ذہنی نشوونما کے لئے خیال کرنا چاہتا ہے -
ویدک علم ادب کا مطالعہ لازمی ہے اور آزادانہ تعلیم کے عنصر کے طور پر
بابل اور فارس کے سلاطین کی سلطنتوں بلکہ یہود اور بنی اسرائیل کے بادشاہوں
کے کارناموں اور تاریخوں سے بھی زیادہ ضروری ہے یہ بات دیکھ کر تعجب
آتا ہے کہ ایسے واقعات کو بڑی کشش و بیچ سے مانا جاتا ہے بالخصوص
وہ لوگ جنہیں ایسے واقعات کا معلوم ہونا مبارک ہے - میرا مطلب
علم انسانی کے مطالعہ کرنے والوں سے ہے - بجائے اس کے کہ اپنی تمام
طاقت ان دستاویزات کے مطالعہ کی طرف مبذول کریں جو ہمیں بطور معجزہ
کے دستیاب ہوئے ہیں وہ صرف حیلہ سازی اور بہانہ بازی کرتے ہیں
کہ ان کے پڑھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے - یہ کبھی خیال نہ کریں کہ چونکہ
رگوید کے انگریزی - فرانسیسی اور جرمنی زبان میں کئی ترجمے ہو چکے ہیں
اس لئے جو کچھ کہ ہم ویدوں سے سیکھ حاصل کر سکتے ہیں وہ سب کچھ معلوم
ہو چکی ہے ہرگز نہیں ہنوز دلی دور است - ہر ایک ترجمہ آزمائشی طور پر
پیش کیا گیا ہے جسے میں مکھی پر مکھی مارنا یا قیاسی کہہ سکتا ہوں - جو کہ ۱۲
منڈلوں کا ہے ایک بات تب مکھی پر مکھی مارنا ہے - ہم تو ابھی ویدک علم
ادب کی سطح کے اوپر اوپر پھرتے ہیں اور باایں ہمہ ہمارے نکتہ چین اصحاب
دلیل بازی کرنے کو تیار ہیں اور کہتے ہیں کہ ویدوں سے ہمیں انسان کی
ابتدائی حالت کا کچھ مصالحہ نہیں ملتا - اگر ان کی مراد ابتدائی حالت سے وہ
حالت ہے جو کہ بالکل آغاز دنیا میں تھی تب تو وہ لوگ اس چیز کے خواہشمند
ہیں جو انہیں کبھی کسی دستیاب نہیں ہو سکتی خواہ آدم اور حوا کی ذاتی خط وکتابت
بھی ہمیں دستیاب کیوں نہ ہو جاوے - لیکن ہم ابتدائی حالت سے مراد
[illegible] حالت لیتے ہیں جس کی بابت ہم حالات کے موافق کچھ واقفیت حاصل
کرنے کی امید کر سکتے ہیں جو کچھ کہ زبان کے تحقیقی نمونے اور تمام آریہ نسل کی زبانوں

کے مشترکہ خزانوں کے دفاتر میں جو کچھ پڑا ہے اور نیز جس کے غیر مشتق
کلمات میں ہر ایک لفظ مرکب کیا ہوا ہے - دنیا میں کوئی علمی یادگار سوائے
رگ وید کے نہیں ہے جو ایک راستی پسند علم السانی کے ماہر یا فضل السانی
کے مطالعہ کرنے والے طالب علم کے لئے اعلیٰ سبق ہے

اعتراضات اور اُن کے جواب

یہ سچ ہے کہ بسا اوقات مناظرہ بجائے مفید پڑنے کے زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے
تمام قیمتی قوائے میں سے سب سے خراب کو بڑھاتا ہے اکثر اوقات تو
دیانتداری کے دائرہ سے باہر جا پڑتا ہے اور عوام الناس کو زیادہ
گھبراہٹ میں ڈالتا ہے - عام مشہور ہے کہ کوئی ہشیار وکیل ایسا مقدمہ
لینے سے بھی انکار نہیں کرے گا جس میں اس کو یہ ثابت کرنا پڑے کہ
زمین تمام دنیا کا مرکز ہے اور انگریزی جیوری کے ہوتے بھی جس کیلئے
سیدھے دلیل کمال عزت ہے گلیلیو کے برخلاف فتوے حاصل کرنا
چنداں مشکل نہیں ہے - مجھے اس سے انکار نہیں کہ صداقت میں ایک
طاقت اور جان ہے جو انجام کار غالب آتی ہے اور تمام مخالفت کو عبور
کر جاتی ہے جیسا کہ گلیلیو کے مسائل سے ہی ظاہر ہے جو اس وقت سینکڑوں
اور ہزاروں آدمی مانتے ہیں جو نہایت ہی مشکل معلوم کرتے ہیں کہ ایک
دلیل بھی اس کے حق میں پیش کر سکیں - میں بھی تسلیم کرنے کو تیار ہوں کہ
جن لوگوں نے بہت اعلیٰ درجہ کے کام کئے ہیں اور علمی ترقی اور صداقت کے

پھیلانے کے لئے کوشاں رہے ہیں وہ اپنے وقت کو فضول جھگڑوں میں
ضائع نہیں کرتے بلکہ سیدھا آگے بڑھتے رہے ہیں اور انہوں نے لوگوں کی
نکتہ چینیوں یا دوسری طرف سے تعریفوں کی مطلق پروا نہیں کی۔ یہ
سب کچھ سچ ہے لیکن با ایں ہمہ مجھے ایک تقریر محض ان اعتراضات کے
جواب میں کرنی پڑی ہے جو ان خیالات کے برخلاف اٹھائے گئے ہیں
جو میں نے ویدک علم ادب کی تاریخی ضرورت اور عظمت کے بارہ میں
تحریر کئے ہیں۔ ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ یہ تمام مضمون نیا ہے۔ لائق
نکتہ چینوں کی تعداد بہت کم ہے اور غلطیوں کا ہونا نہ صرف ممکنات
سے بلکہ لازمی ہے۔ غلطیاں اکثر ہوا کرتی ہیں لیکن لائق آدمیوں کی غلطیاں
بھی سبق آموز ہوا کرتی ہیں۔ صداقت کے دریافت کے لئے بسا اوقات
قریباً ضروری طور پر کچھ کہنا پڑتا ہے۔ بعض ایسی نکتہ چینیاں ہوا کرتی
ہیں جن کو اگر نظرانداز کیا جاوے تو کچھ حرج نہیں بشرطیکہ نقطہ چینی
بدنیتی یا کمینہ خیال سے محض نکتہ چینی کی خاطر کی جاوے۔ لیکن کئی
دفعہ شکوک اور مشکلات ہوا کرتی ہیں جو قدرتاً پیدا ہوتی ہیں اعتراضات
جنکو سننا ہمارا فرض ہے اور جن کا رفع کرنا صداقت کے قلعہ کے نزدیک
پہنچنے کے لئے اشد ضروری ہے یہ اصول کہیں اس قدر عمدگی سے نہیں
تسلیم کیا گیا اور نہ عمل درآمد ہوا ہے جیسے کہ ہندوستان کے علم ادب
میں خواہ کوئی مضمون شروع کیا جاوے قاعدہ یہ ہے کہ بحث
پوروپکش کے ساتھ شروع کی جاوے یعنی جو کچھ خاص رائے یا
خیال کے برخلاف کہا جا سکتا ہے کہا جاوے۔ ہر ایک اعتراض جو
کیا جا سکتا ہے بیان کرے بشرطیکہ وہ فضول اور لچر نہ ہو اس کے
بعد اُترپکش شروع ہوتا ہے یعنی اصل رائے کے حق میں ان اعتراضوں
کے جواب میں کہا جاوے۔ جب اس طریق پر پورا عمل کیا جاوے تب
پورا نتیجہ نکلے اُسے سدھانت یا مسلم رائے کہتے ہیں

اس لئے ویدوں کی صفات کو لکھنے سے پہلے اور نیز قبل اس کے

کہ میں آپ کو قدیم ہندوؤں کے فلسفہ مذہب اور شعر پردازی کا مفصل حال بتلاؤں میں نے مناسب سمجھا ہے کہ سب سے پہلے چند اصول موضوع قائم کروں جن کے بغیر ویدمنتروں کی تاریخی منزلت اور اہمیت کا ٹھیک اندازہ لگانا ہمارے لئے بہت مشکل ہے کیونکہ ہم ان ابتدائی زمانہ کے رشیوں سے بڑے دور دراز فاصلہ پر ہیں۔ پہلا اصول موضوعہ بالکل ابتدائی ہے یعنی ہندو زمانہ سلف اور زمانہ حال میں ایک ایسی قوم ہے جو ہماری دلچسپی اور ہمدردی کی مستحق ہے ہمارے اعتبار کے لائق ہے اور اُن الزام کی مستوجب ہرگز نہیں ہے جو سخت بے پرواہی سے انپر لگایا جاتا یعنی وہ جھوٹ بولنے کے عادی ہیں

(۲)۔ ہندوستان کا قدیم علم ادب صرف ایک عجوبہ کے طور پر خیال نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی مشرقی علماء کے خوش رائے پر ہی اُسے چھوڑ دیا جاوے بلکہ بلحاظ زبان کے علم سنسکرت اور بلحاظ قدیمی علمی دستاویزات ہونے کے وید ہمیں وہ سبق سکھلا دیتے ہیں جو ہمیں اور کہیں سے نہیں ملسکتی۔ مثلاً ہماری اپنی زبان کی ابتدا ہمارے اپنے شبدوں کی ابتدائی بناوٹ اور اس میں تہذیب کے تمام سچے بیج (جوہر) بھرے پڑے ہیں۔ یا کم از کم آریہ نسل کی تہذیب کے اصل اصول پائے جاتے ہیں۔ جس کی ہم سب ایرانی۔ ہندو۔ یونانی۔ اہل روما۔ سلیو۔ کلٹ اور ٹیوٹن اولاد ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی اچھا اور مفید ہل چلانے والا ہو جو علم طبقہ ارضی سے نابلد ہو اور نہ ہی اُس تختہ زمین کی ماہیت جانتا ہو جس پر وہ کھڑا ہوا کام کرتا ہے۔ ہل چلاتا ہے اور اس سے خوراک حاصل کرتا ہے۔ ایسا ہی ہوسکتا ہے کہ ایک انسان بغیر مورخ ہونے کے اچھا کاریگر اور مفید شہری ہو۔ بغیر اسباب کے علم کے کہ یہ دنیا کسطرح بنی جس میں کہ وہ اقامت پذیر ہے اور انسان کو زبان۔ مذہب اور فلسفہ کے لحاظ سے کس قدر مختلف منازل سے گذرنا پڑا۔

لیکن ان لوگوں کی خود رائے کا ہونا ضروری ہے جو ہماری تمام عمدہ

اشیاء کو نہ صرف نارمن کانوئسٹ یا سکنڈنیویا کے بادشاہ یا سکسن اصل
تک پہنچاتے ہیں بلکہ نہایت ہی قدیمی آباؤ اجداد اور مربیان تک پہنچاتے
ہیں جنہوں نے ہزاروں سال پہلے ہماری خاطر خون کو پسینہ بناکر کام کیا اور جن
کے بغیر ہم کبھی موجودہ حالت میں نہ ہوتے جو ہمارے تمام آریہ نسل کے آباؤ
اجداد تھے ہمارے الفاظ کے موجد ہمارے خیالات کے سب سے
پہلے شاعر ہمارے قانون کے پہلے بنانے والے ہمارے دیوتاؤں اور
اور پیدا کنا کی طرف سے پہلے پیغمبر تھے ان لوگوں کے اعتقاد یا خود راستے
کو جو لوگ جانتے ہیں یا جاننے کی کوشش کرتے ہیں ان سب پر ظاہر
ہے جو شاید ساتھ کے واسطے کچھ محسوس کرتے ہیں جو ہمارے خیالات
کے ابتدائی حالات معلوم کرنے میں کچھ دلچسپی رکھتے ہیں اور ہماری ذہنی
و دماغی بزرگوں کی طاقت کے لئے کچھ عزت کرتے ہیں جو درحقیقت سچے
مورخ ہیں ان اشخاص میں سچی تحقیقات کرنے والے ہیں جو کہ زمانہ سلطنت کے
متعلق موجود ہے

(۳) میں آپ کو بیان کرچکا ہوں کہ کیوں ہندوستان کا قدیمی علم ادب
اس ملک کا درحقیقی قدیمی علم ادب یعنی ویدوں کے زمانہ کا علم ادب کس
لئے ہر ایک مرد و عورت تعلیم یافتہ کے لئے جو اس بات کے جاننے کی خواہش
رکھتا ہو کہ کس طرح ہم انگلستان میں اور انیسویں صدی میں موجودہ حالت
کو پہنچے ہیں گہری توجہ کا محتاج ہے اور کہ خالی مشرق کے عالموں کیلئے
ہی اس کا پڑھنا کافی نہیں ہے میں نے آپ کو اس بات کے جتلانے کی
کوشش کی ہے کہ ہندوستان اور یورپ کی سرزمین کے مختلف آب و ہوا
میں انسانی خصائل کی ترقی میں قدرتی اور لازمی طور پر بڑا بھاری فرق ہے
اس بات کو مانتے ہوئے کہ ہندو کئی مردانہ خصائل اور عملی ہنروں میں
ناقص تھے جن کی ہم اعلیٰ قدر کرتے ہیں میں نے ساتھ ہی یہ دکھلانے
کی کوشش کی ہے کہ دماغی زندگی کے دوسرے حصوں میں ہندو ہم
سے سبقت لے گئے تھے یعنی لوگ اکیاس اور اعلیٰ چلن میں ہم

ان سے اپنی زندگی میں کئی ایسی اہم سکھشائیں حاصل کر سکتے ہیں۔ جن کو ہم
نظر انداز کر دیتے ہیں یا اُن سے نفرت کرتے ہیں۔

(۲۳) اس بات کا اندیشہ کرتے ہوئے کہ میں نے ویدک ہندوؤں کی
فلسفہ۔ مذہب اور زمانہ سلف کی دانائی کو مبالغہ آمیز الفاظ میں ظاہر
کیا ہے یہ بتلانا بھی اپنا فرض مقدم سمجھتا ہوں کہ ویدک دھرم اگرچہ
ابتدائی دھرم ہے لیکن علم انسان کی تاریخ میں ایسا ابتدائی نہیں ہے
جس میں اُن انسانوں کے الفاظ بولے ہوئے ہوں جو سب سے پہلے
زمین سے پیدا ہوئے اور اسی اجنبی دنیا میں پہلے پہل حیرت زدہ ہو کر
ادھر اُدھر جھوم سے پھرنے لگے۔ وید ابتدائی زمانہ کی کتب کہی جا سکتی
ہیں کیونکہ ان سے پہلے کا کوئی تحریری دستاویز روئے زمین پر نہیں ملتا۔
لیکن جو زبان۔ مذہب۔ فلسفہ اور رواتیں ویدوں میں پائے جاتے
ہیں زمانہ سلف کے ان حقیقتوں کو منکشف کرتے ہیں جن کو کوئی
انسان خیالوں میں بھی پہنچنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

جہاں ویدوں کے اندر بہت سے سادے قدرتی اور بچوں والے خیالات
ملتے ہیں ان میں کئی ایسے خیالات بھی ہیں جو زمانہ حال کے معلوم ہوتے
ہیں یا دوسروں سے پاس تک پہنچے ہوئے یا تیسرے درجہ پر ہمارے
پاس پہنچے ہوں لیکن تمام دیگر تحریری دستاویزات سے زیادہ قدیمی ہیں
اور انسانی خیالات کی تاریخ میں ہمیں ایسا ہی مقدار وقت بتلاتے
ہیں جس کے بارہ میں ویدوں کے معلوم ہونے سے پہلے ہمیں قطعی لاعلمی
تھی۔ لیکن یہ سمجھ لینا اچھی صداقت نہیں ہے اور اعتراضات ویدوں
کے برخلاف اُن کے تاریخی دستاویزات ہونے کے بارہ میں اٹھائے گئے
ہیں۔ ان میں سے بعض نہایت ہی ضروری ہیں کئی وقعت میں کبھی ان
میں حصہ لیا ہے بعض اعتراضات کچھ نہ کچھ سچائی رکھتے ہیں اور ہمیں اس
بنیاد کے اندازہ لگانے کا موقعہ دیتے ہیں جیسے ہم کر سکتے ہیں۔

ویدوں کو تاریخی دستاویز سمجھنے کے بارہ میں ایک اعتراض یہ ہے

کہ وید اپنی نوعیت کے لحاظ سے صحیح معنوں میں قومی لٹریچر نہیں ہیں۔
وید ہندوستان کی تمام آبادی کے خیالات کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ ایک قلیل
تعداد ان لوگوں کے کام کرتے ہیں جو بلحاظ پیشہ کے برہمن کا کام کرتے ہیں ۔

(جواب)۔ اعتراضات کا ان مطالبوں پہ انحصار نہیں رکھنا چاہئے جو
بلحاظ حالات کے بے وجہ معلوم ہوں۔ کیا انہوں نے یقین کر لیا کہ انجیل
تمام یہودیوں یا ہومر تمام یونانیوں کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی
طرح وید بھی ہندوستان کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ اسمیں شک نہیں
کہ جب عہد نامہ عتیق متبرک کتب کے نام سے فراہم کیا گیا تھا۔ اس
وقت یہودیوں کی کثیر التعداد انہیں جانتی تھی لیکن جب ہم یہودیوں کی
ابتدائی حالت کے بارہ میں ذکر کرتے ہیں ان کے اخلاق اُن کی ذہنی
اور مذہبی حالت کا بیان کرتے ہیں جبکہ وہ مسوپوٹومیا۔ کنعان یا مصر
میں تھے۔ ہمیں پتہ لگتا ہے کہ پرانا عہد نامہ ہمیں تمام یہودیوں کی نسل
کے بارہ میں اس قدر کم علم دیتا ہے جیسا کہ ہومر کی نظم یونانی قوموں کی
بابت یا وید منتر ہندوستان کے تمام باشندوں کے بارہ میں۔ یقیناً بلکہ جب
ہم اہل روما و یونانیوں کی تاریخ کے بارہ میں ذکر کرتے ہیں ہم جانتے ہیں
کہ ہمیں وہاں تمام قوم کی مذہبی۔ ذہنی اور مجلسی حالت کی تصویر نہیں ملتی۔
کسی قوم کی واقعی اور اخلاقی زندگی کا مکمل طور پہ حال معلوم کرنا بہت
مشکل ہے۔ چنانچہ وسطی زمانہ میں بلکہ آجکل بھی قریباً ایسا ہی دشوار ہے
جیسا کہ زمانہ سلف میں تھا۔ ممکن ہے کہ ہم جرنیلوں۔ کمانیر افواج کے کچھ
حالات معلوم کر لیں لیکن دوسرے لاکھوں آدمیوں کی نسبت ہمیں کچھ
واقفیت نہیں ہوسکتی۔ جو کچھ کہ ہم بادشاہوں۔ جرنیلوں یا وزیروں کے
حالات جانتے ہیں وہ یونانی شاعروں یا یہودی پیغمبروں کے ظاہر کردہ
خیالات کا اخذ ہیں۔ اس سے زیادہ ہمیں کچھ علم نہیں ہے۔ یہ لوگ اپنے
ہمعصروں میں فی دس لاکھ ایک ہونگے۔ لیکن البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ
اگرچہ لکھنے والے تو قلیل تھے مگر پڑھنے والے بہت تھے۔ یہ حالت بھی

نہیں ہے۔ میرے خیال میں تو آجکل بھی پڑھنے والوں کی تعداد قلیل ہے
حالانکہ زمانہ سلف میں تو پڑھنے کا دروازہ ہر ایک بشر پر کھلا ہوا نہیں تھا
ہاں البتہ ضیافتوں۔ میکدوں۔ مجلسوں سے سنسکاروں اور ناچگاہوں میں سُننے
والوں کی تعداد تو کثیر ہوگی لیکن ہماری اصطلاح میں پڑھنے کا شائقین ہونا
یہ زمانہ حال کی اختراع ہے جس طرح آجکل پڑھنے کا شوق ہے زمانہ سلف
میں مطلق نہ تھا اگر آپ کتب کے شائع کرنے والوں سے دریافت کرتے کہ
مکالے کی تاریخ انگلینڈ۔ شاہزادہ کنسرٹ کی سوانحعمری۔ ڈاروِن کی
کتاب اریجن آف سپیشیز کی کس قدر جلد میں فروخت ہوئیں تو آپ کو پتہ
لگ جاوے گا کہ ۳ کروڑ ۰۰ لاکھ کی آبادی میں دس لاکھ کے پاس بھی
ایک کتاب مشکل سے ہوگی۔ سب سے زیادہ بکری عہدنامہ جدید کی بتلائی
جاتی ہے چھ کروڑ آدمیوں میں سے ۱۰ لاکھ آدمیوں کے پاس بتلائی
جاتی ہے۔ سوشی کتابوں میں سے جن کی بڑی کامیابی سمجھی جاتی ہے تین
چار ہزار کاپیوں کا بکنا تسلی بخش خیال کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن اگر آپ
دوسرے ملکوں مثلاً روس کی حالت کو دیکھیں تو آپ کو ظاہر ہو جاویگا
کہ کتابوں کو ملک کے واقف عام کرنا بہت دشوار ہے کیونکہ وہاں بہت ہی
قلیل التعداد لوگ کتب کو پڑھتے ہیں۔ اگر ہم اپنے خیالات کے توسن
کو یونان۔ اٹلی۔ ایران یا بابل کی طرف موڑ لیں تو پتہ لگے گا کہ سوائے
ہومر کی نظم کے کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو چند ہزار لوگوں نے پڑھی یا
سنی ہو ہم اہل یونان و روما کو عالم لوگ کہتے ہیں درحقیقت وہ عالم تھے
لیکن انکی حالت موجودہ زمانہ کے عالموں سے بالکل مختلف تھی۔ یونانی
اور اہل روما سے مراد ہم امیرزادہ اور روم کے شہری باشندوں سے لیتے
ہیں انہی میں افلاطون کا مکالمہ یا ہارس کے خطوط پڑھنے والے بہت
آدمی ہوا کرتے تھے۔ تواریخ ہمیشہ قلیل آدمیوں کے گذشتہ حالات و
واقعات کا مجموعہ ہوا کرتی ہے لاکھوں اور کروڑوں آدمی دنیا میں آتے
ہیں اور بلا کسی کی توجہ کے چلے جاتے ہیں صرف قلیل آدمی جنہوں نے

اپنے خیالات اور کلام کو خوبصورتی کے ساتھ ظاہر کیا وہ زمانہ سلف کے
آدمیوں کے شاہدرہ جاتے ہیں جب ہم عرصہ دراز کا ذکر کرتے ہیں جس کا
ذکر رگ وید میں پایا جاتا ہے اور پھر اپنے ملک کا جو آج سے ۳ ہزار برس
پہلے جدا جدا ٹکڑے ہوا ہوا تھا تو ہم کو قائل ہونا پڑتا ہے کہ جو کچھ ہمیں
وید منتروں میں ملتا ہے وہ برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیوں کے ہے
جو کہ بڑی دور سے دکھائی دیتی ہیں اور قوم کے اس پہاڑی سلسلہ کے
نشانات کا پتہ دیتی ہیں جو کہ تاریخ کے افق سے پرے بالکل مفقود
نظر آتا ہے جب ہم کہتے ہیں کہ وید منتر آج سے ۳۰۰۰ سال پہلے
کے ہندوستان کے رواجوں خیالات اور مذہب کو ظاہر کرتے ہیں تو
ہمارا مطلب صرف ان چند نامعلوم ہندوستانیوں سے ہوتا ہے جن کی
طرف سے رشی لوگ گویا بطور وکیل یا تقریر کرنے والے کے رہ گئے
ہیں جبکہ ہم آجکل ہندوستان کا نام لیتے ہیں تو اس سے مراد وہ ۲۵ کروڑ
ہندوستانی ہیں جو دنیا کی آبادی کا ۱/۶ حصہ ہیں جو ہمالیہ سے لے کر راس
کماری تک گنگا اور سندھ کے کناروں پر آباد ہیں جو کہ یورپ کے برابر
وسیع ملک ہے۔ وید میں قدیمی راجوں اور رشیوں کے حالات زیادہ
تر سندھ کی گھاٹیوں اور پنجاب کے زرخیز میدانوں میں پائے جاتے ہیں
جن کو اب سپت سندھو کہتے ہیں جس زمین کو اب دریائے گنگا سیراب
کرتا ہے اس کا ذکر شاذونادر ہی کہیں پایا جاتا ہے دکن کا کل علاقہ
اس زمانہ کے آریوں کو بالکل معلوم نہیں تھا جبکہ کہا جاتا ہے کہ یہ وید
منتر چند برہمنوں نے اپنا دماغ چراغ کے تلے خرچ کر کے تیار کئے اور تمام
قوم کی دماغی اختراع کا نتیجہ نہیں ہیں تو اس سے کیا مطلب ہے۔ بلا
شک ہم ان قدیمی زمانہ کے رشیوں کو پوجاری (کاہن) کہہ سکتے ہیں
کیونکہ اُن کی نظم میں نہ صرف مذہبی داستانی اور فلسفہ کے خیالات
بھرپور ہیں بلکہ یگیوں اور سنسکاروں کا بھی عام طور پر دھیان ہے۔ مگر
کاہن پیشہ بزرگ خاندان کہلاتا ہے۔ اس لئے رشیوں کا حق تھا کہ وہ

تمام فرقہ یا گاؤں کی طرف سے اپنے خیالات کا اظہار کریں جنہیں کہ وہ بود و باش رکھتے تھے آپ بشنشٹ کو بیشک ایک اجارہ کہیں اگر اس کی حیثیت اپنی قوم میں کارڈینل منِنگ جیسی نہیں ہے۔ ان دلائل اور قصہ جات کو چھوڑ کر اب ہم نے اس امر پر غور کرنا ہے کہ رگ وید میں چند ایسے منتر ہیں جو کمل زبان اور اعلیٰ نظم میں لکھے ہوئے ہیں جن میں دیوتاؤں اور آدمیوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ یگوں اور لڑائیوں کے تذکرے موجود ہیں۔ مجلسی حالت کے تغیرات اور اصلیت کے حالات موجود ہیں۔ فرائض اور خوشی فلسفہ اور اخلاق کے نظارے اور بامعنی آوازیں جو ہمیں بہت دور سے سنائی دیتی ہیں یہ سب کچھ ویدوں میں موجود ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم ایسی حیرت انگیز دریافت پر خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہ سماویں بعض نکتہ چین اصحاب کہتے ہیں کہ چونکہ ان گیتوں میں انسان کی ابتدائی حالت کا مفصل پتہ نہیں چلتا جس طرح کہ وہ چاہتے ہیں اس لئے وہ انہیں ناقص سمجھتے ہیں اور نامکمل خیال کرتے ہیں۔

میں ایک دفعہ پھر زور سے کہتا ہوں کہ اگر ہم ابتدا سے مراد ان لوگوں سے لیتے ہیں جو برفانی زمانہ کے اختتام پر فوراً ہی روئے زمین پر آباد ہوئے تب تو ویدک رشی یقیناً ابتدائی نہیں ہو سکتے لیکن اگر ہم اُن سے مراد اُن باشندوں سے لیتے ہیں جنہیں آگ کی ودیا نہیں تھی جو کھردرے پتھر استعمال کرتے تھے۔ کچا گوشت کھاتے تھے تو ویدوں کے رشی ابتدائی زمانہ کے نہیں تھے۔ اگر ہم ابتدائی باشندوں سے مراد وہ لوگ سمجھتے ہیں جو زمین کی کاشت کرنا نہیں جانتے تھے کوئی مستقل سکونت نہیں رکھتے تھے نہ کوئی اپنا راجہ رکھتے تھے نہ قربانیاں کرتے تھے نہ کوئی قانون رکھتے تھے تو میں کہوں گا کہ ویدوں کے رشی ابتدائی زمانہ کے نہ تھے۔ لیکن اگر ہم ابتدائی زمانہ کے لوگوں سے مراد اُن لوگوں سے لیں جو آریہ نسل میں سے پہلے روئے زمین پر اپنی ہستی کے علمی نشانات چھوڑ گئے ہیں تب میں کہوں گا کہ ویدوں کے رشی ابتدائی زمانہ کے تھے ویدک زبان سب سے ابتدائی زبان

ہے اور ویدک دہرم سب سے ابتدائی دہرم ہے اور بہ حیثیت مجموعی ان سے
زیادہ پہلے کا جو ہماری نسل کی تمام تاریخ میں ہم حاصل کرنے کے قابل ہو سکتے
ہیں۔ جب یہ تمام اعتراضات رفع ہو چکے تو اب آخری نوشتہ یہ چھوڑ اگیا کہ
زمانہ سلف کی ویدک نظم میں غیر اقوام یا کم از کم سمٹک لوگوں کے آثار
و ملاوٹ پائے جاتے ہیں۔ ہمیشہ سنسکرت کے فاضل علم ادب کی
خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ظاہر کرتے رہے ہیں کہ نہ صرف دھارمک خیالات
کی ابتدائی جھلک ویدوں سے ظہور میں آئی ہے بلکہ صرف ویدک مت
ہی ہے جس کی ترقی بغیر کسی قسم کے خارجی آثار کے واقع ہوئی ہے اور
دوسرے مذاہب کی نسبت کئی صدیوں تک اٹلی اور یونان کے اثرات
اور ملاوٹ کا امتیاز کرنا کیسا دشوار ہے۔ اٹروسین اور فنشیا کے اثرات
کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اہل یونان کے مذہب میں یہ معلوم کرنا بڑا مشکل ہے
کہ اس کا اپنا خالص کیا کچھ ہے اور مصر۔ فنشیا اور سیتھیا قوم سے اسمیں
کیا کچھ شامل کیا گیا ہے یا خیالات کی بیرونی کرنوں سے اسمیں کسی قدر
رنگت کی آمیزش ہے بلکہ یہودیوں کے مذہب میں بھی بابل فنشیا اور
ایرانی آثار پائے جاتے ہیں اور جس قدر کہ ہم نئی روشنی میں آگے قدم
رکھتے ہیں خیالات کا ملاپ زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے اور زیادہ مشکل
معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک قوم نے دنیا کی مشترکہ ذہنی لہر میں کسی قدر
حصہ اپنا شامل کیا ہے۔ لیکن کیول ہندوستان ہی ہے یا ویدوں کے
زمانہ کا آریہ ورت ہی ہے چنانچہ دہرم اور زبان کا برکش بھارت ورش
ہی کی زمین پر پیدا ہوا وہاں ہی بڑھا اور وہاں کی آب ہوا سے اس نے
پرورش پائی ہے۔ چونکہ ویدوں کا دہرم تمام بیرونی آفات۔ حوادث اور
آثار سے بالکل محفوظ رہا ہے اس لیئے اس میں اس قسم کی سکھشائین
موجود ہیں جو کہ دہرم کا بگیا سو اور کہیں سے حاصل نہیں کر سکتا۔ ویدوں
کے نکتہ چین کہتے ہیں کہ وید منتروں میں اہل بابل کے اثرات کا پتہ لگتا
ہے۔ میں مفصل طور پر اس کا جواب دوں گا کیونکہ یہ بڑا ضروری اعتراض

سے ہے درگوید منڈل بشلوک ۲۰۷۔ منتر ۲)۔ جس کا یہ ترجمہ ہے ۔
اے اندر ہمیں تو چمکیلے بھوشن ۔ گئو ۔ گھوڑا ۔ زیور اور سنہری من
عطا کر ۔ وہ سنہری من کیا ہے یہ شبد سوائے اس موقعہ کے پھر نہیں وید
منتروں میں نہیں پایا جاتا ۔ ویدوں کے محقق اسے من سے تعبیر کرتے
ہیں جو سلا غینی میں منا اہل فنشیا میں مناہ کہلاتا ہے جو کہ ایک وزن کا
پیمانہ ہے جو کہ اب بھی برٹش عجائب گھر میں بابل اور نینوہ سے لائے
ہوئے خزانوں میں پایا جاتا ہے ۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو پھر یہ ایک بڑی
زبردست شہادت ہے کہ بابل اور ہندوستان کے درمیان نہایت ہی
قدیم زمانہ میں تجارتی سلسلہ جاری تھا اگرچہ اس سے ہرگز ثابت نہیں
ہوتا کہ ہندوستان کے خیالات پر سمٹک لوگوں کا کچھ اثر پایا جاتا تھا اگر ہم
सा कामना नामा हिरन्या کا ترجمہ سونے کے منا سے کرتے
ہیں تو گویا "منا ہرنیہ" پانچویں وبھکتی ہیں آوے گا لیکن شبد
پانچویں وبھکتی کے ساتھ نہیں آسکتا اس لئے یہ ترجمہ بالکل غلط ہے
اگرچہ یہ فقرہ بہت مشکل ہے ۔ کیونکہ رگ وید میں یہ لفظ پھر کہیں نہیں
پایا جاتا ۔ میری رائے میں مناہرنیہ دو بچن ہے اور ترجمہ یوں ہوگا"
ہمیں دو سنہری بازوبند دیجیئے! بس یہ فرض کر لینا کہ ویدک رشیوں
نے صرف یہی ایک لفظ اہل بابل سے حاصل کیا تو اریخی اصول و قواعد
کے برخلاف ہے "لفظ" من تمام سنسکرت علم ادب میں کسی اور مقام
پر نہیں آیا ہے نہ کوئی اور بابل کا وزنی پیمانہ تمام سنسکرت زبان میں
پایا جاتا ہے اور یہ بھی اغلب نہیں ہے کہ ایک رشی جو گائے گھوڑا
وغیرہ کے لئے پرماتما سے پرارتھنا کرتا ہے اس منتر میں غیر ملک کے
سونے کے وزن کے لئے پرارتھنا کرے ۔

(اعتراض) لیکن صرف یہی ایک لفظ نہیں ہے جو اہل ہند نے
بابل سے لیا ہو ۔ نکشتر جو ہندوستان میں چاند کی ۲۷ منزلیں تصور
کی جاتی ہیں وہ بھی بابل سے آئی ہیں ۔

(جواب) بابل کے نکشتر (برج) شمسی تھے اور اگرچہ بارہا کوشش کی گئی مگر وہاں قمری منازل کا کوئی پتہ گلزاری خط کے کتبوں میں بھی نہیں پایا جاتا۔ اگر فرض کریں کہ چاند کی راسیں اور نکشتر اہل بابل کو معلوم تھے۔ کوئی بھی انسان جسے ذرا بھی ویدک علم ادب یا ویدک سنسکاروں یا یگوں سے واقفیت ہے یقین نہیں کریگا کہ آسمان کی یہ سادہ تقسیم ہندوؤں نے اہل بابل سے لی ہو۔ یہ عام مشہور ہے کہ ویدوں میں کئی یگوں کا ذکر آتا ہے جو زیادہ تر چاند کے پکھشوں میں کئے جاتے ہیں جس طرح کہ نرہور کی کتاب کا مصنف کہتا ہے۔ پرماتما نے چاند کو موسموں کے لئے مقرر کیا اور سورج تو صرف طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے"۔ رگ۔ وید میں ایک منتر آتا ہے جو سورج اور چاند کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے۔ سورج اور چاند اپنی اپنی شکتی سے ایک دوسرے کے پیچھے مشرق سے مغرب کو چلتے ہیں اور کھلاڑی بچوں کی طرح وہ یگ کے گرد گھومتے ہیں۔ ان میں سے ایک جو تمام دنیاؤں پر نظر ڈالتا ہے۔ دوسرا موسموں کو تبدیل کرنے کے لئے بار بار جنم لیتا ہے۔ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو نیا (ہلال) بنتا ہے۔ دنوں کے قاصد کی طرح وہ نور کے تڑکے کے آگے چلتا ہے وہ پہنچکر دیوتاؤں کا بھاگ مقرر کرتا ہے۔ چاند دیرگھ آیو کرتا ہے۔ پس چاند موسموں کو مقرر کرتا ہے۔ چاند تمام دیوتاؤں کے لئے یگ میں اہوتیوں کا بھاگ مقرر کرتا ہے۔ زمانہ سلف کے ہندو لوگوں کے خیال میں رتو اور یگ اس طرح باہم لازم ملزوم تھے کہ یگ کرانے والے کو عموماً رتوج (یعنی موسم میں یگ کرانے والا) پکارتے تھے۔ سوائے اُن پنچ مہایگوں کے جو آریوں کے روزانہ کرنے ضروری ہیں اور پراتہ کال و سائنگ کال کے اگنی ہوتر کے سوا ویدک زمانہ میں حسب ذیل ضروری یگ کئے جاتے تھے۔

(۱) درس پورن ماس (یعنی ہلال اور بدر کے دن یگ کرنا)

(۲) چکترماس (موسم کے یگ) ہر ایک موسم چار ماہ کی سمجھی جاتی تھی

اور ششناہی یگ۔ وہ دفعہ کئے جاتے تھے۔ اور بھی یگوں کا ذکر آتا ہے۔
موسم خزاں اور گرمی میں کرنے مناسب ہیں اور نیز موسم سرما اور بہار میں
جب کبھی چاول اور جو پکتے ہوں دو یشو دیو یگ۔ پھاگن کی پورنماشی کو
دُرن پیکھاساہ اساڑھ کی پورن ماشی کو۔ ساک میدہا کاتک کی پورن ماشی
کو کیا جاتا تھا) ۔ پس صاف طور پر ظاہر ہے کہ ۲۷ نکشتر چاند کے
راستہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ دنوں۔ مہینوں یا موسموں کے شمار کرنے کیلئے
یہ بڑا سہل طریقہ تھا کہ وہ ان تمام ۲۷ مقامات سے جو آسمان میں چاند کی
روزانہ رفتار سے معلوم کئے گئے تھے۔ اندازہ کر لیتے تھے۔ بہ نسبت اس
کے کہ آفتاب کا مقابلہ دن بدن یا ماہ بماہ اندازہ کر سکیں چاند کا راستہ
معلوم کرنا بہت سہل تھا کیونکہ ستارے سورج کے نکلتے اور غروب ہوتے
وقت مشکل سے دکھائی دیتے ہیں اس لئے سورج کے ملاپ کا خیال
ستاروں سے مشاہدہ کرنے والے کے لئے معلوم کرنا بہت مشکل تھا برخلاف
اس کے چاند ایک رات سے دوسری رات کو بڑھتا ہے اور آہستہ آہستہ
یا باری باری سے چند ستاروں کے قریب آجاتا ہے وہ گھڑی کی سوئی کا
کام دے سکتا ہے جو کہ ایک دائرہ میں حرکت کر رہی ہو جو آسمان کے تختہ
پر ایک شکل سے دوسری شکل کے ساتھ آکر ملتا ہے نہ ہی اس زمانہ کے
سادہ اور جلدی شمار کرنے والوں کے دلوں میں ایک نئے چاند سے
دوسرے نئے چاند تک ۲۷ ستاروں کی روشنی سے کچھ گھبراہٹ پیدا
ہوتی۔ پس اُن کا تعلق ۲۷ آسمانی منازل سے تھا جو کہ ایک دفعہ چاند
کے ذریعہ کھوج لگانے کے بعد انہوں نے پتھر کے میلوں کی طرح بنالی
تھیں تاکہ وہ تمام سیاروں کا راستہ و رفتار معلوم کر سکیں جو کہ دنوں سالوں
اور موسموں و دیگر علامات کے معلوم کرنے کے لئے بہت دلچسپ ہے اگر
ایک دائرہ کے ۲۷ حصے کئے جاویں۔ یا اگر ایک دائرہ میں ۲۷ ستون
مساوی فاصلے پر کھڑے کئے جاویں تو اس طرح زمانہ سلف کی ویدک رسدگاہ
بنجاوے گی۔ انہوں نے صرف یہ معلوم کرنا ہوتا تھا کہ کن دو ستونوں کے

درمیان چاند (یا بجائے ان سورج) نکلتے یا غروب ہوتے وقت واقعہ ہے مشاہدہ کرنے والا ہمیشہ ہر دن اسی مرکزی مقام پر قائم رہتا ہے۔ اگر ہم دنوں موسموں اور سالوں کے شمار کرنے میں سب سے ابتدائی حالات کو سمجھنا چاہیں تو ہمارے علم ہیئت کے خیالات بہت بھدے یا ناممکن نہیں ہیں جیسی قدر کہ آجکل ایک چرواہا سورج چاند ستاروں اور موسموں کا حال جانتا ہے ہم زمانہ سلف میں آریہ لوگوں سے اس سے زیادہ امید نہیں کر سکتے تھے نہ ہی آسمانی عجائبات کے مشاہدوں کی کوئی امید کر سکتے ہیں جب تک کہ ابتدائی لوگوں کی عملی ضروریات کے ساتھ ان کا تعلق ثابت نہ ہو۔ اگر ہم ہندوستان میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ آریوں نے آسمان کو ۲۷ حصص میں قدرتی طور پر تقسیم کر کے ہر ایک حصہ کو ستاروں سے نشان کیا ہے جو کہ اس نئے مطلب کے لئے مستقل ہونے سے پہلے مشاہدہ کئے گئے اور نامزد کئے گئے تھے برخلاف اس کے اگر ہم مانتے ہیں کہ ہندوستان کے یگوں اور سنسکاروں کی ترقی اور افزائش سوائے چاند کے پکشنوں اور موسموں کے نہیں ہو سکتی تو یقیناً یہ خیال کرنا ایک ایک بیہودہ قیاس ہے کہ ویدوں کے زمانہ کے پوجاری یا چرواہے اس علم کی تلاش میں بابل میں گئے جس کو کہ ہر ایک گڈریا دریائے سندھ کے کنارہ پر حاصل کر سکتا تھا اور کہ اس ملک سے واپس آ کر جہانکی زبان کوئی ہندو نہیں سمجھ سکتا ہے۔ انہوں نے وید منتر بنانے شروع کئے اور اپنے سیدھے سادے یگوں کا مرتب کرنا شروع کیا۔ یہ یاد رہے کہ جو کچھ ایک مقام پر قدرتی ہے دوسرے مقام پر بھی ویسا ہی ہے اور ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ کبھی اس بات کا ذرا بھی ثبوت نہیں ملتا کہ ہندوؤں نے ابتدائی علم ہیئت کے خیالات کو جو وید منتروں میں پائے جاتے ہیں۔ کسی غیر قوم سے حاصل کیا ہو۔

اہل عرب ۲۸ منازل قمری رکھتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ حضرت محمدؐ اور اس کے بدو لوگوں نے جنگل میں ویسا ہی مشاہدہ نہ کیا ہو جیسا

کہ ویدوں کے رشیوں نے ہندوستان میں ۔ چنانچہ مسٹر کالبرک نے اس بات کے ثبوت میں بہت معقول دلائل پیش کی ہیں کہ اہل عرب نے ہندوستان سے ہی قمری منزلوں کا علم حاصل کیا ہے۔ اسی طرح اہل چین بھی اپنے مشہور منزلیں رکھتے ہیں جن کو وہ اپنی زبان میں سیو کہتے ہیں، جو تعداد میں ۲۴ ہیں اور اس کے بعد ۲۸ بنگئی ہیں۔ لیکن بانٹ۔ لیسن اور دوسرے آدمیوں کے ساتھ اس بات کے تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہین کہ اہل ہند نے چینیوں سے جاکر قمری منازل کے خیال کو جاکر سیکھا۔ سب سے پہلے تو اہل چین نے ۲۴ منزلوں سے کام شروع کیا اور پھر رفتہ رفتہ ۲۸ تک انہیں پہنچایا ہندوؤں نے ۲۷ منازل سے شروع کرکے ۲۸ پر ختم کیا۔ دوسرا ان ۲۸ نکھشتروں میں سے صرف ۱۷ ہندو ستاروں کے مشابہ ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی علمی طریقہ کہیں سے لیا جاتا تو مکمل طور پر لیا جاتا لیکن ہمیں کوئی ممکن ذریعہ نہیں معلوم ہوتا جو ۱۰۰۰ برس قبل عیسوی ہندوؤں نے چینیوں سے جاکر یہ قمری طریقہ سیکھا ہو چین کے علم ادب میں مسیح سے دوسو برس پہلے سے بیشتر کہیں بھی ہندوؤں کا ذکر نہیں آتا۔ اگر سنسکرت کے مابعد کے علم ادب میں کیتا قوم سے مراد اہل چین تصور کئے جاوین جو کہ ابھی شکیہ امر ہے تو یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ویدک علم ادب مین یہ لفظ کہیں نہین آتا۔

تاہم جبکہ یہ اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ اس قدر قدیم زمانہ میں اہل چین اور ہندوستان کے درمیان باہمی آمدورفت کا سلسلہ نہیں تھا تو پھر ایک نیا مسئلہ گھڑا گیا یعنی کہ چینیوں کے علم ہیئت کا علم سیدھا چین سے ہند میں نہیں آیا بلکہ پہلے مغربی ایشیاء میں ۱۰۰۰ برس قبل مسیح کے بعد پہنچا اور تب مغرب کے لوگوں نے (خواہ سمٹک یا ایرانی تھے) اسے اختیار کرلیا۔ ان کے ہاتھوں میں کچھ نئی صورت اختیار کی اور وہ تبدیل شدہ صورت ہندوؤں تک پہنچی۔ پھر آگے بڑھتے بڑھتے اہل عرب تک یہ خیالات پھیل گئے۔ میری رائے میں یہ ایک نئی قسم کا خیال ہے جس کی تائید کسی شہادت

سے نہیں ہوتی اور جو کچھ واقعات بکھری حالت میں اب تک دستیاب ہوتے ہیں ان سے کالبرک صاحب کی تائید ہوتی ہے کہ اہل ہند نے زمانہ ابتدائی میں علم ہئیت میں کچھ ترقی کی تھی جو کہ انہوں نے وقت کی ٹھیک تقسیم کے لئے حاصل کی تھی۔ ان کا کلنڈر خواہ مذہبی اور خواہ دیگر دنیوی کاروبار کے لئے سورج اور چاند کی گردش پر منحصر تھا اور ان ستاروں کی حرکات و گردش کو وہ بڑے غور سے مشاہدہ کرتے تھے۔ انہوں نے اس بارہ میں یہاں تک کامیابی حاصل کی تھی کہ ان کی چاند کی گردش کا اندازہ اہل یونان سے زیادہ صحیح اور عمدہ ہے۔ انہوں نے چاند کو ۲۷ یا ۲۸ حصوں میں منقسم کر رکھا تھا اور چاند کے زمانہ کو دنوں میں تعبیر کرتا تھا جو یقیناً انہوں نے اہل عرب سے لیا تھا۔

صرف ایک اور دلیل ہے جو کہ اہل بابل یا سمٹک نسل کے اثر کے بارہ میں ہے۔ یہ طوفان کی کہانی ہے۔ یہ داستان کئی قوموں میں زبان زد خلائق داستانوں میں پائی جاتی ہے جو ممکن ہے کہ ایک دوسرے سے انہوں نے حاصل کی ہو۔ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ کسی مقامی طوفان کا ذکر بھی وید منتروں میں نہیں آتا حالانکہ بعد کی رزمیہ کتابوں میں اور پرانوں میں کئی جگہ طوفان کا ذکر آتا ہے اور ہندوؤں کی مذہبی داستانوں کا ایک خاص جزو بنتا ہے۔ وشنو کے تین اوتار۔ مچھ۔ کچھ۔ بارہ ہر ایک حالتیں بنی انسان کو پانی سے تباہی کی حالتیں بچاتا ہے کہیں مچھ کچھ یا باراہ کی صورت اختیار کرتا ہے

ایسے حالات میں یہ قدرتی نتیجہ نکلتا ہے کہ چونکہ ہندوستان کے نہایت ہی قدیمی علم ادب میں طوفان کا کہیں ذکر نہیں ہے یہ روایت ہندوستان میں بہت عرصہ بعد آکر داخل ہوئی تاہم جبکہ ویدک علم ادب عموماً زیادہ پھیل گیا تو طوفان کی کہانیاں منتر بھاگ میں تو داخل نہ ہو سکیں لیکن نثر میں برہمن گرنتھوں میں داخل ہو گئیں نہ صرف منو اور مچھلی کی کہانی بلکہ سنگ پشت اور سور کی کہانی بھی کم و بیش مکمل صورت میں ایسی پشکون

میں مشتمل ہوگئیں اس دریافت سے یہ خیال کہ باہر سے یہ داستانیں ویدک
ادب میں داخل ہوئیں جاتا رہا۔ میں آپ کے سامنے شت پتہ برہمن سے
طوفان کا قصہ پڑھتا ہوں آپ خود اندازہ کریں کہ پیدائش کی کتاب اور اس
بیان میں یہاں تک مشابہت ہے کہ ماننا پڑے گا کہ ہندوؤں نے اپنے قریبی
ہمسایہ بابلیوں سے طوفان کے قصہ کو نقل کیا چنانچہ ستھ پتہ برہمن
ادھیائے اول منتر ۱۰) صبح کے وقت منو جی کے پاس ہاتھ منہ دھونے
کے لئے پانی لائے۔ جبکہ وہ ہاتھ منہ دھو رہا تھا ایک مچھلی اس کے ہاتھ
میں آگئی۔ مچھلی نے اپنا منہ کھولا اور منو جی کو کہا۔ مجھے حفاظت سے رکھو
اور میں تمہیں بچاؤں گی۔ منو نے پوچھا تو مجھے کس سے بچا دے گی۔ اس
نے کہا کہ ایک طوفان آنے والا ہے جو تمام مخلوقات کو بہا لیجا دے گا اور
میں تم کو بچاؤں گی۔ منو نے پوچھا میں تجھے کس طرح رکھ سکتا ہوں اس نے
کہا کہ جب تک ہم چھوٹی شکل کی ہوتی ہیں ہمیں اپنی تباہی کا زیادہ خطرہ
ہوتا ہے کیونکہ ایک مچھلی دوسری مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ اس لئے پہلے
مجھے ایک برتن میں رکھو جب میں اس برتن سے بڑھ جاؤں ایک گڑھا
کھود کر مجھے اس میں رکھنا جب میں اس سے بھی بڑھ جاؤں تو مجھے سمندر
میں لیجاؤ اور تب ہی تباہی کی پہنچ سے آگے بڑھ جاؤں گی۔ تب وہ ایک
بڑی مچھلی ہو گئی کیونکہ اس قسم کی مچھلیاں جلدی بڑی ہو جاتی ہیں۔ مچھلی
نے کہا کہ فلاں سال طوفان آوے گا اس لئے جب تو جہاز تیار کرے
تو میرا دھیان کرنا جب طوفان بڑھیگا تو نے جہاز میں داخل ہو جانا اور میں
تجھے طوفان سے بچاؤں گی۔

اس طرح منو نے مچھلی کو حفاظت سے رکھا اور پھر اسے سمندر میں
لے گیا۔ تب اس سال جو مچھلی نے بتلایا تھا منو نے جہاز بنایا اور مچھلی
کو یاد کیا جبکہ طوفان بڑھنے لگا منو جہاز میں داخل ہو گیا تب مچھلی
اس کی طرف تیرتی ہوئی آئی اور منو نے جہاز کی رسی کو مچھلی کے سینگ
کے ساتھ باندھا اور اس طرح شمالی پہاڑوں کی طرف جہاز کو لے گیا۔

مچھلی نے کہا میں نے تجھے بچالیا ہے۔ جہاز کو درخت سے باندھو ایسا نہ ہو کہ پانی تجھے کاٹ ڈالے جبکہ تو پہاڑ پہ ہووے۔ جوں ہی پانی کم ہوتا جاوے تو نے آہستہ آہستہ پہاڑ سے اُتر آنا۔ جوں جوں پانی کم ہوتا گیا منو بھی آہستہ آہستہ پہاڑ سے اُترتا آیا اس لئے کوہستان شمالی میں اب تک منو کا ڈھلوان واقعہ ہے۔ طوفان نے تمام مخلوقات کو بہا دیا تھا اور منو وہاں بالکل تن تنہا رہ گیا۔ تب منو ادھر ادھر پرماتما کی استتی کے گن گاتا پھرتا تھا اور بڑا خواہشمند تھا کہ کوئی اولاد ہو تب اس نے وہاں یاگ یگ کیا۔ اس نے گھی۔ دہی۔ لسی۔ اور میٹھا وغیرہ پانی میں ملا کر اہوتیاں ڈالیں۔ ایک ہی سال میں وہاں سے ایک عورت نکلی وہ تر اتر معلوم ہوتی تھی اور گھی اس کے پاؤں پہ لگا ہوا تھا۔ مِتر اور ورن اس کے درشن کرنے کو آئے اور کہا مجھے جس نے پیدا کیا ہے میں اسی کی ہوں تب انہوں نے چاہا کہ وہ ان کی بہن بنجاوے اس نے نیم رضامندی ظاہر کی لیکن وہاں سے چلی گئی اور منو کے پاس آئی منو نے اس سے پوچھا تو کون ہے اس نے جواب دیا منو کی لڑکی پر انہوں نے کہا تو کہہ کہ میں تمہاری ہوں اس نے انکار کیا اور کہا مجھے جس نے پیدا کیا ہے میں اسی کی ہوں تب انہوں نے چاہا کہ وہ ان کی بہن بنجاوے۔ اس نے نیم رضامندی ظاہر کی لیکن وہاں سے چلی گئی اور منو کے پاس آئی منو نے اس سے پوچھا تو کون ہے اس نے کہا کہ میں تیری لڑکی ہوں اُس نے پوچھا تو کس طرح میری لڑکی ہے اس نے کہا جو اہوتیاں تو نے پانی میں ڈالی تھیں جنہیں گھی۔ دودھ۔ اور چھاچھ کی سامگری میں اس سامگری سے تو نے مجھے پیدا کیا ہے میں الیشو کی طرف سے تجھے عطیہ کے طور پہ ملی ہوں تو میرے ساتھ یگ کر لینا کرنے سے تو اولاد اور سال مویشی سے مالامال ہو جاوے گا اور جو دعا تو مجھ سے مانگے گا پائیگا تب اس نے اس لڑکی کے ساتھ ہوں کنڈ کے عین وسط میں یگ کیا۔ تب اس کو اپنے ساتھ لے کر ادھر ادھر پھرا گیا تھا پھرا تھا اور تپشت کرتا تھا اولاد کا خواہشمند

تھا چنانچہ اس کے ساتھ اس نے وہ اولاد بھی حاصل کی جو منوجی کی اولاد کہلاتی ہے - اور جو ور وہ مانگتا ہے وہ فوراً اس کو ملجاتا تھا - بلاشک وہ ایدا ہے اور جو کوئی یہ جانتے ہوئے ایدا کے ساتھ یگ کرتا ہے وہ منو کی طرح حسب دلخواہ اولاد حاصل کرتا ہے اور جو ور مانگتا ہے اسے پراپت ہوتا ہے - یہ طوفان کا مختصر سا قصہ ہے - بعض حالات میں منو نے طوفان میں وہی کام سرانجام کیا ہے جو پرانے عہدنامہ میں حضرت نوح نے کیا تھا - لیکن اگر چند امور میں مشابہت ہے تو اختلافات کا بھی خیال کریں اور کہ کس طرح ان کا جواب دے سکتے ہیں - یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ کہانی سمٹک ذریعہ سے اخذ کی گئی ہے تو پرانے عہدنامہ سے نہیں لی گئی کیونکہ ایسے حالات میں دو کہانیوں کے درمیان امتیاز کا بیان کرنا ناممکن ہو جاتا لیکن اس بات کے رد کرنے کے لئے بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ کہانی سمٹک ذرائع سے حاصل نہیں کی گئی - بہرحال اگر یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ یہ قصہ سمٹک لوگوں سے لیا گیا ہے تو میں زور سے کہوں گا کہ سنسکرت علم ادب میں صرف یہی ایک قصہ ہے جو باہر سے لیا گیا ہے اور یہاں بھی ہم کو ٹھہرنا پڑتا ہے -

سنگ پشت اور وراہ (سور) کی کہانی کا پتہ بھی ویدک علم ادب میں پایا جاتا ہے کیونکہ تیتری سنہتا میں لکھا ہے -

"ابتدا میں پانی ہی پانی تھا - پرجاپتی نے ہوا کا روپ دھارن کرکے اس پر حرکت کرنا شروع کیا - اس نے اس زمین کو دیکھا اور سور کی شکل دھار کر اس کو اٹھا لیا پھر وشوکرمن بنکر اس کو صاف کیا یہ پھیل گئی اور بہت پھیل گئی اس لئے زمین کو پرتھوی (پھیلی ہوئی) کہتے ہیں - چنانچہ شت پتھ برہمن میں بھی سنگ پشت کی داستان کا تھوڑا سا اشارہ ذکر آیا ہے پرجاپتی نے کورم (سنگ پشت) کا روپ دھارن کیا اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور چونکہ اس نے ان کو پیدا کیا اس لئے اسے کورم (پیدا کرنے والا) کہتے ہیں [illegible] کشیپ بھی کہتے ہیں - اس لئے تمام خلقت کو

کشیپ (یعنی کچھوے کی مانند) کہتے ہیں۔ جو یہ کورم بناوہ درحقیقت آدتیہ (سورج) تھا۔ طوفان کے متعلق ایک اور اشارہ بھی اسمین آتا ہے جو منو کے نام کے باعث زیادہ ضروری ہے جو کاٹھک [illegible] میں اس طرح یہ آتا ہے۔ پانیوں نے تمام مخلوقات کو صفا کر دیا اور منو اکیلا رہ گیا مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ طوفان کے متعلق خیالات زمین کا پانی کے نیچے ڈوبنا اور ایشوری امداد سے پھر اسکو پانا ہندوستان کی ابتدائی داستانوں میں بالکل معدوم نہ تھے بعد میں وشنو کے کئی اوتاروں میں یہ تذکرات شامل کئے گئے تھے جب ہم دنیا کے ہر ایک حصہ میں مختلف قوموں میں طوفان کے مختلف بیانات کی پڑتال کرتے ہیں ہمیں آسانی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی تاریخی واقعہ کی طرف منسوب نہیں ہیں بلکہ ایک قدرتی نظارے کا ذکر کرتے ہیں جو ہر سال مشاہدہ میں آتا ہے یعنی برساتی موسم میں طوفان کا آنا۔ بابل سے زیادہ صاف طور پہ اور کہیں یہ قصہ نہیں ملتا سب سے پہلے سینجری والسمش نے معلوم کیا کہ ادوبار یا نمرود کی نظم کے بارہ باب سال کے بارہ مہینوں کی طرف منسوب ہیں اور بارہ آسمانی برجوں کی طرف اُن کا اشارہ ہے اس کے بعد ڈاکٹر ہاپٹ نے دکھلایا کہ ایبانی جو دوسرے باب میں دانا ظاہر کیا گیا ہے وہ دوسرے مہینے ایار سے مشابہ ہے جو برج میں بیل (ثور) سے مشابہ کیا گیا ہے۔ ایبانی اور نمرود کے درمیان ملاپ جو تیسرے باب میں ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ تیسرے مہینے سیوان سے مشابہ ہے جسمیں آسمانی برج میں جوڑا سے منسوب کیا گیا۔ و نیز وغیرہ ۔۔۔۔۔۔

اگر یہ درست ہے تو ہمارا حق ہے کہ ہندوستان میں طوفان کے قصہ کی اصلیت یا آغاز کا ایسا ہی دعوے کریں جس طرح ہم دوسرے ملکوں میں مانتے ہیں۔ نیز اگر یہ بھی ثابت ہو جاوے کہ جس شکل میں ہمیں یہ داستانیں ہندوستان میں پہنچی ہیں وہ خارجی آثار کے نشانات کو ظاہر

کرتی ہیں - یہ واقعہ پھر بھی قائم رہتا ہے کہ ایسے اثرات مطلقاً گتھے
ژند کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں - گو یہ کہ قدیمی مشرقی میں ہرگز انکا
نشان نہیں ملتا - ایسا ہی اس امر کے ثابت کرنے کیلئے کہ ہندوستان کے قدیم
رشیوں نے اہل بابل سے کچھ اثر حاصل کیا کئی قیاس دوڑائے جاتے ہیں اور
کئی دلائل بھی پیش کیجاتی ہیں - ایران پارتھیا اور مکیر یا کیطرف توجہ دلائی
جاتی ہے جو اس ابتدائی زمانہ میں جس کا ہم ذکر کرتے ہیں ہندوستان
کی پہنچ سے بہت دور تھے - مجھے سخت تعجب آتا ہے کہ یہودیوں کی وہ
قومیں گم ہو گئی تھیں ان کا ذکر بھی کہیں ویدوں میں نہیں آتا جبکہ ہم یہ دیکھتے
ہیں کہ افغانستان کئی مقام پر ان کا ہر دلعزیز مسکن اور قیام گاہ پایا جاتا ہے
پس ان تمام خیالی اور مفروضہ خارجی اثرات کے نشانات پر نہایت
ہی احتیاط سے بحث کرنے کے بعد میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ
ہندوستان کے قدیمی علم ادب کی زبان - مذہب اور رسومات میں
کوئی ایسا نشان نہیں پایا جاتا جس سے معلوم ہو سکے کہ ان لوگوں نے
کسی غیر ملک کے خیالات یا اثرات کو وہاں جگہ دی ہو جسطرح
کہ اسوقت ہمارے سامنے وہ علم اور ادب موجود ہے -
اسی طرح اس نے نشوونما پائی ہے - شمال میں پہاڑ کی فصیل نے
اسکی حفاظت کی ہے مغرب میں لق و دق جنگلوں نے دریائے سندھ
نے جنوب کی طرف سے اور گنگا نے مشرق سے اسے محفوظ رکھا ہے
ہمیں ہندوستان سے اپنے سابقہ وطن مالوفہ کے خیالات کی نظم ملتی ہے
اور ایسا ہی اپنا قدیمی مذہب ملتا ہے اور تاریخ ہمیں اسبات کی سکھشا دینے
کیلئے یادگار ہے کہ اگر انسانی دماغ کو اسکی مرضی پر چھوڑا جاوے تو وہ کیا
کچھ حاصل کر سکتا ہے - اس کے گرد و گرد قدرتی نظارے ہوں اور
زندگی کے حالات ایسے ہوں جو منش کی زندگی کو رد سے زمین پر
خطۂ بہشت بنادیں - بشرطیکہ منش اپنے اعمال سے بہشت کو نرک
نہ بنادے +

ویدوں سے ہمیں کیا سکھشا ملسکتی ہے

اگرچہ علم کا کوئی صیغہ یا شاخ ایسی نہیں ہے جسے ہندوستان کی قدیمی علم
ادب سے نئی روشنی اور نئی زندگی نہ ملی ہو تاہم جس قدر روشنی اور مدد
کہ مذہب اور علم داستان کے مطالعہ کے لئے ازبس ضروری دلچسپ
اور عجیب آریہ ورت سے ملتی ہے وہ کسی اور ملک سے نہیں مل سکتی۔
مجھے اس لئے اس مضمون پر ایک فصل علٰحدہ درج کرنے کی ضرورت
پڑی ہے کہ مجھے ویدوں کے قدیمی علم ادب کو پڑھکر بہت خوشی اور
تسلی ہوتی ہے جسمیں آریہ مذہب کے اصول مطالعہ کرنے کے لئے
پائے جاتے ہیں اس لئے کہ گذشتہ زمانہ کے پنڈتوں کے تعصبات یا
اعتقادوں کے [illegible] ویدوں کے مطالعہ کے برابر کوئی چیز مفید
اور ضروری نہیں ہے۔ اگر ہمارا یہ خیال ہو کہ تین ہزار سال میں آریہ ورت
میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا تو موجودہ برہمنی مذہب ویدوں کے قدیم
علم ادب کے بارہ میں بہت کچھ غلط رائے کا اظہار کرتا ہے ایسی
غلطی سے انکار کرنا ویسا ہی فضول ہے جیسے کوئی کہے کہ ویدک سنسکرت
اور بنگالی زبان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن جو شخص کہ سنسکرت کے
دیاکرن سے نا آشنا ہے بنگالی زبان سے عالمانہ واقفیت حاصل
نہیں کر سکتا نہ [illegible] اس کے معنوں کی تہ کو پہنچ سکتا ہے۔ کوئی فرد بشر آریہ
ہندوؤں کے [illegible] مذہبی۔ فلسفانہ۔ قانونی اور تخیلی خیالات کو نہیں

سمجھ سکتا۔ جب تک کہ انہیں ویدوں کے پیچھے کی نیت تک کھوج لگا کر پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ چند سال ہوئے کہ بعض علماء کا خیال تھا کہ ویدوں کا پڑھنا بالکل عبث ہے ہندوستان میں کوئی عالم آدمی بھی انہیں نہیں پڑھ سکتا۔ جو شخص کہ ہندؤں کے دل و دماغ کا مطالعہ کرنا چاہے یا اس پر اپنا اثر ڈالنا چاہے خواہ وہ پادری ہو یا شائق علم اس کے لئے وید پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ زمانہ مابعد کی سنسکرت۔ قوانین۔ منو۔ رزمیہ کتابوں اور پرانوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

ممکن ہے کہ ویدوں کا مطالعہ اہل جرمن کے لئے مفید ثابت ہو مگر انگریزوں کے لئے اس کا مطالعہ کچھ مفید نہیں ہے۔ آج سے تیس برس پہلے ایسے جاہلانہ خیالات کیلئے کوئی کافی وجہ نہیں تھی کیونکہ مندرجہ بالا کتابوں میں ہی تمام مذہبی معاملات میں ویدوں کو پرمان مانا گیا ہے۔ چنانچہ منوجی بھگوان فرماتے ہیں کہ وہ برہمن جس نے ویدوں کو نہیں پڑھا وہ لمحہ بھر میں ایسا ناش ہو جاتا ہے جیسے اگنی پر خشک گھاس۔ جو دوج کہ ویدوں کا مطالعہ نہیں کرتا وہ اسی جنم میں شودر ہو جاتا ہے۔ × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × اور اس کے بعد اس کی اولاد بھی شودر اوستھا کو پراپت ہوتی ہے اس لئے اس خیال کی تردید وہی لوگ اپنی قلم سے کرتے ہیں جو اہل ہند کے خیالات کے تاریخی مطالعہ کرنے کے۔ ویدوں کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے جبکہ وہ خود ہی جرأت کے ساتھ ان ریاکار برہمنوں کو متہم کرتے ہیں کہ انہوں نے سوائے اپنی قوم کے باقی تمام جاتیوں کے لئے وید پڑھنا حکماً بند کر دیا۔

یہ اتہام صریحاً غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ برہمن سوائے شودروں کے باقی تمام جاتیوں پر لازمی قرار دیتے آئے ہیں کہ وہ ویدوں کو پڑھیں اور منوجی

ہیوان سے شلوک سے صاف ظاہر ہے کہ اگر شستری اور ویش کی سنتان دہرم پستکوں (مراد وید شاستر ہے) کو پڑھیں تو انہیں سخت ڈنڈ دیا جاوے۔ آپ کئی برہمنوں نے قدیم ناتی بھی خیال ظاہر کیا ہے اور رگوید کی میری تصنیف کا جس مد انہوں نے خیر مقدم کیا ہے اور جس سرگرمی سے انہوں نے ویدوں کے مطالعہ کا خیال ظاہر کیا ہے اور جس شوق سے وہ اب زمانہ سلف کی پستکوں کے ٹھیک استعمال (مطالعہ) کرنے پر بحث و وچار کر رہے ہیں اس سے پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی سنسکرت کا ودوان ویدوں سے ناآشنا ہے یا ویدوں کا مطالعہ کرتا نظر انداز کرتا ہے تو اس کی وہی حالت ہوگی جو ایک عبرانی زبان کے عالم آدمی کی بغیر عہد نامہ عتیق پڑھنے کے۔ میں آپ کے روبرو رگوید کی نظم اور دہرم کے چند مخصوص نمونے پیش کرتا ہوں وہ بہت تھوڑے ہیں اور اگرچہ ۱۰۱۷ منتروں کے مجموعہ میں سلسلہ وار مضمون کی ترتیب نہیں ہے جسے ہم رگوید سنگھتا کے نام سے پکارتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس نمونے سے اس روحانی دنیا کی مدور اور مکمل تصویر آپ کے سامنے پیش ہوگی۔ جس میں کہ ہمارے باپ دادے روئے زمین پر اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ اگر آپ مجھ سے دریافت کریں کہ آیا ویدوں کا دہرم توحید پرستی ہے یا بہت دیوتاؤں کی پرستش۔ تو میرے لئے اس سوال کا جواب دینا مشکل امر ہے۔ اگرچہ کئی ایسے منتر ویدوں میں پائے جاتے ہیں جنمیں ایشور کی وحدانیت صاف طور پر پائی جاتی ہے جیسے انجیل یا قرآن کی کئی آیات ہیں لیکن تاہم ویدوں میں مکمل اور قطعی طور پر وحدانیت پرستی نہیں ہے چنانچہ رگوید میں آیا ہے۔ وہ پرماتما ایک ہے۔ اسکو رشی لوگ

لہ جو لوگ کہتے ہیں کہ رگوید کا بھاشا انگریزی میں شائع کرنے سے ہندوستان کی دہارمک دنیا میں کوئی خاص تبدیلی پڑی ہے میں ان چند صفحات میں سے جو مجھے ہندوستان سے ملی ہیں صرف ایک آدھ نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ آدی برہم سماج (جسکا بانی مبانی راجہ رام موہن رائے گذرا ہے) کی کمیٹی حسب ذیل تحریر مجھے ارسال کی ہے۔ "آدی برہم سماج کی کمیٹی آپکا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے کہ آپنے ایک نہایت ہی عظیم الشان مبارک کام کو جسے کہ آپکو لگاتار ۲۵ سال محنت کرنی پڑی ختم کر لیا ہے۔ ایسے زمانہ میں جبکہ ویدوں کا مطالعہ کرنا اس ملک میں قریباً معدوم ہو رہا ہے جہاں انکی پیدائش ہوئی تھی رگوید کے شائع کرنے سے اپنے ہندوں پر وہ بڑا بھاری احسان کیا ہے کہ جس کیلئے ہم لوگ عمر بھر آپ کے مشکور رہینگے"

مختلف ناموں سے پکارتے ہیں وہ اسے اگنی - یم - ماتر شوا وغیرہ ناموں سے سمرن کرتے ہیں'' دوسری جگہ پر آیا ہے کہ یہ ہیان رشی لوگ اسے اپنے اپنے ناموں سے تعبیر کرتے ہیں وہ پرتما اگنی سندر بھیجا نہیں رکھتا ہے - ایک اور جگہ پر اسے ہرنیہ گربھ پکارا گیا ہے - چنانچہ وید کہتا ہے ''ابتدا میں ہرنیہ گربھ (سونے کا انڈا) اپتن ہوا - سب سے پہلے وہ سب کا پہلے وہ سب کا سوامی اپتن ہوا - اس نے زمین اور آسمان کو بنایا وہ کون دیو ہے جسکی ہم پوجا کریں یا جس کے نام پر ہم اہوتیاں ڈالیں - وہ ہرنیہ گربھ تمام دیوتاؤں کا دیو ایک ہی ہے -

یہ ایشور کی وحدانیت کا ایسا اعلیٰ ثبوت ہے کہ پرانا عہد نامہ میں اس کے متوازی کوئی آئت نہیں ملسکتی - لیکن ایسے منتروں کے ساتھ ساتھ جو تعداد میں بہت تھوڑے ہیں ہزاروں ایسے منتر ہیں جنمیں بہت دیوتاؤں کی استتی اور پرارتھنا کی گئی ہے - بعض دفعہ ان کی سنکھیا (تعداد) ۳۳ بتلائی جاتی ہے - ایک رشی گیارہ دیوتے اکاش - ۱۱ پرتھوی اور ۱۱ پانیوں کے بیان کرتا ہے - یہ ۳۳ دیوتے اپنی اپنی استریاں بھی رکھتے ہیں - اگرچہ بہت تھوڑے دیوتاؤں کی پتنیوں[۲] کے نام دئیے ہیں

ان ۳۳ دیوتاؤں میں تمام ویدک دیوتا شامل نہیں ہیں کیونکہ چند ضروری دیوتا مثلاً اگنی - سوم - بارش - ہوا - اشون - صبح - شام - عشا - جل اور سوریہ ان کا الگ الگ مقامات پر ذکر آتا ہے - ایسے بھی

---

[۲] - وتین سوتر میں حسب ذیل دیوتاؤں کی استریوں کے نام درج ہیں - اگنی کی استری پرتھوی - واٹ کی استری واک اندر کی سینا - برہسپتی کی دھینا - پوشن کی پتھیا - وسو کی گائتری - ردر کی ترشتبھ - ادیتہ کی جگتی - منتر کی انوشتبھ - ان مِلی ورائے - وشنو کی پنگتی - سوم کی دکشنا -

منتر موجود ہیں - جنہیں رشی لوگ بلا مبالغہ دیوتاؤں کی تعداد ۳۳ ۹۹
تک پہنچاتے ہیں اس لئے رگ وید کے دہرم کا مناسب نام
دیوتا پرستی کا دہرم نہیں ہوسکتا ہے ۔

دیوتاؤں کی پرستش کی خیالات ہم نے یونان اور روما سے
حاصل کئے ہیں ہمارا خیال ہے کہ دیوتا لوگ بھی اپنا کم دبیش باقاعدہ
انتظام اور ضبط رکھتے ہیں جو کہ طاقت اور درجہ کے لحاظ
سے الگ ہیں - لیکن سب کے سب ایک مہان شکتی
پربھو کے آدھین کام کر رہے ہیں جس کو جو پیٹر بھی کہتے ہیں لیکن
ویدوں کی دیوتا پرستی یونان - روما - یورال - اٹلانٹک - پاین
ایشیا - امریکہ اور افریقہ کی دیوتا پرستی سے ایسی ہی مختلف ہے
جیسے دیہاتی پنچائت ایک سلطنت سے مختلف ہوا کرتی ہے -

چنانچہ بعد کے زمانہ کی جمہوری سلطنت اور مطلق العنان
حکومت میں ابتدائی پنچائتی زندگی کے نقشانات پائے جاتے ہیں
اسی طرح یونان کے بارہ میں بھی صاف ظاہر ہے کہ زیس
کی حکومت یونان کے سات دیوتاؤں کی حکومت (پوجا) سے
بہت پہلے رائج تھی یہی حالت سٹیوٹن نسل کی داستانوں
کی ہے تاہم ویدوں میں جن دیوتاؤں کو اعلیٰ کرکے مانا جاتا
ہے وہ سیت رشی پہلو بہ پہلو کھڑے ہیں کبھی کوئی دیوتا
پہلے آجاتا ہے اور کبھی وہ سب سے پیچھے مقرر ہوتا ہے
بلکہ بسا اوقات چھوٹے درجہ کے دیوتا اور محدود صفات والے
بھی تمام دوسرے دیوتاؤں سے اعلےٰ بتائے جاتے ہیں -
اس لئے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ضروری تھا کہ ویدوں
میں دیوتاؤں کی پرستش کو دیوتا پرستی کے نام سے منسوب
نہ کیا جاوے اس لئے میں نے اس کا نام کے بعد دیگرے
دیوتاؤں کی پرستش یا ایک قسم کے دیوتاؤں کی پرستش تجویز

کیا تھا تاہم اس قسم کی تحقیقات کرنے میں ہم اصطلاحی الفاظ سے
محتاط نہیں رہ سکتے ۔ وہ اکثر ہمیں مغالطہ کی طرف لیجاتے ہیں
مگر ہم انہیں ترک بھی نہیں کر سکتے مثلاً ایک بھجن دریائے
سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کی طرف مخاطب کر کے کہا
گیا ہے جس سے اس زمانہ کے رشیوں کے جغرافیہ کا پتہ الگ
جاوے گا۔ ہندوستان کے عالم لوگ ان دریاؤں کو دیوتا کے
نام سے پکارتے ہیں اور یورپین ترجمہ کرنے والے بھی انہیں
دیوتا یا دیویاں کے الفاظ سے ترجمہ کرتے ہیں لیکن رشی نے جن
لفظوں میں کہ سندھ اور اس کے معاونوں کا ذکر کیا ہے اس سے
ہرگز یہ نہیں پایا جاتا کہ وہ دریائے سندھ کو اسی حیثیت میں دیوتا
سمجھتا تھا جس طرح کہ اہل یونان دریا کا دیوتا اور دریا کی دیویاں
وغیرہ کہا کرتے تھے ۔ اہل ہند جس طرح دریاؤں کی قدر یا پوجا
کرتے تھے ویسے ہی وہ دیگر اشیاء کی پرستش کرتے تھے یا دیگر
اشیا کی نسبت ویسا ہی خیال ظاہر کرتے تھے ان میں سے بعض
تو اندریوں سے محسوس ہوتے ہیں بعض چنتن کرنے سے ۔ بعض
مدھی سے ۔ ان میں سے بعض تو جڑھ پدار تھیں ۔ بعض مثل
انسان کے جاندار بعض کارن کے طور پر ظاہر کئے گئے ہیں زمانہ
سلف کا ایک دہارمک آدمی کہتا ہے کہ دیوتا سے مراد ویدمیں
اس چیز سے ہے جس کا ذکر اس منتر میں آتا ہے اور رشی سے
مراد اس منتر کے مضمون یا درشٹا سے ہے ۔ پس ان دیوتاؤں
کو جن کا ذکر ویدوں میں آتا ہے کسی باقاعدہ طریقہ پر بیان کرنا بڑا
مشکل ہے ۔ کیونکہ ان دیوتاؤں کے گن اور جو منتر اُن کی طرف
مخاطب کر کے کہے گئے ہیں وہ خود بخود کسی پہلی سوچی ہوئی تجویز
کے بغیر پیدا ہو گئے ۔ اس لئے ہم زمانہ سلف کے ایک برہمنی
مذہب کے مورخ کے ساتھ متفق الرائے ہیں جو ۰۰ہم برس قبل

سچ گزرا ہے وہ کہتا ہے کہ ویدوں کے پڑھنے والے صرف تین دیوتاؤں کو مانتے تھے۔

اگنی - (پرتھوی پر) - وایو (آندھی اور بجلی کا دیوتا جس کی جگہ ہوا میں ہے) - سوریہ جس کی جگہ آسمان میں ہے یہ دیوتا اپنی مہاتما اور اپنے کرتویہ کے کارن کئی ناموں سے پرسدھ ہیں۔ جس طرح کہ ایک یگ کرانے والا برہمن مختلف یگوں میں مختلف فرائض سرانجام دینے کے باعث مختلف پدویوں اور اپادھیوں سے پکارا جاتا ہے۔ یہ تو ویدوں کے دیوتاؤں کی نسبت ایک رائے ہے جو کسی حد تک درست معلوم ہوتی ہے۔ یاسک منی نے ویدوں کے دیوتاؤں کی تقسیم اور طرح پر کی ہے یعنی خاکی۔ ہوائی اور آسمانی۔ جس سے اس کا یہ مطلب تھا کہ پرماتما کی قدرت کا جلال تین الگ الگ شکتیوں میں تین مختلف مقامات پر نمودار ہوتا ہے اس سے ان کی اعلیٰ درجہ کی ذہانت کا ثبوت ملتا ہے لیکن اس نے خود ہی محسوس کر لیا کہ یہ تقسیم تمام دیوتاؤں پر عائد نہیں ہو سکتی اس لئے وہ آگے چلکر کہتا ہے۔ "یہ تمام دیوتے الگ الگ وجود ہیں کیونکہ جو دعائیں ان کے حق میں کہی جاتی ہیں وہ بھی مختلف ہیں اور اُن کے خطابات بھی جُدا جُدا ہیں"۔ یہ بالکل درست ہے۔ ان میں سے اکثر ایشور کے ناموں کا مدعا یہی ہے کہ قدرت کی طاقتوں کے اظہار کے لئے ہر ایک نام کو الگ الگ خصوصیت اور شخصیت دیجادے اور اگرچہ فلاسفر یا رشی کا یہ خیال ہو کہ یہ بیشمار تمام محض فرضی نام ہی ہیں در اصل وہ ایک ہی پرماتما ہے جس کے یہ مختلف نام ہیں مگر یہ خیال بہت سے رشیوں کا نہیں تھا بالخصوص ان لوگوں کا خیال اُن سے بھی کم تھا جو میلوں اور جلسوں میں ان کے گیت سنا کرتے تھے۔ مذہبی خیالات کے اس رخ کی یہ عجب صفت ہے جو ہم ویدوں میں

پاتے ہیں کہ اس میں پرماتما کو بہو روپ میں ظاہر کیا گیا ہے اور کئی فرائض کے سرانجام دینے میں اس کے ساتھ دیوتوں کو شریک کیا گیا ہے ابھی تک تمام دیوتاؤں کو ایک باضابطہ ترتیب میں رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی جس کے ذریعہ سے وہ جلدی ایک دوسرے سے الگ کئے جاسکیں اور ان میں سے چند یا ایک اعلیٰ دیوتا کے آدہین سمجھے جاویں ۔

اب ہم مندرجہ بالا تقسیم کو مانتے ہوئے زمین کے دیوتاؤں سے شروع کرتے ہیں ۔ لیکن ان کی پڑتال کرنے سے پہلے ہمیں پوجا کا اصلی مدعا بھی دیکھنا چاہئے ۔ یعنی آسمان اور زمین یا زمین اور آسمان جو کہ ایزدی جوڑا خیال کیا جاتا ہے ۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دیگر وحشی یا نیم وحشی یا مہذب قوموں میں زمین اور آسمان کی تعریف شاعر لوگ کرتے چلے آئے ہیں اور ان کو جاندار کے طور پر تصور کرتے آئے ہیں ۔ تعجب ہے کہ کس طرح ایسا خیال پیدا ہوا کیونکہ زمین اور آسمان کو جدا جدا وجود اور پھر اکٹھا ایزدی جوڑا سمجھنے کا خیال جو تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے ۔ آگ ۔ بارش ۔ بجلی یا سورج کے خیال سمجھنے سے زیادہ دقیق یا مشکل ہے ۔

زمانہ سلف کی داستانوں میں یہ ایک خصوصیت ہے کہ ان میں اُن واقعات کا ذکر ہے جو روزانہ اور سالانہ واقع ہوتے ہیں اور اسطرح پر درج ہیں گویا ایک دفعہ وہ واقعہ ہو چکے ہیں ۔ مثلاً دن اور رات کے روزانہ جنگ ۔ سردی اور بہار کے درمیان سالانہ جنگ ۔ تاریخی واقعات کی طرح بیان کئے گئے ہیں ۔ چنانچہ بعض حوادث جو قدرت کے اس لگاتار جنگوں کے متعلق ہیں وہ اُن لڑائیوں کے ساتھ خلط ملط ہو گئے ہیں جو کہ درحقیقت کسی خاص موقعہ پر واقعہ ہوئی ہیں (مثلاً ٹرائے کی لڑائی) جب

اصلی تواریخی واقعات بھول گئے اور یادداشتیں کمزور ہوگئیں تو پھر داستانی اور خیالی واقعات دن و رات سردی اور بہار کے کے باہمی جنگ کے عام لوگوں میں پھیل گئے۔ جس طرح کہ ہم بچپن میں کسی بہادر کے کارنامے اور قصے سن کر خوش ہوا کرتے تھے ویسے ہی زمانہ سلف میں کوئی بہادری یا نقصان کا فعل جو سورج سے منسوب کیا جاتا تھا وہ کسی بہادر کے نام سے منتقل کیا گیا تھا کہ وہ جو پیٹر یا ہرکیولیس ثانی معلوم ہو۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ جس طرح طوفان کا قصہ ہر ایک ملک اور قوم میں پایا جاتا ہے در اصل سالانہ بارشوں اور سیلاب کے نظارے ہیں جو قدیمی دیہاتی بھاٹوں نے اپنے گیتوں میں ظاہر کئے ہیں ایسا ہی آسمان اور زمین کا باہمی جدا ہونا بھی روزانہ صبح کے وقت رات کے ختم ہونے اور دن نکلنے کے نظارہ کا بیان ہی ہے۔ اندھیری رات میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان نے زمین کو ڈھانپ لیا ہے۔ اس لئے دونوں مل کر ایک بن جاتے ہیں تب نور کا تڑکا نمودار ہوتا ہے جو اپنی چمکیلی کرنوں سے سیاہ رات کے پردے کو ہٹا دیتا ہے۔ آخرکار "سوی" چھوٹا سا بچہ پست قامت (مراد سورج ہے) یک لخت نکل آتا ہے اور افق کے نیچے سے آسمان کی طرف کرنوں کے بان چلاکر رات کے آسمان کو پرے ہٹاتا ہے اور پرندے کی طرح زمین پر آتا ہے اور صبح کے آسمان پر پست ناک شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اب نور کا تڑکا بھی بھاگ جاتا ہے آسمان زمین کے اوپر بہت بلند اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور سورج موجودہ اونچائی تک آسمان کو پہنچاکر خوشی خوشی خراماں سفر کرتا ہے۔

رگوید میں آسمان اور زمین کا جدا ہونا اور الگ رہنا کئی جگہ پر درج ہے اور یہ سب بہادر دیوتاؤں کی کارستانی ظاہر

کی گئی ہے چنانچہ رگوید منڈل اول کے منتر ۳۰ میں اگنی دیوتا زمین
کو پکڑے ہوئے اور آسمان کو سہارا دیتا ہے۔ منڈل ۱۰ منتر ۸۹ میں
اندر ہی ان کو الگ الگ رکھتا ہے" منڈل ۹ منتر ۱۰۱ میں سوم دیوتا
یہی فرض ادا کر رہا ہے اور منڈل ۳ منتر ۱۲ میں اور دیوتے یہی
کام سرانجام دے رہے ہیں۔ ایتری برہمن میں آیا ہے کہ کسی
زمانہ میں زمین اور آسمان اکٹھے ملے ہوئے تھے وہ الگ الگ چل
پڑے تب نہ تو بارش ہوئی نہ ہی آفتاب نے اپنا جلوہ دکھایا اور
پانچ فرقوں کا باہمی اتفاق نہ رہا تب دیوتاؤں نے زمین اور آسمان
کو باہم ملا دیا۔ جب وہ دونوں اکٹھے ہوگئے تو انہوں نے دیوتاؤں
کا بیاہ رچا۔ یہاں بھی مختصر طور پر وہی خیال کام کر رہا ہے۔ اول
یہ کہ پہلے زمین اور آسمان اکٹھے تھے اور بعدہ وہ الگ الگ ہوگئے
جب وہ جدا ہوئے قدرت میں جنگ شروع ہوا نہ ہی بارش
ہوئی نہ ہی سورج نمودار ہوا آخرکار آسمان اور زمین ملائے گئے
اور تب بڑا بھاری جلسہ رچا گیا۔ جن اصحاب نے یونانی اور
اٹلی کے علم ادب کو پڑھا ہے۔ انہیں معلوم ہوگا کہ کس طرح یہ
خیال زمین اور آسمان کی شادی کا اٹلی اور یونان کے خیال کیساتھ
مطابقت کھاتا ہے۔ ہومر کی نظم میں زمین دیوتاؤں کی ماں اور
ستارے دار آسمان کی استری سمجھی گئی ہے آسمان کو باپ کہکر
پکارا گیا ہے۔ یوری پی ڈیز نے ان کی شادی کا بھی ذکر کیا ہے
عجیب بات یہ ہے کہ اس نے یہ مسئلہ اپنے استاد حکیم انکسا
گورس سے حاصل کیا ہے۔

رشیوں کا خیال تھا کہ جو کچھ زمین اور آسمان کے درمیان ہے
وہ ان دونوں کی ملکیت ہے اور یہ سب کچھ انہوں نے ہی
پیدا کیا ہے اس لئے دیوتے۔ سورج۔ نور کا تڑکا۔ آگ۔
ہوا اور بارش سب انہی کی اولاد سمجھے جاتے تھے پس اسطرح

سے زمین اور آسمان تمام دنیا کے ماں باپ سمجھے جاتے تھے۔ پھر سوال اٹھتا ہے کہ آیا زمین اور آسمان دیوتا تھے کس حیثیت میں وہ دیوتے تھے کیا اسی حیثیت میں جس طرح ہم خدا کو سمجھتے ہیں۔ مگر ہم تو خدا کو واحد ہی سمجھتے ہیں۔ جمع کا صیغہ اس پر کبھی عائد نہیں ہوتا نہ ہی یونانی دیوتاؤں کی حیثیت میں کیونکہ یونانی لوگ تو انہیں دیوتا سمجھتے تھے جو دماغی اور ذہنی ترقی سے اس درجہ پر پہنچے اور ویدوں کے دیوتاؤں سے بالکل الگ تھے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ زمانہ سلف کے فسانوں میں دیوتا نہ تو جاندار ہیں اور نہ ہی (جسم) رکھنے والے ہیں جن کی نسبت ہم کوئی رائے ظاہر کریں۔ دیو جس کا ترجمہ ہم دیوتا کرتے ہیں دراصل ایک گن (صفت) تھا جو کہ آسمان اور زمین سورج اور چاند نور کے تڑکے اور سمندر میں پایا جاتا تھا یعنی جلال (روشنی) اور دیوتا کا خیال صرف چمکیلے وجود سے تھا۔ اور دیوتاؤں بالخصوص زیادہ چالاک اور ہشیار دیوتوں کا خیال پیدا ہوا تو رشیوں نے بھی اپنے خیالات کو تبدیل کیا اور سوال کرنے لگے کہ کس نے زمین اور آسمان کو بنایا ہے چنانچہ ایک رشی کہتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ چالاک بکارنگیر دیوتا ہے جس نے دو روشن دیوتے زمین اور آسمان بنائے جو تمام اشیا کو خوش کرتے ہیں۔ اس نے اپنی دانشمندی کے ساتھ زمین اور آسمان کو ماپا اور ان کو اپنا سہارا دے کر قائم کیا ہے۔ زمین اور آسمان کے بنانے کا یہ بڑا کام اندر دیوتا کو منسوب کیا گیا پہلے پہل اندر (بارش کے دیوتا) نے چھڑے کی طرح زمین اور آسمان کو پھیلایا اور ان کو اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھا اور اب بھی اس نے زمین اور آسمان کو سہارا دے رکھا ہے اور اپنے بھگتوں کو زمین اور آسمان کی برکتیں دیتا ہے لیکن اس کے بعد اندر کی استتی کیجاتی ہے کہ اس نے زمین اور آسمان کو بنایا اور جبکہ رشی اس بات کا خیال کرتا ہے کہ کسی اور جگہ پر

زمین اور آسمان کو دیوتاؤں بلکہ اندر کا بھی ماں باپ مانا گیا ہے
تو وہ فوراً کہتا ہے کہ وہ کون دیوداں میں جو ہم سے پہلے ہو
گزرے ہیں جو تیری مہانتا تک پہنچے ہیں کیونکہ تو نے اپنے
ماں اور باپ کو اپنے ہی جسم سے پیدا کیا ہے۔ یہی خیال ایک
اور رشی نے بھی ظاہر کیا ہے کہ اندر زمین اور آسمان سے بڑا
ہے اور دونوں ملکر اندر کے آدھے کے برابر ہیں۔ چنانچہ آگے
چلکر آتا ہے کہ آسمان نے اندر کے آگے سجدہ کیا اور زمین نے
بھی اس کے سامنے سر جھکایا۔ تیری پیدائش کے وقت
آسمان کانپ اٹھا اور زمین تیرے غصہ کے ڈر سے لرزہ
میں آگئی۔ پس ایک طرح تو زمین و آسمان سب سے بڑے
دیوتا تھے وہ ہر ایک چیز کے والدین تھے اور اس لئے اندر
وغیرہ تمام دیوتاؤں کے بزرگ تھے۔ لیکن کہیں سوم
اور پوشن اور ایک موقعہ پہ ہرن گربھیہ کو اور ایک جگہ پر دھاتری
یا وشوکرما کو زمین آسمان کا بنانے والا مانا گیا ہے۔ متر اور ساوتری
کی استتی کیگئی ہے کہ انھوں نے زمین اور آسمان کو سہارا دیا ہوا ہے
اور بعض جگہ ورن دیوتا بھی یہی کام سرانجام دے رہا ہے۔ اس سے آپ کو
ظاہر ہوجاویگا کہ کس طرح یہ دیوتے جدا جدا اپنے فرائض ادا کرتے
ہیں کبھی کوئی بڑا ہو جاتا ہے اور کبھی دوسرا دیوتا اس کی بجائے وہی
فرض ادا کر رہا ہے۔

یہ سچ ہے کہ ویدوں کی نظم ہمارے نکتہ خیال سے نہ تو خوبصورت ہے
اور نہ ہی بہت گہری۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ زمین اور آسمان جیسے دو
تو ہی ہیکل دیو کبھی تو بہت اعلیٰ درجہ کی پدوی رکھتے ہیں اور کبھی
چھوٹے چھوٹے دیوتوں کے آدھین پائے جاتے ہیں تو ہمیں وہاں سے
ایک قسم کی ایسی عمدہ سکھشا ملتی ہے جو اور کہیں سے نہیں ملسکتی یعنی
کسطرح دیوتے بنائے اور مٹائے جاتے ہیں۔ کسطرح پرماتما (لا محدود)

کو انسانی دماغ میں لانے کے واسطے مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے یہانتک کہ آخرکار اس کے سب صفاتی اور مصنوعی ناموں کو دور کر کے انسانی دل کی خواہشوں کو دور کرنے کے لئے اور منش کے من کی اشانتی مٹانے کے واسطے ایک پرماتما ہی آخرکار سہارا بنا لیا گیا۔

اب میں آپ کے سامنے وید کی ایک رچا کا ترجمہ کرتا ہوں جو دریاؤں کی طرف مخاطب ہو کر کہی گئی ہے اگر دریاؤں کو بھی دیوتا مانا جاوے تو وہ خاکی دیوتاؤں کی فہرست میں شامل ہوں گے۔ جن دریاؤں کا ادا ہن کیا جاتا ہے وہ پنجاب کے دریا ہیں اور دیہاتی پہاڑوں کے گیت کی نسبت اس منتر میں بہت کچھ علم جغرافیہ پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱)۔ (رگوید منڈل ۱۰۔ منتر ۷۵) ۔ اے دریاؤ۔ رشی لوگ۔ یگ کے استھان میں تمہاری مہانتا کی استتی کرتے ہیں۔ کہ سات اور سات مل کر وہ تین راستوں سے نکلے ہیں لیکن سندھو اپنی طاقت کے لحاظ سے باقی تمام دریاؤں سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

(۲)۔ جب تو دوسرے دریاؤں کے مقابلہ میں دوڑتا ہے تو درن تیرے واسطے تیز چلنے کیلئے رستہ کھودتا ہے تو زمین کے ناہموار پشتہ پر آگے بڑھتا ہے۔ تو تمام دریاؤں کے آگے آگے بطور رہبر مالک کے قدم رکھتا ہے۔

(۳)۔ تیری گرج زمین سے آسمان تک اوپر جاتی ہے۔ وہ اپنی بے حد طاقت کو بڑے شان و جلال کے ساتھ ظاہر کرتی ہے جبکہ سندھو بیل کی طرح گرجتا ہوا آتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادل سے بجلی کڑک رہی ہے۔

(۴)۔ او سندھو تیری طرف دوسرے دریا اس طرح آتے ہیں جس طرح کہ بچھڑے اپنی ماں کے پاس دودھ لینے کیواسطے چلے آتے ہیں جب تو ان دریاؤں کے سامنے پہنچتا ہے تو جسطرح

کہ لڑائی میں بادشاہ اپنی دو صفیں بنا لیتا ہے تو بھی دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے ۔

(۵) او گنگا ۔ جمنا ۔ سرسوتی ۔ ستلج اور راوی میری پرارتھنا کو سویکار کرو ۔ او مرودردہا اسکنی اور وتشٹھا (جہلم) کیساتھ او ۔ آرجکیا تو شوما کے ساتھ سن

(۶) ۔ او سندھو پہلے تو ترشتامہ ۔ سرتو ۔ رسا اور سویتی کے ساتھ ملکر سفر پر چلتی ہے ۔ دریائے کابل کے ساتھ ملکر گومتی (گومل) کیطرف ۔ مہتو کیساتھ ملکر کورام کو تو ل کر سفر کرتا ہے ۔

(۷) ۔ اجات شترو سندھو جو سب سے تیز رفتار ہے اور مثل ایک خوبصورت اسپ کے بادپا ہے اپنے شان و عظمت کیساتھ چمکتے ہوئے پانی کو میدانوں سے پار لیجاتا ہے یہ نظارہ قابل دید ہے ۔

(۸) ۔ گھوڑوں ۔ رتھوں ۔ پوشاک ۔ سونے ۔ مال ۔ غنیمت ۔ پشم اور چارہ وغیرہ سے مالا مال سندھو خوبصورت اور نوجوان اپنے تئیں میٹھے پھولوں سے ملبوس کرتا ہے ۔

(۹) ۔ سندھو نے اپنے ہلکے رتھ کو گھوڑوں کیساتھ جوتا ہے وہ ہمارے لئے میدان میں انعام حاصل کرے ۔ اس کے رتھ کی بزرگی کی بہت تعریف کی جاتی ہے ۔ یہ رتھ اپنا جلال اور بہت طاقت رکھتا ہے ۔

یہ رچا بہت عمدہ نظم میں لکھی ہوئی معلوم نہیں ہوتی ۔ تاہم اگر آپ رشی کے خیالات کو الو بھو کرنے کی کوشش کریں ۔ جس نے اس کو تیار کیا ۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کے اندر دلیرانہ اور زبردست خیالات موجود ہیں ۔

زمانہ حال کے کسانوں کی اوستھا کا وچار کریں جو دریائے ٹیمز کے کنارے پر اپنے دیہات میں رہتے ہیں آپکو ماننا پڑے گا کہ

وہ بہت ہی ہوشیار آدمی ہوگا جو دریائے ٹیمز کو ایک قسم کا جرنیل بنا کر انگلستان کے باقی دریاؤں کا افسر بنا دے گا گویا کسی معرکہ آرائی کے لئے اُن کے آگے آگے چل رہا ہے۔ تاہم انگلستان میں سفر کرنا اور ملک کے دریاؤں کا نظارہ حاصل کرنا بہت آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ آج سے ۳۰۰۰ برس پہلے ہندوستان کے اس حصہ پر سفر کریں جو ہمارے رچا کے رشی نے وید منتر میں بیان کیا ہے۔ وہ ایک ہی جھپٹ میں تین بڑے دریاؤں کو لیتا ہے یعنی وہ جو شمال مغرب کی طرف سے سندھ میں آگرتے ہیں اور وہ جو شمال مشرق سے اس کے ساتھ آملتے ہیں اور تیسری قسم کے گنگا اور جمنا معہ اپنے معاونوں کے۔ نقشہ پر دیکھنے سے آپ کو معلوم ہو جاوے گا کہ کس طرح یہ تینوں فوجیں صف آراستہ ہیں لیکن رشی کے پاس کوئی نقشہ نہیں تھا اس کے ساتھ سامی وا۔ بڑے بڑے پہاڑوں کے کچھ نہ تھا اور نہ اپنی تکوں زمین کی پیمایش کرنے کے لئے سوائے آنکھوں کے کوئی اور اوزار نہ رکھتا تھا۔ میں اُس آدمی کو جس نے دریا کی ان تین کوچ کرنے والی فوجوں کو سب سے پہلے دیکھا شاعر کے نام سے پکارتا ہوں۔

اس منتر میں دوسری عجیب بات یہ ہے کہ تمام یہ دریا چھوٹے اور بڑے اپنے اپنے خاص نام سے مشہور ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت کے باشندوں نے شائستگی میں قدم بڑھالیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن اقوام کے ساتھ اُن کی بہت موافقت اور ملاپ ہو چکا تھا جنہوں نے شمالی ہند پر تسلط کر لیا تھا۔ اکثر باشندے جن دریاؤں کے کنارے پر آباد ہوتے تھے انہیں اپنے نام سے پکارتے تھے چنانچہ دریا کے بہت نام ہیں اس کو دوڑنے والا۔ سرسبز کرنے والا گرجنے والا یا شاعرانہ استعارہ میں۔ تیر۔ گھوڑا۔ گائے۔ باپ ماں۔ چوکیدار اور پہاڑوں کا بچہ بھی کہتے ہیں کئی دریاؤں کے

نام مختلف حصص میں مختلف ہو جاتے تھے۔ جبکہ مختلف آبادیوں کے درمیان سلسلہ راہ و رابطہ قائم ہوا اور مقررہ الفاظ کا استعمال کرنا نہایت ضروری معلوم ہوا دریاؤں کے باقاعدہ نام رکھے گئے۔ یہ تمام باتیں وید منتر کے تیار ہونے سے پہلے ہندوستان میں رائج ہو چکی تھیں

اب ہم نے ایک اور حیرت انگیز امر واقعہ کی طرف دھیان دینا ہے۔ ہندوستان میں بہت سے دریا ہیں جو ایک ہزار سال قبل مسیح بہت رشیوں کو معلوم تھے۔ تب ہمیں سکندر کے زمانہ تک ہندوستان کا کوئی حال معلوم نہیں ہوتا اور جبکہ ہم سکندر کے عہد میں دریاؤں کے نام دیکھتے ہیں جو اس کے ساتھیوں نے مقرر کئے تو بلا تکلیف کے تمام ویدک پرانے نام معلوم ہوتے ہیں۔

اس بارہ میں ہند کے قصبات کے نام سے دریاؤں کے نام کو بہت خصوصیت سے جسے آج ہم دہلی کہتے ہیں پرانے زمانہ میں اس کا نام اندرپرست تھا۔ اس کے بعد شاہجہان آباد ہوا۔ اودھ کا نام اجدھیا تھا۔ لیکن ساکیت کا پرانا نام یادداشت سے جاتا رہا۔ پاٹلی پتر جس کو یونانی پالیبوتھرا کہتے ہیں آجکل پٹنہ کے نام سے مشہور ہے۔ میں سندھ اور گنگا کے سابقہ ناموں کے قائم رہنے پر تعجب نہیں کرتا۔ زمانہ سلف کے تاجر لوگ بحری اور خشکی سندھ کو اچھی طرح جانتے تھے۔ سائی لیکس نے ملک پکتس سے بحری سفر کیا۔ دریائے سندھ کے دہانہ کے نیچے افغان لوگ اب تک اسے پستش کہتے ہیں۔ وہ دارا گشتاسب کے ماتحت ۵۲۱ سے ۴۸۶ قبل مسیح تک رہ چکا ہے۔ بلکہ اس وقت سے پہلے بھی ہندوستان اور ہندوستانی اسی نام سے مشہور تھے۔ جو کہ لفظ سندھو (ان کے سرحدی دریا) کے نام سے نکلا ہے۔ ان کے ہمسایہ کی قومیں جو ایرانی زبانیں بولتی تھیں وہ اہل فارس کی طرح

س کو ہ کرکے بولتی تھیں پس سندھو سے ہندو بن گیا اور
چونکہ ابتدائی زمانہ میں ہ کو بھی ترک کیا جاتا تھا اس لئے ہندو
سے اندو بن گیا۔ اس لئے یونانی لوگوں نے دریا کا نام انڈس
اور قوم کا نام اندوی رکھا جنہوں نے پہلے پہل اہل فارس سے
ہندوستان کی بابت سنا تھا۔ سندھو کے اصلی معنی تقسیم کرنے
والے۔ رکھنے والے اور حفاظت کرنے والے کے ہیں جو لفظ
سدھ سے نکلا ہے جس کے معنی الگ رکھنے کے ہیں۔ پہلے
یہ صیغہ مذکر تھا پیچھے مونث بن گیا۔ ایسے وسیع دریا کے سوائے
کوئی اور دلاویز نام موزوں نہیں تھا جو امن سے رہنے
والے لوگوں کو وحشی حیوانوں اور مخالف فرقوں کے حملوں سے
بچانے کے لئے پوری حفاظت کرتا تھا۔ ہندوستان میں قدیمی
آریہ نسل کی بستیوں کا مشترک نام ہپت سندھوا (سات
دریا) تھا۔ لیکن اگرچہ رگ وید میں سندھ کے معنی عام طور
پر دریا کے ہیں لیکن ہندوستان کی تمام تاریخ میں طاقتور حفاظت کرنیوالے دریا سے سندھ
رگوید کے بعض منتروں میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ سندھو کا
عمدہ ترجمہ "سمندر" ہو سکتا ہے۔ بعض مقامات پر تو لوگ سندھ
کو تیر کر پار جا سکتے ہیں لیکن بعض مقامات پر اس قدر گہرا پانی
ہے کہ انسانی آنکھ کے لئے یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ آیا وہ
دریا ہے یا سمندر ہے۔ ہر ایک ملاح کو معلوم ہے کہ دریا اور
سمندر ایک دوسرے کے اندر بہتے اور گرتے ہیں اور قدرتاً
سندھو دریا کے معنی سندھو سمندر کے ہیں۔ لیکن سوائے
ان دو بڑے دریاؤں (سندھ اور گنگا) کے اور چھوٹے
دریا بھی ہیں جن کے نام اب تک قائم چلے آتے ہیں جو سکندر
کے رفیقوں نے زمانہ سلف میں مقرر کئے تھے۔

یمنا (جمنا) کا نام طالمے یونا۔ پلائنی۔ جومانیز۔ آرین جو

جو باریز لکھتا ہے۔ ستدری بعدہ ستدرو بنا جس کے معنو سو ندیوں میں دوڑنے کے ہیں۔ ٹالمے ٹزوارس۔ پلائنی سائیداس میجتینیز زدا پرس کے نام سے منسوب کرتا ہے ۔

ویدوں میں ذکر ہے کہ کوہ وائی پس کے ساتھ یہ دریا ملک پنجاب کا سرحدی علاقہ بنتا ہے اور اس زمانہ میں یہاں بھی سخت خونریز لڑائیاں ہوئیں غالباً ٹھیک اسی مقام پر جہانکہ ۱۸۴۶ء میں ستلج کی لڑائی سر ہیوگاف اور سر ہنری ہارڈنگ کے ساتھ ہوئی تھی۔ غالباً دریائے ستلج کے شمال مغربی معاون دپاسا پر سکندر کی فوج نے مراجعت کی تھی اور آگے چلنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت اس دریا کا نام ہائی نے سس تھا۔ پلائنی اس کا نام ہپاس پاسس کہتا ہے جو ویدک وائی پس کے ساتھ ساتھ ملتا ہے جس کے معنی بیڑیوں سے آزاد (کھلے ہوئے) کے ہیں اس کا آجکل نام بیاس یا بیجاہ ہے۔

دوسرا دریا مغرب میں ویدک پرشنی ہے۔ جو ایراوتی کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ پچو اس کا نام ہیرو تیز آرین ہائی ڈراؤ ٹیز کہتا ہے۔ زمانہ حال میں اسے راوی کہتے ہیں۔ یہ وہی دریا ہے جبکہ دس سلاطین نے ٹرٹسو کے پر سوداس کے ماتحت کیا تو مغرب کی طرف اس کے پانی کو کاٹ کر اس پر سے عبور کیا۔ لیکن ان کی حکمت عملی سب خاک میں مل گئی اور وہ سب پانی میں غرق ہو گئے (رگوید ۷۔۱۸۔۸۔۹)

اب ہم اسکنی کی طرف آتے ہیں جس کے معنی کالے کے ہیں۔ اس کا دوسرا نام چندر بھاگا ہے جس کے معنی چاند کی دھاریاں (دلکیرین) ہیں۔ یونانیوں نے جو نام اسے دیا اس کے معنی سکندر کو کھانے والے کے ہیں۔ یہی چیں کراے مے کے

سکندر نے اس بدشگون کو ہٹانے کے لئے اس کا نام تبدیل
کر کے اکسیس رکھ دیا جس کے معنی تندرست کرنے والے کے
ہیں۔ آجکل اسے چناب کہتے ہیں۔ اکی سیس کے ویدک
دنستا ہے جو کہ پنجاب کا آخری دریا ہے جسے یونانی میں ہائیڈ
سپیز کہتے ہیں۔ اسی دریا پر سکندر لوٹا قبل اس کے کہ دریائے
سندھ پر اس نے اپنا بیڑا روانہ کیا اور اپنی فوج کو بابل کیطرف
روانہ کیا۔ آجکل اسے بہت یا جہلم کہتے ہیں۔

میں دیگر ویدک دریاؤں کا بھی پتہ لگا سکتا ہوں مثلاً کو
بھا جسے یونانی میں کوفن آجکل کابل کہتے ہیں لیکن جن ناموں
کا میں نے ویدک زمانہ سے لے کر سکندر کے زمانہ تک بلکہ
ہمارے اپنے زمانہ تک کھوج نکالا ہے۔ ان سے ہمارے
دل پر ویدوں کی اصلی اور انتہا سک حالت کا پورا نقشہ بندھ
جاتا ہے۔ اگر بحث کی خاطر فرض کریں کہ وید سکندر کے زمانہ
کے بعد بنائے گئے تو ان ناموں کی ہم کس طرح تشریح کر سکتے
ہیں۔ یہ تمام سنسکرت میں بامعنی ہیں یونانیوں نے سنسکرت
نہ جاننے کے باعث اپنی زبان میں ان کو بگاڑ کر تبدیل کر دیا ہے
کیا ایسے واقعات کے باوجود کوئی ویدوں کو جعلی یا پیچھے کی
بنائی ہوئی کتب کہہ سکتا ہے۔ میں نے اس رچا کا ترجمہ پیش
کرنا دو وجوہات سے مناسب سمجھا تھا ایک تو اس وجہ سے
کہ رشیوں کی جغرافیہ سے واقفیت کا ثبوت ملتا ہے جو ہندوستان
کو حسب ذیل حدود سے محدود کرتے تھے۔ شمال میں برفانی
پہاڑ (کوہستان ہمالیہ) دریائے سندھ کوہستان سلیمان۔
مغرب میں دریائے سندھ۔ مشرق میں دریائے گنگا و جمنا
جنوب میں بحر ہند۔

اس سے پرے ویدک رشیوں کو دنیا کا حال معلوم نہیں تھا

دوسرا اس وجہ سے کہ اسی رچا سے ہمیں ویدک زمانہ کی تاریخی
اوستھا کا پتہ لگتا ہے ۔ یہ دریا جیسی حالت میں رشیوں کے
زمانہ میں تھے اسی حالت میں سکندر اور اہل مقدونیہ نے انہیں
دیکھا اور اسی حالت میں اب بھی ہم دیکھتے ہیں ۔ یہاں ہم کو
تاریخی سلسلہ وار واقعات ملتے ہیں گویا ہمارے لئے ایک
طرح سے زندہ گواہ موجود ہیں جو اپنے کلام سے بتلاتے ہیں
کہ وہ آریہ نسل کے اصلی باشندے جن کے بھجن اور گیت ایسے
عجیب اور حیرت انگیز اب تک ہمارے پاس محفوظ چلے
آتے ہیں وہ ہمارے اصلی آبا و اجداد تھے جو کہ اپنے قوم کا ہی ہو
کے پجاں ۔ اصلی باشندے اور اپنے دیوتاؤں کے غلام تھے ۔
اپنے ریوڑ (مویشیوں) کو چراتے تھے ۔ پہاڑیوں اور گھاٹیوں
میں فاصلے پر ایک دوسرے سے رہائش رکھتے تھے ۔ جنگل
یا باڑے بنا کر تھوڑے فاصلے پر بود و باش کرتے تھے ۔
کہیں کہیں حسب ضرورت دیوار پناہ (کوٹ) بھی بنا لیا کرتے
تھے ۔ اپنی حیات مستعار کو بغیر ایک دوسرے کو تکلیف دینے
یا انبوہ میں رہنے کے آنند سے بسر کرتے تھے ۔ بہار ۔ گرمی
اور سردی کی موسموں کو بڑے آنند سے بھوگتے تھے ۔ اپنے
چراگاہوں اور درختوں کے جھنڈوں کو بڑا پیار کرتے تھے اور
صبح سے شام تک وہاں ہی اپنے خیالات کی لہر چلاتے تھے
اور مشرقی دنیا میں ان خیالات کو پھیلاتے تھے جہاں سے کہ
وہ آئے تھے اور مغربی دنیا کی طرف ان اعلیٰ خیالات کو لیجاتے
تھے جبکہ وہ خوشی خوشی نقل مکانی کر رہے تھے ۔ ان کا
مذہب (دھرم) سیدھا سادہ تھا اور ابھی تک تثلیث سدھانت
نہیں ہوا تھا وہ لوگ سمجھتے تھے کہ اس دنیا سے پرے ایک
اور دنیا (لوک) ہے اگرچہ انہوں نے اس پر لوک کے کئی

نام رکھنے کی کوشش کی اور اس طرح سے دھرم کو ایک محدود مذہبی خیالات پر پابند کرنا چاہا۔ پرماتما کے لئے اور دیوتاؤں کے لئے کوئی خاص نام انہوں نے مقرر نہیں کیا تھا۔ انہوں نے بیرونی اور ظاہری نظاروں کو دیکھ کر ان شکتیوں کے نام گھڑنے شروع کئے جن کو وہ اس قدرتی عالم میں مشاہدہ کرتے تھے اور محسوس کرتے تھے۔ اگرچہ وہ ان شکتیوں کے جسموں کو نہ تو آنکھ سے دیکھ سکتے تھے اور نہ ہی سمجھ سکتے تھے۔

ویدوں کے دیوتاؤں کا بیان

قدرت کا نہایت ہی عجیب نظارہ جو ویدوں میں بطور زمین کے دیوتا کے ورنن کیا گیا ہے وہ آگ ہے جس سے سنسکرت میں اگنی اور لاطینی میں اگنیس کہتے ہیں جس طرح آگ کی پرستش کی جاتی ہے اور اسکی استتی کی جاتی ہے اس سے انسانی تواریخ کے اُن زمانوں کے نشانات ملتے ہیں جبکہ آگ زندگی کے واسطے نہایت ہی ضروری آسائش سمجھی جاتی تھی بلکہ زندگی کا انحصار بھی محض آگ پیدا کرنے پر تھا۔ ہمارا تو آگ سے اس قدر گہرا تعلق ہو گیا ہے کہ ہم تو خیال میں بھی نہیں لا سکتے کہ آگ کے بغیر زندگی کیسے گزرتی ہو گی اب سوال یہہ ہے کہ زمانہ سلف کے باشندوں نے کس طرح اس زمین پر آگ کو حاصل کیا اور اس پر اپنا قبضہ جمایا۔ رشی لوگ کہتے ہیں کہ پہلے پہل آگ آسمان سے بجلی کی شکل میں آئی لیکن پھر معدوم ہو گئی پھر ماترستون اُسے جا کر لایا اور بھرگو کے خاندان میں اُسے محفوظ رکھا۔ بعض منتروں سے پایا جاتا ہے کہ لکڑی کے ٹکڑوں کو رگڑنے سے آگ پیدا کی گئی۔ حیرانی کی بات یہ ہے

کہ جس لکڑی کو رگڑ کر آگ نکالی جاتی ہے اُسے سنسکرت میں پر امنیا کہتے ہیں جو بقول فاضل کوہن یونان کے پرومیتھس[1] کے مطابق ہے۔ خواہ آگ کو چولہے میں ایک متبرک چیز سمجھکر رکھا گیا اور خواہ اس کو رگڑنے سے جب چاہتے پیدا کر لیتے تھے ابتدائی تہذیب میں یہ ایک بھاری ترقی کا نشان ہے۔ لوگ کچی خوراک کھانے کی بجائے اس کے ذریعہ سے پکا کر کھانے کے قابل ہو گئے۔ اس کے وسیلہ سے رات کے وقت اپنا کام کرنے لگ گئے اور سخت سردیوں میں برف سے منجمد ہو جانے سے بچ رہے۔ اس لئے تعجب کا مقام نہیں ہے اگر اُس زمانہ کے لوگ آگ کو سب سے زیادہ مہربان اور عمدہ دیوتا سمجھکر پوجنے لگ گئے ہوں صرف یہی ایک اکیلا دیوتا تھا جو آسمان سے اُتر کر زمین پر قیام پذیر ہوا۔ منشوں کا دوست۔ دیوتاؤں کا قاصد۔ دیوتاؤں اور انسانوں کے درمیان بمنزلہ ایلچی اور فانیوں کے درمیان غیر فانی متصور ہونے لگا۔ یہ دیوتا آریوں کی بستیوں کی حفاظت کرتا ہے اور سیاہ فام دشمنوں کو ڈرا کر بھگاتا ہے رشیوں نے بہت جلدی آگ کے گن گرمی اور روشنی معلوم کرلے اس کے بعد آگ کی موجودگی نہ صرف چولہے یا ہون کنڈ تک محدود رہی بلکہ نور کا تڑکا۔ سورج اور آفتاب سے پرے دنیا میں بھی اس کا جلال سمجھا جانے لگا اور ساتھ ہی اسکی طاقت زمین کے پھلوں کے پکانے۔ انسان کی زندگی اور گرمی کو قائم رکھنے میں متصور ہونے لگی۔ یہاں تک کہ آگ کو رفتہ رفتہ پرماتما کا درجہ دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان سے زمین اور آسمان

---

[1] یونانی داستانوں میں پرومیتھس اس شخص یا دیوتا کا نام ہے جو آسمان سے آگ کو چرا کر لایا تھا۔

کو چھپایا اور یہ درست بھی ہے کیونکہ اس کی روشنی کے بغیر زمین اور آسمان نہ دکھائی دیتے اور نہ ہی باہمی امتیاز ہو سکتی ایک اور رشی کہتا ہے کہ اگنی نے آسمان کو اپنی روشنی سے پرے رکھا اس نے دونوں دنیاؤں کو الگ الگ رکھا اور فی الجملہ اگنی کو زمین اور آسمان کا باپ اور پیدا کرنے والا کہا گیا ہے۔ روئے زمین کے تمام اڑنے والوں۔ چلنے والوں۔ حرکت کرنے والوں کا اگنی ہی خالق ہے۔

ہماری آنکھوں کے سامنے اسی طرح کا عمل پھر ایک دفعہ نمودار ہوتا ہے۔ انسان کا دل ایک آدھ عجوبہ دیکھکر چونک پڑتا ہے۔ مثلاً بجلی کا درخت پر گرنا اور تمام جنگل کو فنا کر دینا۔ یا آگ کا شعلہ لکڑی کے رگڑنے سے برآمد ہوتا خواہ جنگل میں یا گاڑی کے پہیہ میں رگڑنے سے نمودار ہو انسان اسے معجزہ سمجھکر متحیر ہو جاتا ہے وہ ایک شکتی کے اثر کو دیکھتا ہے لیکن وہ اس کے بواعث پر صرف قیاس دوڑاتا ہے اور اسے انسانی طاقت سے بڑھکر ایک شکتی سمجھتا ہے۔ اسطرح سے آگ (اگنی) کی نسبت لوگوں کا خیال بڑھتا گیا جوں جوں عام لوگوں کے درمیان اس کے گن معلوم ہوتے گئے وہ زیادہ وسیع۔ سمجھ سے باہر یکہ خدائی صفات والے بنتے گئے۔ اگنی دیوتا کی سہائتا کے سوا نہ تو آگ ہوتی نہ روشنی اور نہ گرمی بس زندگی کا قائم رہنا محال ہو جاتا۔ اس لئے اگنی دیوتا انسان۔ حیوانات اور نباتات کو زندگی دینے والا اور اس کا خالق بن گیا۔

چونکہ روشنی اور گرمی حاصل کرنے کے لئے اس کی تعریف کرنی ضروری تھی اس لئے عجب نہیں اگر رشیوں نے یا عام دیہاتی لوگوں کے زبان زد خلائق داستانوں نے اس دیوتا کو

سب سے اعلیٰ حاکم (پرماتما) سب دیوتاؤں کے دیوتا اور سچے دیوتا (پرماتما) کے درجہ تک پہنچا دیا ہو۔

اب ہم اُن شکیتوں کا وچار کرتے ہیں جو زمانہ سلف کے رشیوں نے ہوا۔ بادلوں اور بالخصوص اُن شہاب (دُمدار۔ ٹوٹنے والے ستاروں) میں دریافت کرلی تھیں۔ جو بجلی کی کڑک۔ رعد۔ تاریکی۔ طوفان اور بارش کیساتھ انسان کو نہایت ہی ضروری سکھشا دیتی ہیں کہ اس دنیا کے اندر تن تنہا ہی نہیں ہے۔

بہت سے حکما کا خیال ہے کہ تمام مذہب خوف یا دہشت سے پیدا ہوئے ہیں اگر رعد اور بجلی نہ ہوتی تو ہم کبھی دیوتاؤں کو نہ مانتے یہ خیال مبالغہ آمیز اور یک طرفہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بجلی کی کڑک نے دہشت اور خوف کے خیالات پیدا کئے۔ انسان کو اپنی کمزوری اور ضروریات سے آگاہ کر دیا بلکہ ویدوں میں اندر دیوتا یوں کہتا ہے "جب میں رعد اور بجلی کی کڑک بھیجتا ہوں تب تم مجھ پر بشواش کرتے ہو"۔

لیکن جس کو ہم سچے معنوں میں دھرم کہتے ہیں وہ خوف یا دہشت سے نہیں نکلا + دھرم ایک قسم کا بشواش ہے یہ بشواش ابتدا میں اُن اعتقادوں سے پیدا ہوا جو انسان کے دل و دماغ پر قدرت کی دانائی اور ترتیب کا نقشہ جماتے ہیں۔ اور خاصکر چند باقاعدہ انتظاموں کو دیکھ کر مثلاً سورج کا روزانہ مشرق سے نکل کر مغرب میں جا غروب ہونا۔ چاند کا رات کو نکلنا۔ گھٹنا بڑھنا۔ موسموں کا تغیر و تبدل۔ ہر ایک چیز کے بواعث اور نتائج وغیرہ وغیرہ دیکھ کر انسان ضرور ان کے اصل الاصول یا مسبب الاسباب تک پہنچتا ہے خواہ اس کا کوئی نام رکھیں +

تاہم آسمان پر ستاروں کے ٹوٹنے اور اُن کی روشنی نے قدیم زمانہ کے دیوتاؤں کے پیدا کرنے میں بہت کام کیا اور رشیوں کے منتروں

میں ان کو خاص جگہ دیگئی ہے اگر کوئی مجھسے پوچھے کہ ویدک زمانہ میں
کون دیوتا سب سے زیادہ مختار تھا تو ان رچاؤں سے میں نتیجہ
نکال کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ اندر تھا جو نیلے آسمان کا دیوتا ہے بادلوں
کو اکٹھا کر لاتا ہے برسات پیدا کرتا ہے اور بجلی کی کڑک پر اپنا
تصرف رکھتا ہے۔ تاریکی کو فتح کرنے والا ہے۔ روشنی کو لانے
والا ہے۔ تمام تر و تازگی۔ طاقت اور زندگی بہم پہنچانے والا ہے
تمام دنیا کا حاکم اور مالک ہے۔ غرضیکہ اس طرح سے ویدوں میں
اندر کے گن ورنن کئے ہیں۔ بعض رشیوں نے اندر کو سب سے اہم
پدوی دی ہے عام لوگ بھی اسی طرح اس کی استتی کرتے ہیں
اس کے مقابلہ میں دوسرے دیوتے مثل بوڑھے نحیف آدمی کے
ہیں۔ آسمان جو پہلے تمام دیوتاؤں کا باپ سمجھا جاتا تھا بلکہ اندر کا بھی
باپ خیال کیا جاتا تھا اس کے آگے سجدہ کرتا ہے زمین بھی اسکی
پہنچ پر کانپ اٹھتی ہے " تاہم اندر نے یونان کے دیوتا "جوپیٹر"
یا "ذیوس" کی طرح تمام دیوتاؤں پر اقتدار حاصل نہیں کیا بلکہ ویدوں
پر اپنا اقتدار حاصل نہیں کیا بلکہ ویدوں سے پایا جاتا ہے کہ اس
زمانہ میں بھی ایسے نکتہ چین آدمی موجود تھے جو اندر کو ماننے سے
انکار کرتے تھے۔ اندر کے پہلو بہ پہلو ہم ایک اور دیوتا پاتے ہیں جس کا
نام "وایو" ہے اور اس سے زیادہ ہیبت ناک دیوتا آندھی کا ہے
جسے "مروت" کہتے ہیں چنانچہ وایو کے بارہ میں ایک رشی کہتا ہے
"وہ کہاں پیدا ہوا تھا کہاں سے وہ نکلا تھا۔ وہ دیوتاؤں کی زندگی اور
دنیا کا بیج (اصل الاصول) ہے۔ یہ دیوتا جہاں چاہتا ہے حرکت
کرتا ہے اسکی آواز سنائی دیتی ہے مگر وہ نظر نہیں آتا"

مروت دیوتے وایو سے زیادہ خوفناک ہیں وہ ایسے طوفان
کے ظاہر کرنے والے ہیں جو ہندوستان میں پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ
ہوا خاک اور بادلوں سے تاریک ہو جاتی ہے جب ایک لمحہ

میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ اُن کی شاخیں بہ تہہ ہو جاتی ہیں ان کے تنے بھی بکھر جاتے ہیں جبکہ زمین کانپتی ہے اور پہاڑ لرزاتے ہیں دریاؤں سے کف برآمد ہوتی ہے تب مروت دیوتا سر پر سنہری تاج رکھے ہوئے اپنے کاندھوں پر دھاری دار کھال اٹھائے ہوئے ہاتھ میں سنہری ڈھال کو جنبش دیتے ہوئے اپنی برچھی کو گھماتے ہوئے آتشی تیروں کو برساتے ہوئے اور اپنے چابک کڑک اور بجلی کے بیچ میں چمکاتے ہوئے نمودار ہوتے ہیں یہ دیوتے بھی اندر کے ساتھی ہیں بعض دفعہ اندر کیطرح آسمان کے سُپتر بنجاتے ہیں لیکن یہ ایک اور ہیبت ناک دیوتا کے پتر بھی کہلاتے ہیں جسکا نام رودر ہے۔ یہ دیوتا جنگ کرنے والا ہے جس کے نام پر کئی رچائیں ہیں اسمیں تندرست کرنے اور نجات دینے کے گن درج کئے ہیں ہندوستان میں یہ ایک قدرتی حالت ہے جبکہ بخار کو دور کرنے صحت کو بحال رکھنے انسان اور حیوان کو تروتازگی دینے کیلئے بجلی کی کڑک کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔

اسی طرح پر جیتا اور رکھوا اشونگ کے دیوتا ہیں جو کہ بہت چالاک اور ہشیار تصور کئے گئے ہیں۔ زمانہ سلف کے اُن بہادروں اور شجاعوں کے آدرش ہیں جن کا ذکر آریہ ورت کی رزمیہ کتب میں آیا ہے۔ لڑائیوں میں اکثر اُن دیوتاؤں کا اواہن کیا جاتا تھا۔ اندر ان لڑائیوں میں اکثر رہنموں (پیشوا) کا کام کرتا ہے جو کہ بہادر آریوں کی حفاظت کرتا ہے اور ہندوستان کے سیاہ فام اصلی باشندوں کو مار بھگاتا ہے۔ ایک مقام پر رشی کہتا ہے کہ اس نے پچاس ہزار سیاہ فام باشندوں کو مار بھگایا ہے اور ان کے قلعہ جات کو مسمار کر دیا ہے۔ دشمنوں سے بچانے میں اندر کی تعریف رشیوں نے ٹھیک اسی طرح کی ہے جس طرح یہودی پیغمبروں نے "جیہووا" کی چنانچہ ایک رچا میں آیا ہے کہ ایک دفعہ سو دس تو تسو کا نیک دل

شریف راجہ جنگ میں دس راجاؤں سے گھیرا گیا اور یک لخت جبکہ
سخت تسخیر کیا گیا تو اندر نے سیلاب (طوفان) کو پایاب کر دیا اور
سودس کو بچا لیا + ایک اور رچا میں اندر کی یوں مہا درتن کی ہے
تو نے ترو تی وایا کی خاطر بڑے دریا کو روک لیا ہے طوفان تیرے
آدھین ہے تو نے دیوتاؤں کو آسانی سے قابل گذر بنا دیا ہے"
یہ عبارت زبور کی کتاب باب ۷۸ آیت ۱۳ سے ملتی ہے جو
حسب ذیل ہے۔ اس نے سمندر کو ٹکڑے کر دیا اور ان کو اس میں
سے عبور کرنے دیا اور پانیوں کو حکم دیا کہ ڈھیر کی طرح کھڑے رہیں"
اسی طرح کئی اور جملے بھی ہیں جو ویدوں کے پڑھنے والوں کو حضرت
یشوع کا جنگ یاد دلاتے ہیں جبکہ آفتاب چپ چاپ کھڑا ہو گیا اور
چاند بھی اپنی جگہ پہ قائم رہا جب تک کہ اس قوم نے اپنے دشمنوں
سے انتقام نہ لے لیا۔ ایسا ہی وید میں بھی بقول پروفیسر حسب ذیل
خیال ہے کہ اندر نے دنوں کو بہت طویل کر دیا اور سورج نے دوپہر کے
وقت اپنے رتھ کے گھوڑے چھوڑ دیئے ہو

بعض منتروں میں جو اندر کو مخاطب کر کے کہے گئے ہیں اس کا تعلق
آسمان اور بجلی کی کڑک سے بالکل نہیں پایا جاتا وہ ایک روحانی دیوتا
ہے جو تمام دنیاؤں اور پرجاؤں کا راجہ ہے جو ہر ایک چیز کو دیکھتا اور
سنتا ہے منش کو اتم خیالات سے بھر کرتا ہے نہ کوئی اس سے بچ سکتا ہے
نہ کوئی اس سے بڑھ سکتا ہے ہندوستان میں اندر کا نام ایک عجوبہ ہے
آریہ نسل کے بزرگوں کے جدا ہونے کے بعد یہ دیوتا نمودار ہوا ہے کیونکہ
یونانی اور جرمنی زبان میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں پایا جاتا کئی ویدک
دیوتے ان کے جدا ہونے سے پہلے ظہور میں آ چکے تھے جو کہیں کہیں کچھ
تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ یونانی۔ لاطینی۔ کیلٹ یا سلیونک یا [illegible]
میں نظر آتے ہیں مثلاً دیاوا۔ جیوپیٹر زیوس یہ ایک ہی قسم کے الفاظ ہیں
عشا۔ ایاس (Eos) نکتا اور نکس۔ مریت اور ماس [illegible]

ہوتے ہیں۔ علاوہ اذیں سرمیز اور سارھیا۔ ڈیانی سسں اور ڈیونسیا
پیدا می ہیتیں اور پرتھا۔ آرفیس اور ایھو یاں اور پین کے درمیان بھی
کچھ نہ کچھ مشابہت پائی جاتی ہے بلکہ آریہ نسل کے شمال مغربی رہنے والوں
کو اندر دیوتا آسمان۔ بجلی اور بارش کے دیوتا کے طور پر معلوم نہیں ہے
البتہ ایک اور دیوتا جو اندر کے قریب قریب فرائض انجام دیتا ہے لیکن ویدوں
میں اس قدر مشہور نہیں ہے اندر سے پہلے موجود تھا جس کا نام پرجنیا ہے
آریہ نسل کے لوگ اسے جرمنی اور بحیرہ بالٹک کے ساحل پر لے گئے
بعض دفعہ پرجنیا دیاوا کی جگہ پر آتا ہے چنانچہ اتھر وید میں آیا ہے۔
زمین ہینتر لہ ماتا ہے پرجنیا پتا ہے میں زمین کا پتر ہوں وہ ہماری مدد کرے
ایک اور جگہ پر (اتھروید ادھیائے ۱۲ منتر ۱-۴۲) زمین بجائے آسمان
کی استری ہونے کے پرجنیا کی استری کہلاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ
یہ پرجنیا کون ہے اس امر پر بہت طویل بحث ہے کہ آیا یہ دیادار (آسمان)
ہے یا اندر۔ آیا وہ آسمان۔ بادل یا بارش کا دیوتا ہے دیو کے معنی دیوتا اور پرجنیا
کے معنی بادل کے ہیں لیکن سنسکرت میں پرجنیہ دیاوا کے معنی بادلوں کا
دیوتا کوئی نہیں کرتا۔ دیوتا یا دِوگن باہر سے نہیں آتا جو کہ بادل آسمان یا
زمین میں شامل کیا جاوے بلکہ وہ زمین آسمان یا بادل سے ہی نکلتا ہے
قدیم زبانوں میں کئی الفاظ ایسے ہیں جنکی ہم تشریح نہیں کر سکتے۔ وہ
الفاظ مصنفوں کے دلی خیالات اور مطالب کو ہی ظاہر کر سکتے ہیں
اسی طرح دیوتاؤں کے نام بھی زمانہ سلف کی زبان میں جو ہر طرف مروڑی
جا سکتی ہے اور جس کے ایک ایک لفظ کے کئی معنی ہیں ویسے ہی ہو سکتے
ہیں۔ کئی منتروں میں پرجنیا کے معنی بادل کہیں بارش کہیں آسمان یا
اندر کی جگہ یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے جن اصحاب نے عملی طور پر قدیم داستانوں
کا مطالعہ کیا ہے ان کے لئے یہ طریق بہت غلط اور علمی ترتیب سے خارج
معلوم ہوتا ہے۔ قدیمی زبان اور قدیمی خیالات کی خوبی یہی ہے کہ علمی ترتیب
میں نہیں ہیں۔ بجائے نکتہ چینی کرنے کے ہمیں انہیں کمال طور پر سمجھنے کی کوشش

کرنی چاہئے اور یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ جا ہے بزرگ ہماری طرح دلیل بازی کرنا نہیں جانتے تھے۔

کئی ایسے منتر بھی ہیں جہاں پرجنیا کے معنی پرم دیو کے ہیں وہ بمنزلہ دیادا (آسمان) باپ کہلاتا ہے اس کو اُسر (زندہ دیوتا) بھی کہتے ہیں یہ تمام سب سے پرانے اور سب سے بڑے دیوتاؤں کے لئے شبد ہے ایک رشی کہتا ہے۔ ”وہ تمام دنیا پر دیوتا کی طرح حکومت کرتا ہے تمام پرانی اسمیں آرام پاتے ہیں وہ تمام چراچر جگت اور استھاور کا آتما ہے“ جو کچھ پرجنیا کے بارہ میں کہا گیا اس سے بڑھ کر پرماتما کی نسبت کہنا مشکل ہے لیکن بعض رچاؤں میں آیا ہے کہ پرجنیا منتر اور ورن کی آگیا انوسار (جو آسمان اور زمین کے بڑے سوامی اور مالک ہیں) زمین پر بارش بھیجتا ہے ۔

کئی منتروں میں پرجنیا کی کوئی شخصیت نہیں معلوم ہوتی بلکہ محض بادل یا بارش کے نام سے ہی نامزد ہے چنانچہ ایک مقام پر آیا ہے کہ مروت دیوتے دن کے وقت ان بادلوں کے ساتھ تاریکی پیدا کرتے ہیں جو پانی کو لیجاتے ہیں جب وہ زمین کو تر کرتے ہیں یہاں بادل پرجنیا ہے اور بطور خطاب کے اس کو یہ نام دیا گیا ہے نہ کہ اسم معرفہ کے طور پر یہ لفظ صیغہ جمع میں بھی آتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ کئی پرجنیا یا بادل یا زمین کو تر و تازہ کرتے ہیں۔ جب دیواپی اپنے بھائی کے حق میں بارش کیلئے پرارتھنا کرتا ہے وہ کہتا ہے۔ ”اے میرے سوامی (برہسپتی) تو متر ورن یا پوشن ہے میرے یگ میں آ شریک ہو خواہ تو آدیتیہ۔ وسو یا مروت کے ساتھ ہو۔ بادل (پرجنیا) سنتنو کے لئے برسنے دو۔ اور ایک جگہ پر آتا ہے۔ ”اے برساتی بادل (پرجنیا) حرکت کر (یعنی بارش کر) کئی مقامات پر تو کوئی فرق نہیں پڑتا خواہ ہم پرجنیا کا ترجمہ بادل یا بارش کریں کیونکہ دونوں در اصل ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔ ایک اور منتر ہے جو مینڈکوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا گیا ہے جو برسات کے آغاز میں خشک تالابوں سے نکلتی ہیں اور ایک دوسرے سے ملاقات کرتی ہیں اور بات چیت کرتی ہیں

جنہیں رشی لوگ اُن پجاریوں سے تشبیہ دیتے ہیں جو یگ کے موقعہ پر گائن کرتے ہیں۔ رشی کے منہ سے ایسے الفاظ شوبھا نہیں دیتے جو خود بھی برہمن (کاہن) کا کام کرتا ہے۔ ایک رچا کا ترجمہ ذیل ہے (رگوید منڈل ۵ سوکت ۸۳)

(۱) ان بھجنوں سے طاقتور دیوتا کا آواہن کرو۔ پرجنیا کی استتی کرو اور نمسکار کے ساتھ اس کی پوجا کرو کیونکہ وہ گرجنے والے بیل کی طرح قطروں کو منتشر کرتا ہے اور پودوں کو بیج دار پھل دیتا ہے۔

(۲) وہ درختوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے اور بُری روحوں کو مار ڈالتا ہے اس کے زبردست شستر کے آگے تمام دنیا کانپتی ہے بلکہ بے قصور بھی زبردست کے آگے بھاگتے ہیں جبکہ پرجنیا اپنی کڑک سے بُرا کرنے والوں کو مار گراتا ہے

(۳) رتھبان کی طرح اپنے گھوڑوں کو چابک سے مارتا ہے اور بارش کے قاصدوں کو آگے بھیجتا ہے دور سے شیر کی گرجیں اٹھتی ہیں جبکہ پرجنیا بارش سے آسمان کو پُر کر دیتا ہے۔

(۴) ہوائیں زور سے چلتی ہیں بجلیاں کوندتی ہیں پودے نکلتے ہیں اور آسمان برستا ہے تمام دنیا کے واسطے خوراک پیدا ہوتی ہے جبکہ پرجنیا پرتھوی کو اپنے بیج کے ساتھ برکت دیتا ہے

(۵)۔ او پرجنیا تیرے ہی کام سے زمین نیچے جھکتی ہے تیری ہی برکت سے کُھر والے جاندار اِدھر اُدھر پھرتے ہیں تیرے ہی طفیل سے پودے نشوونما پاتے ہیں اور رنگا رنگ کی صورتیں اختیار کرتے ہیں تو بھلے پرکار سے رکھشا کر

(۶) او مروت۔ تو ہمیں آسمانی بارش عطا کر۔ ندیوں کو بہنے دے اور اپنی رعد کیساتھ نیچے آ پانی کو برسا کیونکہ تو زندہ دیوتا ہے۔ تو ہمارا پتا سمان ہے

(۷)۔ تو اپنی کڑک اور گرج دکھلا اور ہمیں پھل پھول عنایت کر۔ ہمارے اردگرد اپنے رتھ کے ساتھ جو پانی سے بھرا ہوا ہے چکر لگا۔ اپنی مشک (ڈول) کو نکال اور بلند و نشیب والی جگہوں کو ہموار کر دے

(۸) بڑے ڈول کو باہر نکال اور اسکو گرا دے۔ ندیاں کھلم کھلا بہتے
دے آسمان اور زمین کو طراوت دے اور گایوں کیلئے عمدہ فصل و کاشت
ہونے دے۔

(۹)۔ اے پرجنیا۔ جب تو گرجتا ہے بد اندیشوں کو مار ڈالتا ہے تب
روئے زمین کی ہر ایک مخلوق کو آنند پراپت ہوتا ہے۔

(۱۰)۔ تو نے بارش بھیجی ہے اب ٹھہر جا۔ تو نے جنگلوں کو قابل
گذر بنا دیا ہے تو نے پودے خوراک کیواسطے اگائے ہیں منش تیری
استتی کرتے ہیں۔

یہ وید کی ایک رچا ہے اور زمانہ قدیم کی رچاؤں کا ایک نمونہ ہے
اسمیں کوئی بڑی اعلیٰ اور شاعرانہ خوبی نہیں ہے تاہم ہزاروں دیہاتی لوگ جنکی
زندگی کا انحصار بارش پر ہے بارش کے لئے ایسی پرارتھنا نہیں بنا سکتے
اگرچہ تین ہزار برس سے زیادہ گذر چکے ہیں جبکہ پرجنیا کا آواہن کیا جاتا تھا
ہے جس کسی نے گرم ملکوں میں بادل کی کڑک دیکھی ہے وہ مندرجہ بالا
فقرات کی صداقت کے قائل ہونگے کہ پرجنیا آسمان سے ڈول (مشک)
بھر بھر کر پانی زمین پر ڈالتا ہے اور لوگوں کو آنند دیتا ہے۔ اس رچا
میں ایک قسم کا اخلاقی خیال بھی پایا جاتا ہے جبکہ رشی کہتا ہے جبکہ
طوفان گرجتے ہیں اور بجلی کڑکتی ہے اور بارش پڑتی ہے۔ بے قصور
آدمی کانپتا ہے بلکہ برا کرنے والے (پاپی) تباہ ہو جاتے ہیں

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ بارش سے رشی کا منشا صرف قدرت کے
نظارہ کا ظاہر کرنا ہی نہیں ہے بلکہ اس مہان شکتی کا اظہار ہے جس سے
کہ بے قصور بھی کانپتا ہے کیونکہ کوئی انسان نہیں جو قصور سے بالکل
آزاد ہو۔ اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہیں کہ پرجنیا کون ہے تو جواب یہی ہے
کہ پرجنیا سے مراد بادل ہے کیونکہ وہ بارش کرتا ہے لیکن جوں ہی کہ بارش
دینے والے کا خیال پیدا ہوا تو بادل بیرونی شکل یعنی بارش دینے والے کا
جسم بن گیا اور اصلی بارش دینے والے کا پتہ نہیں کہ کہاں ہے بعض مترجم

میں پرجنیا - دیاوا (آسمان) کی بجائے آتا ہے اور پرتھوی (زمین) اس کی استری ہے بعض مقامات پر وہ آسمان کا بیٹا ہے - اگرچہ اس ابتدائی زمانہ میں یہ خیال کسی کو نہیں گذرا کہ اس طرح سے پرجنیا اپنی والدہ کا خاوند بنجاوے گا - ہم دیکھتے ہیں کہ ویدک رچاؤں میں کئی جگہ پر اندر اپنے باپ کا باپ نظر آتا ہے اور رشی لوگ ایسے خیال سے کبھی حیرت زدہ نہیں ہوئے بلکہ صرف یہی کہتے ہیں کہ یہ بہت عجیب بات ہے بعض دفعہ پرجنیا اندر کے فرائض ادا کرتا ہے جوکہ ویدوں کا جو پیتر ہے درگوید منڈل ۸ ادھیائے ۶ منترا) بعض جگہ پر "وایو" اور بعض جگہ "سوم" بارش کے دینے والے ہیں لیکن باایں ہمہ نہ تو وہ دیاوا نہ اندر نہ ورن نہ وایو نہ سوم ہے وہ ایک الگ وجود ہے الگ دیوتا ہے تمام آریہ دیوتاؤں میں سب سے قدیمی ہے اس کا نام پرگ دھاتو سے نکلا ہے جس کے معنے چھڑکنے کے ہیں اس سے پرشتا پرشتی جس کے معنی چھڑکا ہوا - پانی کا قطرہ وغیرہ ہیں نیز پرشنی بادل یعنی دھبہ لگا ہوا بادل وغیرہ نکلتے ہیں - پس پرجنیا کے اصلی معنی یہ ہیں وہ جو آبپاشی کرتا ہے یا بارش دیتا ہے - جبکہ آریہ نسل کے مختلف لوگ ادھر ادھر منتشر ہوئے تو ہندوؤں - یونانیوں - کیلٹ - ٹیوٹنی اور سلیونک اقوام کے باپ دادے اپنے ساتھ بھی لفظ بادل کے معنوں میں لے گئے لیکن ان سات بڑی شاخوں میں سے بعض الفاظ تو چھ شاخوں نے بعض پانچ شاخوں نے اور بعض ایک دو شاخوں نے اپنے پاس محفوظ رکھے - چونکہ ان کے مابین ایکدفعہ جدا ہونے کے بعد پھر کوئی ملاپ نہیں ہوا اس لئے اگر اس لفظ کو آریہ نسل کی دو زبانوں نے بھی اسی مطلب کیساتھ قائم رکھا تو یہ بڑا بھاری ثبوت ہے کہ یہ لفظ آرین خیالات کے نہایت ہی قدیم خزانہ سے برآمد ہوا ہے -

اب اس لفظ کا پتہ ونشان یونانی - لاطینی - کیلٹ اور ٹیوٹن زبانوں میں نہیں ہے - سلونک میں بھی اس کا تلاش کرنا عبث ہے

لیکن لٹک زبان جو پُرانی پرشیا کی زبان ہے اسمیں اس کے آثار پائے
جاتے ہیں۔ لٹوینا اب خود مختار ریاست نہیں ہے لیکن چھ سو
برس پہلے یہ ایک بھاری ریاست تھی جو روس اور پولینڈ سے
جدا تھی اس کا پہلا ڈیوک رن گولڈ تھا جس نے ۱۲۳۵ء سے
حکومت شروع کی اور اس کے جانشینوں نے روسیوں کے برخلاف
فتوحات کیں ۱۳۸۶ء میں یہ بڑے ڈیوک پولنڈ کے بادشاہ بن
گئے۔ اور ۱۵۶۹ء میں ہر دو ملک ایک ہو گئے جبکہ پولنڈ روس
اور پرشیا کے درمیان تقسیم ہو گیا۔ لیتھوینا کا کچھ حصہ روس کیساتھ
اور کچھ پرشیا سے ملحق ہو گیا اب بھی روس اور پرشیا میں لیتھوینین
زبان کے بولنے والے ۱۵ لاکھ کے قریب آدمی ہونگے۔ اور
لٹش بولی قریباً دس لاکھ آدمی کرلنڈ اور سوونیا میں اب بھی بولتے
ہیں۔ لیتھونیا زبان میں اب تک بعض نہایت ہی ابتدائی گرامر کی
بناوٹیں جو بالکل سنسکرت سے مشابہ ہیں پائی جاتی ہیں۔ یہ تمام
بناوٹیں بہت حیرت انگیز ہیں کیونکہ وہ تعداد میں بہت تھوڑی ہیں
اور باقی زبان نے صدیوں کے انقلابات کے باعث بہت تبدیلی
پیدا کر لی ہے۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ لفظ پرجینیا نے لیتھوینین زبان
میں پناہ حاصل کی ہے۔ لیتھوینیا میں عیسائی لوگوں میں بھی بارش
کے لئے پراتھنا پائی جاتی ہے جو کہ رگ وید کی پراتھنا سے
جو میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے چنداں مختلف نہیں ہے لیتھونیا
میں رعد کے دیوتا کو پرکیونا کہتے ہیں۔ قدیمی پرشیا کی زبان میں رعد
پرکیونس کہتے ہیں۔ لیٹش زبان میں آجتک پرکنس کے معنی رعد اور
بجلی کا دیوتا ہیں۔ یہ واضح رہے کہ گ اور ک باہم تبدیل ہو جاتے
ہیں۔ مسٹر گرم نے سب سے پہلے لفظ پرجینیا کو قدیمی سلونک پیرن
پولنڈ کے لفظ پایورن بوہیمیا کے پیران کے ساتھ مشابہ ظاہر
کیا ہے ٭

ڈیراسکی اور دوسروں نے اس کی دہاتو "پیرذو" نکالی ہے جس کے
معنی ہیں میں مارتا ہوں"۔ چنانچہ گرم کہتا ہے کہ پرکیونا۔ پرکانس
اور پرکیوناس جو کہ لتھوئین۔ لٹیش اور قدیمی پرشیا کے الفاظ تھے
اور مارڈویا کا لفظ "پارگیونی" جو رعد کا دیوتا سمجھا جاتا تھا سب لفظ
پرجنیا سے نکلے ہیں۔ سائمن گرونا جس نے ۱۵۲۱ء میں اپنی
تاریخ کو مکمل کیا۔ کہتا ہے کہ قدیمی پرشیا کے لوگ تین دیوتاؤں
کو مانتے تھے یعنی پٹولو۔ پٹرمپو اور پرکیونو اور کہ وہ پرکیونو کو
بارش کے لئے اداہن کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں بجلی اور
کڑک نقصان نہ پہنچا دے اور وقت پر بارش ہووے۔ ایسا ہی
استھونین لوگ اگرچہ آریہ قوم نہ تھے مگر لٹش قوم کے ہمسایہ ہونے کے
باعث ان پر بھی ایسا اثر پڑا اور یہ پرارتھنا کہ وہ اپنے رعد کے
دیوتا کے سامنے کرتے ہیں وہ ہندوستان کے لوگوں کی پرارتھنا سے
بالکل مشابہ ہے جو اپنے کھیتوں کی سرسبزی اور بارش کیواسطے
اپنے دیوتا سے کرتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو پرارتھنا
آریہ لوگ دریائے سندھ کے کنارے پر آج سے ۳ ہزار
برس پیشتر کیا کرتے تھے اور اپنے بجلی کے دیوتا کی اداہن کرتے
ہیں وہی پرارتھنا ان کے بھائی ہندوستان میں اپنے ہمراہ لے گئے
اور آج سے دو سو برس پہلے تک وہ اس طرح اپنے دیوتا کے
سامنے کرتے رہے اور آریہ ورت کا پرجنیا دیوتا قدیمی سلونک
زبان کی تمام شاخوں میں ذرا سی لفظی تبدیلی کے ساتھ برابر پایا
جاتا ہے ❊

جب اس قسم کے الفاظ ہمیں اپنے قدیمی آبا و اجداد کیساتھ
ملاتے ہیں اور یہ اپنے تمدن کا نقشہ سامنے لاتے ہیں تو ایسا
معلوم ہوتا ہے گویا کہ قدیمی مومیائی سے خون نے جوش مارا ہے
یا مصر کے قدیمی بت ہمارے ساتھ بات چیت کرنے لگے ہیں۔

نئی سائنس کی کرنوں سے متاثر ہو کر پرانے الفاظ اب سر نو زندہ ہو رہے ہیں۔ دیوتاؤں اور بہادروں کے قدیمی ناموں میں پھر جان پڑنے لگی ہے۔ تمام جو کچھ پرانا ہے وہ اب نیا اور تازہ ہو رہا ہے۔ ایک لفظ پرجینیا ہی ہمیں ایک ایسی گپھا یا جھونپڑی کا پتہ بتلاتا ہے جسمیں آریہ نسل کے باپ دادے ہمارے بزرگ بود و باش رکھتے تھے خواہ ہم بحیرہ بالٹک کے ساحل پر ہوں اور خواہ بحیرہ ہند پر لیکن سب ملکر پرجینیا کی مشک سے پانی لیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ او پرجینیا ذرا ٹھہر جا تو نے ہماری طرف مینہ بھیجا ہے تو نے جنگلوں کو قابل گذر بنا دیا ہے اور پودوں کو نشو و نما دی ہے تو نے انسانوں کی پرستش حاصل کی ہے۔"

اب ہم نے تیسری قسم کے دیوتاؤں کو دیکھنا ہے زمین اور آسمان کے دیوتاؤں کے علاوہ نہایت ہی بلند آسمان کے دیوتا جو کہ ہوا اور بادل کے دیوتاؤں سے زیادہ پھر تیلے اور انسانی آنکھ سے زیادہ دور ہیں اور ہوا اور زمین کے دیوتاؤں کی نسبت اپنی طاقت میں زیادہ مخفی ہیں ان میں سے خاص دیوتا چمکیلا آسمان (قدیمی دیاس) ہے جسکو آریہ لوگ نقل مکانی سے پہلے سب ملکر پرستش کیا کرتے تھے یونانی میں زیس اٹلی میں جو پیٹر اور ٹیوٹن زبانوں میں ٹاٹر اور ٹیو کہتے ہیں۔ ویدوں میں پایا جاتا ہے کہ زمین کے ساتھ ہی اس کو دیا وا پرتھوی بلا کر ہی اواہن کیا جاتا ہے لیکن کئی مقامات پر اس کی بجائے اندر دیوتا کا نام بھی آتا ہے۔

نہایت ہی بلند آسمان کا دوسرا قائم مقام "ورن" ہے۔ جو کہ "ور" دہاتو سے نکلا ہے جس کے معنی ڈہانپنے کے ہیں یونانی زبان کے لفظ اور انس کے مشابہ ہے یہ دیوتا ہندو دماغ کی نہایت ہی دلچسپ اختراع ہے۔ یہ دیوتا تمام دنیا کی نگہبانی کرتا ہے برے کام کرنے والوں کو سزا دیتا ہے اور جو اس سے معافی مانگتے ہیں وہ ان کے گناہ بخش دیتا ہے چنانچہ حسب ذیل رچا اس کیطرف مخاطب

کر کے لکھی گئی ہے (رگوید منڈل ۲- منتر ۲۸)

ورن دیوتا کے متعلق رچا

(۱) - اے ورن ہم تیری سیوا کرتے ہیں مبارک سمجھیں کیونکہ ہم ہر وقت تیرا دھیان کرتے ہیں تیری ہی استتی کرتے ہیں اور روزمرہ جس طرح کہ پراتہ کال ہون کنڈ میں آگ روشن کرتے ہیں تیری استتی کرتے ہیں۔

(۲) - اے ورن تو ہمارا رہبر ہے ہمیں اپنی حفاظت میں رکھ تو جو بہادروں میں بڑا دولتمند ہے اور ہر جگہ تیری ہی استتی ہوتی ہے تو ادتی کا اجات پتر ہے ہمیں اپنا متر بنا نا سویکار کر۔

(۳) - آدتیہ جو حاکم ہے اس نے ان دریاؤں کو بھیجا وہ ورن کی آگیا پر چلتے ہیں وہ نہ تھکتے ہیں نہ ٹھہرتے ہیں وہ ہر جگہ تیری سے شش پرند کے پرواز کرتے ہیں اے ورن میرے پاپوں کو مجھ سے دور کر جس طرح قیدی کے پاؤں سے بیڑیاں کاٹی جاتی ہیں ہم تیری آگیا پالن کرنے والی اولاد پیدا کریں گے - جبکہ میں اپنا گیت بنا تا ہوں تو اس کی سوت کو نہ کاٹ اور وقت سے پہلے کام ختم کرنے میں ہماری سہائتا کر۔

اے ورن مجھ سے جیتے رہت کر۔ اے سچے راجا تو مجھ پر دیا کر جس طرح کہ بچھڑے سے رسی الگ کی جاوے ایسا ہی مجھ سے گناہوں کو دور کر - اے ورن تیرے بنا تو میں آنکھ کی جھپک کا بھی مالک نہیں ہوں - اے ورن ان شستروں سے ہم کو نہ مار جن سے تو پاپیوں کا ناش کرتا ہے۔ ہمیں وہاں نہ بھیج جہاں روشنی معدوم ہو چکی ہے۔ ہمارے دشمنوں کو منتشر کر کہ ہم آرام سے زندہ رہ سکیں اے ورن ہم نے تیری استتی کی اور کر رہے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے کیونکہ تیرے قوانین اٹل ہیں میرے تمام پاپوں کو جو میں نے کئے ہیں۔ ہم سے دور کر اور مجھے ان کاموں کے لئے سزا نہ دے جو

کے ساتھ زمین - ہوا اور آسمان کے دیوتاؤں سے قدیمی مذہبی اور داستانی خزانہ ویدک آریوں کا پُر ہے - تاہم آرین خیالات کے پرانے مجموعہ میں جس کو ہم داستانوں کے نام سے پکارتے ہیں سورج کی بڑی اعلیٰ حیثیت ظاہر کرتے ہیں جیساکہ ہمارے اپنے خیالات میں اب بھی پائی جاتی ہے جیسے ہم صبح کہتے ہیں - قدیمی آریہ سورج یا نور کا ترڑ کا کہا کرتے تھے جس کو ہم دوپہر - شام اور رات کہتے ہیں اور جیسے ہم موسم بہار اور سردی کہتے ہیں جیسے ہم سال - وقت اور زندگی بلکہ ابدیت کہتے ہیں - قدیمی آریہ ان سب کو سورج کے نام سے تعبیر کرتے تھے - دانا لوگ بڑی حیرت سے کہتے ہیں کہ قدیمی آریہ لوگ کیسے عالی دماغ تھے کہ سورج کے بارہ میں اس قسم کا علم رکھتے تھے - ہمارا ہر ایک کرسمس نمبر جو اخباروں کا ہوتا ہے - وہ بھی شمسی داستانوں سے پُر ہوتا ہے اس لئے اگر کہیں اب زمانہ سلف کی داستانوں میں سورج یا نور کا تڑکا صبح یا رات وغیرہ مختلف ناموں کو پاویں تو گھبرا دین نہیں - جو لوگ قدیم علم داستان کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر ایک چیز کو شمسی خیال میں تبدیل کرتے ہیں - میں نے ان کے برخلاف سخت اعتراض کئے ہیں لیکن اگر کوئی دلیل اس نئی سائنس کے خلاف پاتا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح انٹی پوڈیز کے برخلاف چند صدیاں پہلے دلائل پیش کیجاتی تھیں وہی حالت اس مسئلہ کی ہے - لوگ اُس زمانہ میں کہا کرتے تھے کہ بھلا کبھی انٹی پوڈیز ہو سکتے ہیں - اس طرح تو انسان سر کے بل زمین پر گر پڑیں - تب علم ہئیت کے جاننے والوں کا جواب ہُوا کرتا تھا - تم خود جاکر دیکھ لو یہی جواب نکتہ چینیوں کو میری طرف سے سمجھیں یعنی پہلے ویدوں کو پڑھو اور پہلا منڈل ختم کرنے سے پہلے ہی تم قائل ہو جاؤ گے - کہ سورج کے متعلق روایات ہندوستان اٹلی اور یونان وغیرہ میں یکساں ہیں بس

ہم اُن پرارتھناؤں اور منتروں سے جو رگ وید میں برابر چلے آتے ہیں۔ پاتے ہیں۔ کہ کتنے دیوتا اس زمانہ میں موجود سمجھے جاتے تھے۔ کس طرح تمام دنیا اُن سے آباد تھی اور قدرت کا ہر ایک کرشمہ خواہ زمین پر کرہ ہوائی میں یا آسمان پر ہوتا۔ ان کے ساتھ ہی منسوب کیا جاتا تھا جب ہم کہتے تھے کہ بجلی کڑکتی ہے اس سے یہ مفہوم ہوتا تھا کہ اندر دیوتا گرجتا ہے۔ جب ہم کہتے تھے بارش ہوتی ہے تو مراد یہ تھی کہ پرجنیا دیوتا برسا رہا ہے جب ہم کہتے تھے کہ نور کا تڑکا ہوا تو اس کے یہ معنی ہوتے کہ خوبصورت عشا ایک رقاص کیطرح اپنا شاہانہ جلوہ دکھلا رہی ہے۔ جب ہم کہتے تھے اندھیرا ہو رہا ہے تو اس کا یہ معنی تھا کہ سورج دیوتا اپنے گھوڑوں کو کھولتا ہے اور اُن کی زین اُتارتا ہے رشیوں کے واسطے تمام قدرتی نظارہ جاندار تھا دیوتاؤں کا وجود ہر جگہ سمجھا جاتا تھا اس سے لوگوں کے اخلاق پر بڑا بھاری اثر پڑتا تھا کیونکہ لوگ اپنے دیوتاؤں کے روبرو ان پاپوں کے کرنے سے خائف اور شرمندہ ہوتے تھے جو لوگوں کے روبرو کرنے سے ذرا بھی جھجکتے۔

چنانچہ ورن کے بارہ میں ایک رشی کہتا ہے۔ ورن جو تمام کرات کا بڑا سوامی ہے اس طرح دیکھتا ہے گویا وہ ہمارے پاس کھڑا ہے۔ خواہ کئی منش کھڑے ہیں۔ سیر کرتے ہیں۔ یا کوئی لیٹتا ہے۔ اُٹھتا ہے یا کہیں دو آدمی سنکر بات چیت کرتے ہیں راجا ورن سب سب کچھ معلوم کر لیتا ہے وہ تیسرے آدمی کی طرح وہاں موجود ہے یہ زمین بھی ورن کی ہے اور یہ بڑا آسمان آخیر سرے تک ورن کا ہے۔ دو سمندر یعنی اکاش اور ساگر ورن کی کمر بند ہیں۔ وہ پانی کے چھوٹے سے قطرہ میں بھی موجود ہے اگر کوئی آدمی آسمان سے بھی پرے بھاگ جاوے تو وہ راجہ ورن سے بچ نہیں سکتا۔ اس کے جاسوس آسمان سے اس دنیا کی طرف آتے ہیں اور ہزاروں آنکھوں کے ساتھ اس دنیا کو دیکھتے ہیں ورن زمین اور آسمان کے درمیان

اور اس سے بھی پرے جو کچھ ہو رہا ہے سب کچھ دیکھتا ہے وہ آدمیوں کی آنکھ کی جھپک تک گن لیتا ہے جس طرح کہ کھلاڑی قرعہ پھینکتا ہے وہ تمام اشیاء کا فیصلہ کرتا ہے تیرے مہلک پھندے جو کہ ۱۰۲ میں جھوٹ بولنے والے کو پھنسا لیتے ہیں اور راستباز کے قریب سے گذر جاتے ہیں (اتھروید ۴/۱۶)

اپ دیکھتے ہیں یہ کیسا سندر اور سچا کلام ہے تاہم ہم جانتے ہیں کہ ورن کوئی دیوتا نہیں ہوا یہ صرف ایک نام ہے جس کے اصلی معنی ڈھانپنے یا ستاروں بھا دت کرنے کے ہیں جو کہ ستاروں والے آسمان کو منسوب کیا جاتا تھا۔ اور پھر رفتہ رفتہ خالق پرماتما کی طرف منسوب ہوا جو کہ ستاروں والے آسمان سے بھی پرے ہے جس طرح ورن کا میں نے بیان کیا ہے ٹھیک یہی حالت ویدک دوسرے دیوتوں کی ہے خواہ وہ تین ہیں یا ۳۳ یا ۳۳۳۹ یہ سب نام ہی نام ہیں جیسے جوپیٹر۔ اپالو اور متھروا جیسا کہ تمام مذاہب کے دیوتاؤں کے نام رکھے ہوئے ہیں۔

اگر کوئی شخص ہندوستان میں ویدک زمانہ میں یا یونان میں پرکلس کے زمانہ میں ایسے خیالات ظاہر کرتا وہ سقراط کی طرح کا فریا نا سنک پکارا جاتا لیکن صاف بات یہ ہے کہ ویدوں کے کئی رشیوں نے اور ویدانت کے فلاسفروں نے بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کئے ہیں۔

ہمیں یہ فقرہ احتیاط سے استعمال کرنا چاہئے کہ یہ صرف نام ہی ہیں کوئی نام محض نام ہی نہیں ہے ہر ایک نام کی کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہوتی ہے چونکہ اکثر ناموں سے پورا مطلب مفہوم نہ ہو سکتا تھا اس لئے وہ کمزور یا خشک نام ہی رہ گیا ویدک دیوتے بھی دراصل اس وجود کو ظاہر کرتے تھے جو کہ سب سے پرے ہے جو کہ دکھلائی دینے والی اشیاء کے پیچھے نہ دکھلائی دینے والا

ہے - لا محدود - پرماتما - ہر جگہ موجود اور طاقت کل ہے وہ اُس بات کی تشریح ہرگز نہ کر سکتے تھے جو اویکت یعنی تشریح سے پرے ہے - ان تمام ناکامیابیوں کے باوجود وہ قدیمی بدھیمانوں اور رشیوں کے خیال اور دل سے کبھی دور نہ ہوا بلکہ ہمیشہ اس کے نئے اور پہلے سے اچھے تام رکھے جاتے رہے اور اب بھی اس کے نام نئے رکھے جاتے ہیں اور جب تک دنیا قائم ہے اس کے نت نئے نام رکھے جاویں گے ۔
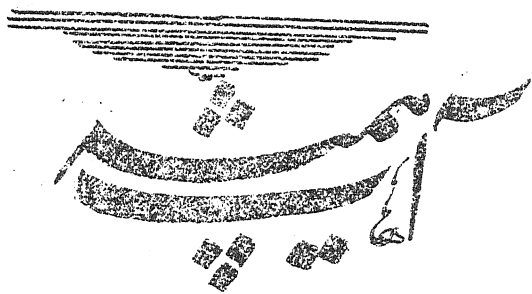
وید اور ویدانت

اب مجھے آخری لیکچر کا کچھ حصہ اس امر کے جواب دینے میں صرف کرنا پڑے گا کہ کس طرح ویدک علم ادب مسلسل طور پر مرتب ہوا اور برابر محفوظ چلا آیا جبکہ ہندوستان میں ۵۰۰ برس قبل عیسوی علم تحریر موجود نہیں تھا حالانکہ رگوید کی بعض رچائیں ۱۵۰۰ برس قبل مسیح پائی جاتی ہیں۔ علم ادب کے ودوان لوگ قدرتاً پوچھتے ہیں کہ رگ وید کے سب سے پرانے نسخے کی کونسی تاریخ ہے اور اس بات کی کیا شہادت ہے جس سے ان کی اس قدر قدامت پائی جاتی ہے میں جہاں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کرونگا ساتھ ہی اس بات کا اقبال بھی کروں گا کہ رگوید کا سب سے پرانا صحیفہ جو کہ اس وقت ہمیں معلوم ہے ۱۵۰۰ قبل عیسوی سے شروع نہیں ہوتا بلکہ ۱۵۰۰ برس سنہ عیسوی سے شروع ہوتا ہے اس لئے ۳۰۰۰ برس کا درمیان میں تفاوت ہے۔ جس کے پورا کرنے کے لئے بڑی زبردست شہادت کی ضرورت ہے لیکن صرف یہی نہیں۔ آپ کو معلوم رہے کہ اس صدی کے شروع میں جبکہ ہومر کی نظم کا زمانہ زیر بحث تھا ایک فاضل جرمن نامی فریڈرک اگسٹ ولف نے دو ضروری سوال دریافت کئے تھے۔ (۱) پہلے پہل کب اہل یونان حروف ہجی سے واقف

ہوئے اور عام میناروں۔ سکوں۔ ڈھالوں پر نصب کرتے اور معابدہ میں بطور نج اور رفاہ عام کے استعمال کرتے تھے۔

(۲)۔ کب اہل یونان نے علمی مقاصد کے لئے تحریر کے استعمال کا وچار کیا اور کس قسم کا مصالحہ اس کام کے لئے انہوں نے استعمال کیا ان سوالات اور ان کے جوابات نے یونانی علم ادب تاریک زمانہ پر نئی روشنی ڈالی یونان کی قدیم تاریخ میں یہ امر مسلمہ ہے کہ آیونین لوگوں سے اہل فنشیا نے حروف تہجی سیکھے۔ ایونیا کے لوگ ہمیشہ اپنے حروف اہل فنشیا کے حروف کہکر پکارا کرتے تھے اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اہل فنشیا نے ایشیا کوچک میں ایونین لوگوں کو حروف تہجی سکھلائے ہوں گے کچھ تو تجارتی مقاصد کے لئے اور کچھ انہیں اس قابل بنانے کے لئے کہ وہ ان چھوٹے مفید نقشجات کو استعمال کر سکیں جنہیں پری پلس کہتے تھے جو کہ اس زمانہ میں جہاز رانوں کے لئے بہت کار آمد ہوتے تھے۔ لیکن پھر بھی تحریری علم ادب تک پہونچنے کے لئے بہت راستہ طے کرنا ہے یہ عام بات ہے کہ شمالی اہل جرمن قبروں۔ صراحیوں۔ عام یادگاروں پہ حروف کندہ کرنے کے لئے (Rum) رکھتے جیسے نہ کہ علمی مقاصد کے واسطے بلکہ اگر اہل ایونیا نے مائلٹس اور دیگر پولیٹیکل اور تجارتی زندگی کے صدر مقامات میں تحریر کا ہنر سیکھا تو اس کے لئے مطالعہ کہاں سے حاصل کیا ہوگا اور زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ پڑھنے والے کہاں سے دستیاب ہوئے ہوں گے۔ اہل ایونیا نے جب لکھنا شروع کیا تو وہ چمڑے کے ٹکڑے پر جسے ڈیفتھورا کہتے تھے گزارہ کیا کرتے تھے اور جب تک انہوں نے اسے گتے کی طرح تیار نہ کر لیا تب تک تصنیف کا کام شروع نہیں ہوا ہوگا۔ ۶۰۰ برس قبل مسیح انہوں نے لکھنا شروع کیا اور خواہ اس کے برخلاف کچھ رائے کیوں نہ ظاہر کی جاوے۔ ولف کی رائے بالکل ٹھیک ہے

کہ اُن کیلئے تحریری علم ادب کا آغاز ویسا ہی ہے جیسے کہ نثر کے تحریر کرنے کا۔

اُس زمانہ میں تحریر سخت جدوجہد میں جو کسی بڑے مصنف کے سر انجام دینے کے لئے کیجاتی تھی اس لئے سب سے پہلی تحریرات جو چمڑے پر لکھی گئی ہیں اُنہیں پیریجی یا پیری پلیسی کہتے تھے یعنی مسافروں کو دیہات یا قصبات میں لیجانے کے لئے رہنمائی کا کام کرنے والی۔ ان مسافروں کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ شہروں کے قائم ہونے کے حالات بھی درج ہوا کرتے تھے اس قسم کی کتابیں پانچ چھ سو برس قبل مسیح ایشیائے کوچک میں پائی جاتی تھیں اور ان کے تحریر کرنے والوں کو لاگوگر یعنی جو کہ شاعر کا معکوس لفظ ہے کہا جاتا تھا۔ وہ یونان کے مورخوں کے متقدمین تھے۔ ہیروڈوٹس جو ۴۴۳ برس قبل مسیح ہوا ہے اور تاریخ کا ابو کہلاتا ہے ان کی تصنیفات کا اکثر استعمال کرتا تھا ابتدائی تحریر کے متعلق [illegible] تاہم کوششیں ایشیائے کوچک میں ہی ہوتی رہی۔ اس [illegible] میں [illegible] تحریرات علم حکمت کے اصولوں اور زندگی کی ہدایات کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ اُس زمانہ میں علم تحریر ایک مسلم و مستند فن سمجھا جاتا تھا اور اس کو عروج پر لانا مصر کے ساتھ تجارت کرنے اور وہاں پاپائرس لانے کے لئے ضروری تھا۔ اسکیلس کے زمانہ میں جو ۵۰۰ برس قبل مسیح ہو گذرا ہے فن تحریر کا خیال عام پھیل چکا تھا کیونکہ وہ اپنے تشبیہ استعاروں میں بار بار اس کا استعمال کرتا ہے پیسسٹراٹس اور پانیکیٹس سب سے پہلے آدمی تھے جنہوں نے یونان کے تصنیفات کو فراہم کیا اس طرح سے جو سادہ سوال کہ مسٹر ولف نے دریافت کیا تھا اس نے قدیم یونان کے علم ادب کی تاریخ کو ترتیب نو کر دیا اس لئے سنسکرت کے طلباء سے بھی دو سوال دریافت کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) ہندوستان کے لوگ کب حروف تہجی سے واقف ہوئے

(۲) کب انہوں نے کتابی مقاصد کے لئے ان کا استعمال شروع کیا

تعجب ہے کہ عرصہ مدید تک کسی نے ان سوالات پر غور نہیں
کیا نتیجہ یہ ہوا کہ قدیمی سنسکرت علم ادب کو بے ترتیبی
سے ہٹا کر کسی ترتیب میں لانا بہت دشوار ہو گیا۔ میں یہاں
چند واقعات پیش کرنا چاہتا ہوں

تین سو برس قبل مسیح سے پہلے کوئی کتبے ہندوستان میں نہیں
پائے جاتے یہ کتبے بھی بدھ مت والوں کے ہیں جو راجہ
اشوک کے عہد سلطنت میں نصب کئے گئے تھے۔ جس
کے دربار میں مجستھینز شاہ سلوکس کا ایلچی پاٹلی پتر میں
رہا ہے۔ فی الواقع راجہ اشوک جس نے اپنی عظیم الشان
سلطنت کے کئی حصص میں یہ کتبے نصب کئے اس نے ۲۵۹ [illegible]
سے ۲۲۲ برس قبل مسیح تک حکومت کی۔ یہ کتبے دو قسم
کے حروف تہجی میں پائے جاتے ہیں۔ ایک قسم کے تو دائیں
طرف سے بائیں طرف کو لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں جو کہ
آرمینیا کے حروف تہجی (یعنی سمٹک لوگوں کے) معلوم دیتے
ہیں اور دوسری قسم کے بائیں طرف سے دائیں طرف جو کہ
سمٹک حروف تہجی کی نقل ہے اور ہندوستان کی زبانوں
کے مطابق حال ہے۔ دوسری قسم کے حروف تہجی ہندوستان
کی تمام زبانوں کے ماخذ بنے ایسا ہی دیگر چند زبانوں کے ماخذ
بنے جو بدھ مت کے اپدیشک ہندوستان کی حدود سے باہر
لے گئے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ ابتدائی تمام حروف تہجی سمٹک
سے نکلے ہوں۔ جس نے کہ ہندوستان کی زبانوں کو فصاحت [illegible]
پہنچایا ۔

پس اس سے یہ امر تو صاف ہو گیا کہ یادگار [illegible]
کرنا ہندوستان میں تیسری صدی قبل مسیح سے پہلے نا معلوم تھا
لیکن تجارتی مقاصد کے لئے فن تحریر اس سے پہلے معلوم تھا

میجستھنیز کا یہ لکھنا بالکل ٹھیک ہے کہ اہل ہند حروف کو نہیں جانتے تھے ان کے قوانین تحریر شدہ نہیں تھے۔ اور کہ وہ اپنی قوت یادداشت کے ذریعہ ہی عدالت کیا کرتے تھے۔ لیکن نیارکس امیرالبحر سکندر اعظم جو ہندوستان میں ۳۲۵ برس قبل مسیح آیا اور ہند کے بندرگاہوں کے سوداگروں سے میل جول کرتا رہا۔ وہ لکھتا ہے کہ ہندوستانی لوگ کپاس کو خوب کوٹ کر اس پہ لکھا کرتے تھے۔ یہ تجارتی دستاویزات اور معاہدے جو فنشیا یا مصر کے کپتانوں سے کیا کرتے تھے اس سے بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت ہندوستان میں علم ادب کے لئے بھی تحریر کام میں لائی جاتی تھی*

درحقیقت نیارکس کی وہی رائے ہے جو میجستھنیز نے اس کے لئے ظاہر کی کہ ہندوستان میں دھرم شاستر کی باتیں تحریر شدہ نہیں ہوتی تھیں ایسا ہی یونانی سیاح بھی بیان کرتے ہیں کہ ہندوستان میں میلوں کے پتھر اور مویشیوں کو شمار کرنے کیلئے خاص نشانات ہوتے تھے اس سے پایا جاتا ہے کہ اگرچہ فن تحریر ہند میں سکندر کی فتوحات کے زمانہ سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ مگر علمی مقاصد کیلئے اسکا استعمال بہت پرانے زمانہ کا نہیں پایا جاتا۔ لیکن ہمیں پھر ایک اور عجیب واقعہ سامنے آتا ہے کہ ویدک علم ادب اپنے تینوں مشہور زمانوں میں (یعنی منتر برہمن) اور سوتروں کا زمانہ) ۱۰۰۰ برس قبل مسیح موجود تھا۔ اب ہم صرف رگوید جسمیں کہ دس رچائیں پائی جاتی ہیں اور دور کئی دیوتاؤں کے نام سے منتر ہیں ان میں ۱۰۲۸ چھند ۱۰۵۸۰ منتر اور ۱۵۳۸۲۶ اشبد ہیں۔ اس قدر وسیع منظم کس طرح مرتب ہوئی ان کے پچر بالکل مکمل ہیں اور کس طرح ۱۵۰۰ برس قبل مسیح سے ۱۵۰۰ برس سنہ عیسوی تک مسلسل برابر چلے آئے ہیں۔ اور زمانہ تک برابر چلے آئے ہیں۔ جبکہ ہمارے کئی نہایت ہی اعلے قلمی نسخے تحریر ہوئے ہیں کہوں کا محض یادداشت کے ذریعے سے

آپ یہ سن کر بہت حیرت زدہ ہونگے کہ اگر رگوید کا ہر ایک نسخہ اس وقت تلف
ہو جاوے۔ تو ہم ہندوستان کے شروتریوں کے حافظہ کے صندوق سے مکمل اور
صحیح وید حاصل کر سکتے ہیں یہ لوگ ویدوں کو ازبر کرتے ہیں اور اپنے گرو کے منہ
سے سنتے ہیں۔ قلمی نسخوں یا چھاپہ شدہ کتاب سے بالکل نہیں پڑھتے کچھ عرصہ
کے بعد وہ آیندہ اپنے شاگردوں کو پڑھاتے ہیں۔ اکسفورڈ میں میرے پاس چند
ایسے طالب علم تھے جو نہ صرف ان رچاؤں کو دہرا سکتے تھے بلکہ ٹھیک لہجہ اور
تلفظ کے ساتھ صاف صاف زبانی پڑھ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ میری
چھپی ہوئی رگوید کو دیکھتے تو فوراً بلا تامل اس میں سے چھاپے کی غلطیاں
نکال کر دکھلا دیتے تھے۔ لیکن میں اس سے بھی زیادہ عجیب آپ کو بتلاتا ہوں
ہمارے پاس رگ وید کے قلمی نسخوں میں بہت تھوڑا فرق تلفظ یا نقطی
پایا جاتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں بعض بعض نسخے ایسے ہیں جو کہ مختلف
پنڈتوں کے پاس مختلف ہیں اور وہ بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے پاس محفوظ رکھتے
چلے آتے ہیں۔ پس بجائے اس کے کہ ہم یونانی اور لاطینی قلمی نسخوں کی طرح
انہیں فراہم کریں۔ میں نے اپنے چند احباب سے درخواست کی ہے کہ ویدوں
کے طالب علموں سے منتروں کو جمع کریں جو کہ رگوید کے حافظ ہیں۔ تاکہ ان زندہ
مستند ویدوں (مراد طلباء) سے مختلف املا فراہم ہو سکے۔ ہم یہاں صرف مسائل
پر بحث نہیں کر رہے بلکہ واقعات دکھلا رہے ہیں۔ تاکہ ہر ایک شخص انہیں
تصدیق کر سکے۔ تمام رگوید اور کئی دیگر کتابیں اب تک کئی طلباء کو حفظ ہیں
جو کہ ہر ایک لفظ بلکہ لہجہ اور اعراب تک بھی ہمارے پرانے نسخوں کی طرح تحریر
کر سکتے ہیں۔ بے شک اس قسم کا یاد رکھنا ایک باقاعدہ انتظام اور ضبط کے
ماتحت چل رہا ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک پوتر فرض سمجھا جاتا ہے۔ میرا
ایک ہندوستانی دوست جو ویدوں کا ایک مشہور عالم ہے بیان کرتا
ہے۔ کہ جس طالب علم نے رگوید کو کنٹھ کرنا ہو۔ اسے آٹھ سال اپنے گرو
کے گھر ٹھیرنا پڑتا ہے اور دس کتابیں پڑھنی پڑتی ہیں ٭

(۱) رگوید کے منتر (۲) برہمن گرنتھ (۳) آرنیک (۴) گریہہ سوتر

(۵) چھند (۶) ویاکرن (۷) کلپ (۸) جوتش (۹) نگھنٹو (۱۰) نرکت۔ ان دس
کتابوں میں ۳۰ ہزار سطریں ہیں اور ہر ایک سطر میں ۳۲ شبد ہیں۔ ہر ایک
طالب علم روزانہ ۸ گھنٹے مطالعہ کرتا ہے سوائے ایام تعطیلات کے (جنہیں
انادھیات کہتے ہیں) سال کے ۳۶۰ دن بلحاظ چاند کے سمجھے جاتے ہیں پس ۸ سال
میں ۲۸۸۰ دن ہوئے ۳۸۴ تعطیلات منہا کرنے سے ۲۴۹۶ دن باقی رہتے
ہیں۔ جب کہ طالب علم ان کتب کو پڑھتے ہیں۔ پس اگر آپ ان ۳۰ ہزار سطروں
کو ۲۴۹۶ پر تقسیم کریں تو گویا روزانہ ۱۲ سطریں طالب علم کو یاد کرنی پڑتی ہیں۔
اگرچہ بہت وقت دہرانے اور ابھیاس کرنے میں لگ جاتا ہے۔ یہ حالت اب تک
تو برابر چلی آتی ہے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ شاید یہ حالت عرصہ تک قائم نہ رہے
میں ہمیشہ اپنے ہندوستانی دوستوں اور بالخصوص انہیں جو جلدی سول سروس
پاس کرکے ہندوستان میں اعلیٰ عہدہ پر مامور ہوگئے نصیحت کرتا ہوں کہ جہاں تک
ممکن ہو سکے بجائے کتب کے زندہ لائبریری (مراد وید کے حافظوں سے)
سے سیکھیں۔ میرا یقین ہے۔ جب شروتریوں کی نسل معدوم ہو جاوے گی۔ تو
بہت سا سنسکرت علم بھی صفحہ ہستی سے اٹھ جاوے گا۔

آؤ ہم تھوڑا سا پچھلی اوستھا کی طرف بھی نگاہ ڈالیں۔ آج سے ایک ہزار برس
پہلے ایک چینی سیاح نامی اتسنگ جو بدھ مذہب کا پیروکار تھا۔ ہندوستان
میں سنسکرت ودیا سیکھنے کے لئے آیا تاکہ وہ اپنے پاک مذہب کی پستکوں
کو سنسکرت سے چینی بھاشا میں ترجمہ کرے۔ سنہ ۶۷۱ء میں چین سے آیا
اور سنہ ۶۷۳ء میں تامرلپتی شہر میں پہنچا۔ اور نالند کے مہا ودیالہ اور جوگی واڑہ
میں سنسکرت مطالعہ کرنے کے لئے قیام پذیر ہوا۔ سنہ ۶۹۵ء میں چین کو واپس لوٹا
اور سنہ ۷۱۳ء میں وہاں جاکر فوت ہوا۔ وہ اپنی ایک کتاب میں جو اب تک چینی
زبان میں ملتی ہے وہ اس میں حالات قلمبند کرتا ہے جو اسے نہ صرف اپنے
ہم مذہب بدھوں کے دیکھے۔ بلکہ برہمنوں کے حالات بھی درج کرتا ہے۔ بدھ مذہب
کے شستریوں کی بابت وہ لکھتا ہے کہ جب وہ پندرہ اصولوں کو یاد کر لیتے ہیں
انہیں ماتری کیتا کی مشتنگ کے چار سو شلوک پڑھائے جاتے ہیں اور بعد اسی کو

کے ۱۵۰ مزید شلوک حفظ کرائے جاتے ہیں۔ اسکے بعد وہ اپنی متبرک کتابوں کے سوتر پڑھنا شروع کرتے ہیں اور جاتک مالا کو از بر کرتے ہیں جس میں مہاتما بدھ کے پچھلے جنموں کا ورتانت ہے بحر جنوبی کے بارہ میں وہ تحریر کرتا ہے کہ وہاں دس جزیرے ہیں یہاں پوجاری اور مقلد لوگ سب جاتک مالا کو حفظ کرتے ہیں۔ جسطرح کہ مندرجہ بالا شلوکوں کو حفظ کرتے ہیں ابھی تک چینی بھاشا میں ان کا ترجمہ نہیں ہوا" وہ آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ ان روایات میں سے ایک کو راجہ کنیر پا نے منظوم کرایا اور راگ سے باجہ پر گایا گیا اور عام لوگوں کے روبرو اس کا کھیل کرایا گیا گویا کہ بدھ مذہب کا ایک اندرونی حالات کا ناٹک تھا۔ اسکے بعد اتسنگ ہند کے طریق تعلیم کا حال بیان کرتا ہے "بچے ۴۹ حروف ۱۰۰۰۰ مرکب الفاظ سیکھتے ہیں۔ جبکہ وہ چھ برس کے ہوتے ہیں اور عام طور پر چھ ماہ میں ختم کر لیتے ہیں گویا تین سو شلوکوں کے برابر ہیں ہر ایک شلوک میں ۳۲ شبد ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے مہیشور نے اسطرح سکھلانا شروع کیا تھا۔ ۸ برس کی عمر میں لڑکے پاننی کا ویاکرن شروع کرتے ہیں ۸ ماہ میں اسے ختم کر لیتے ہیں اس میں ایک ہزار سوتر ہیں۔ اس کے بعد دھاتو پاٹھ ۳ کھیل جن میں ایک ہزار شلوک ہیں یاد کرنے پڑتے ہیں۔ جبکہ لڑکا دس سال کا ہوتا ہے تو وہ ۳ کھیلوں کو پڑھنا شروع کرتا ہے اور ۳ سال میں ختم کرتا ہے پندرہ سال میں مہابھاشیہ شروع کیا جاتا ہے جو پانچ سال میں ختم ہو جاتا ہے۔ آگے چلکر اتسنگ اپنے اہل وطن کو نصیحت کرتا ہے۔ جو ہندوستان میں سنسکرت پڑھنے آئے۔ لیکن ناممکن حالت میں پڑھکر واپس چلے گئے کہ جو چینی طالب علم ہندوستان میں جاکر ودیا پڑھنا چاہیں وہ پہلے ویاکرن کو پڑھیں اسکے بعد دیگر مضامین کا مطالعہ کریں ورنہ وہ اپنی محنت کو رائیگاں کرینگے۔ یہ پستکیں از بر کرنی پڑتی ہیں لیکن یہ تو ان لوگوں کے لئے ضروری ہے جو اعلیٰ درجہ کے ودوان بننا چاہیں۔ انہیں رات دن لگاتار محنت کرنی چاہیئے۔ ایک منٹ بھی سستی میں ضائع نہیں کرنا چاہیئے انہیں "سوشی" کی طرح محنتی بننا چاہیئے جو ایک کتاب کو سو دفعہ پڑھا کرتا تھا۔ تب وہ اخیر میں ایک تمثیل دے کر ختم کرتا ہے کہ بیل کے بال ہزاروں شمار کئے جاتے ہیں۔ مگر گینڈے کا سینگ ایک ہی ہوا کرتا ہے اسکے بعد وہ ہندوستانی

طلباء کے دماغ اور قوت حافظہ کی تعریف کرتا ہے۔ کہ اس قسم کے طالب علم ضخیم کتابوں کے مضمون کو صرف ایک دفعہ پڑھنے سے ازبر کر لیتے ہیں۔ آگے چلکر برہمنوں کے بارہ میں حسب ذیل خیالات پیش کرتا ہے۔ "برہمن ہندوستان کے پانچوں حصوں میں نہائیت ہی معزز خیال کئے جاتے ہیں۔ وہ باقی تین ذاتوں کے ساتھ ملتے جلتے نہیں ہیں۔ اور دوسری ملی جلی ذاتوں کے لوگوں سے زیادہ الگ اور دور رہتے ہیں یہ لوگ اپنی دھارمک پستکوں (مراد وید سے ہے) کی بڑی قدر کرتے ہیں جن میں ایک لاکھ منتر ہیں۔ وید دست بدست ایک کے منہ سے دوسرے کے منہ تک برابر پہونچتے رہے ہیں۔ وہ کاغذوں پہ لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ ہر ایک زمانہ میں بعض ایسے ذہین برہمن پائے جاتے ہیں۔ جو لاکھ منتروں کو زبانی سنا سکتے ہیں۔ میں نے ایسے آدمی بچشم خود دیکھے ہیں"۔ آپ کے سامنے یہ چشم دید شہادت ہے جسنے ساتویں صدی عیسوی میں سنسکرت پڑھنے کی خاطر ہندوستان کی سیر کی اور مختلف بیت العلوم میں اپنی زندگی کے ۲۰ سال خرچ کئے۔ جس نے کہنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کیا۔ بلکہ خود ہندوستان میں آیا چھپے ہوئے علم ادب سے واقف تھا۔ اور تاہم وہ کہتا ہے کہ وید کاغذ پہ لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ ایک منہ سے دوسرے منہ تک زبانی پہونچائے جاتے ہیں۔ مگر اتسنگ کے ساتھ میرا اتفاق رائے نہیں ہے۔ بہر حال ہمیں اسکی رائے سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ اس وقت ہند میں سنسکرت کا کوئی قلمی نسخہ موجود نہیں تھا۔ ہمیں معلوم ہے کہ ۱۰۰۰ برس سنہ عیسوی میں سنسکرت کے قلمی نسخے ہند سے چین میں پہونچے اور وہاں اس کے ترجمے کئے گئے۔ اس لئے نہائیت ہی اغلب ہے کہ ویدوں کے قلمی نسخے بھی اس وقت ہند میں موجود ہوں۔ لیکن اتسنگ کا خیال بھی راستی پر مبنی تھا کہ یہ قلمی نسخے طالب علم لوگ استعمال نہیں کیا کرتے تھے اور کہ وہ ویدوں کو زبانی کنٹھ کیا کرتے تھے اور یہ سارہ گرو سے پڑھا کرتے تھے۔ بعد کی سمرتیوں میں ان لوگوں کے لئے سخت سزائیں درج ہیں جو کہ ویدوں کی نقل کریں۔ یا کتاب سے دیکھکر کنٹھ کریں۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ اسوقت قلمی نسخے موجود تھے۔ مگر برہمنوں کو ایسے نسخوں کا موجود ہونا ناگوار تھا۔ کیونکہ وہی لوگ

وید پڑھانے کے مستحق تھے۔ اگر ہم الفنسٹن کے واقعات سے ایک ہزار سال
اور بھی پیچھے قدم رکھیں تو ہمیں پرانی ساکھا ز ۰۰ ۵ برس قبل مسیح کی فراہم شدہ کتاب)
میں یہ شہادت ملتی ہے۔ کہ دوج لڑکے ۸ سال گرو کے گھر رہکر ویدوں کو از بر کیا کرتے
تھے۔ اس قدر قدیم زمانہ میں بھی یہ طریقہ تعلیم مکمل تھا اور اس زمانہ میں لوگ کتاب
پتھرا۔ وصلی۔ کاغذ۔ قلم دوات کا نام نشان تک بھی نہیں جانتے تھے۔ بلکہ
علم ادب تمام زبانی اور زبان زد خلائق روائیتوں کے ذریعہ پشت بہ پشت
اور سینہ بسینہ پہونچتا چلا آتا تھا۔ میں کئی دفعہ ظاہر کر چکا ہوں کہ جبکہ علم تحریر نہیں
تھا۔ تو بہت کچھ نظم و نثر اسوقت آریہ ورت کے طالبعلموں کے دماغ کے اندر
علم ادب کی شکل میں موجود تھی تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ نئی تہذیب کے دریافت
سے پہلے اُن لوگوں نے اپنی ذاتی کوشش سے ایسی باتوں کو حاصل کیا
جو ہمارے لئے باوجود نئے سہل طریقہ نکلنے کے بھی قریباً ناممکن معلوم ہوتا ہے
یہ لوگ جنہیں وحشی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پتھروں کو تراشتے تھے۔ لکڑیاں
رگڑ کر آگ نکالتے تھے۔ جہانکہ آج کل کے ہاتھ سے کام کرنے والے کا دماغ نہیں
پہونچ سکتا تو کیا ہم کبھی خیال کر سکتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس اپنے بھجنوں
اور منتروں کو محفوظ رکھنے کے لئے کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ جس سے وہ اپنے
دیوتاؤں کو خوش کرتے۔ آسمان سے بارش لاتے اور اُن کے ذریعے فتوحات
حاصل کرتے تھے۔ اگر آپ ولیم وائیٹ گل کی کتاب " پالن الشیبا میں وحشیانہ
زندگی کے تاریخی واقعات " کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ کس طرح وحشی لوگ
بھی اپنے زمانہ سلف کے بہادروں۔ بادشاہوں اور دیوتاؤں کے کارنامے
محفوظ رکھتے ہیں خاصکر جب کہ بعض خاندانوں کی عزت یا شرافت کا انحصار
ہی ایسے گیتوں پہ ہے یا انہیں جاگیریں بھی اسی وجہ سے عنایت ہوتی ہیں
نہ صرف ویدک رشی ہی اپنے منتروں کو یاد کرتے تھے۔ بلکہ درود لوگ بھی
قدیم زمانہ میں آئین حفظ کیا کرتے تھے۔ بعض تو اپنی زندگی کے ۱۲ سال حفظ
کرنے میں صرف کر دیتے تھے۔ انہیں تحریر میں لانا پاپ سمجھتے تھے۔ بعینہ
جس طرح ہم ہندوستان میں دیکھتے ہیں۔

اب میں پھر ایک دفعہ ویدوں کی تاریخ قدامت کے سوال کی طرف لوٹتا ہوں۔ ہم نے اب تک یہ ثابت کیا ہے کہ وید ہمارے زمانہ سے پہلے اتسنگ کے وقت میں جو ساتویں صدی عیسوی میں گزرا ہے موجود تھے اور پراتی ساکھیا کے زمانہ تک جو ۵۰۰ برس قبل مسیح ہوا ہے اس زمانہ میں بھی موجود تھے۔ اس زمانہ میں بدھ مذہب کا عروج شروع ہوا جو کہ ویدک دھرم کے کھنڈرات پر تعمیر ہوا اور جسکی بنیاد یہ تھی کہ وید الشیور کرت نہیں ہیں۔

اسلئے جو کچھ ویدک علم ادب میں موجود ہے وہ بدھ مذہب کے آغاز سے پہلے زمانہ میں ہی واقعہ ہوا ہوگا۔ اگر میں آپ پر یہ ظاہر کروں کہ ویدک علم ادب کے تین زمانے ہیں جن میں سے تیسرا دوسرے سے پہلے کا اور دوسرا پہلے سے پہلے کا ہے اور پہلا زمانہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت ویدوں کی رچائیں اکٹھی کی گئیں اور خاص ترتیب میں مرتب کی گئیں۔ تو آپ میرے ساتھ اتفاق کرینگے کہ وید نہائت ہی قدیمی زمانہ کے نہیں ہیں۔ بلکہ واقعات کا لحاظ کرتے ہوئے ویدوں کے مطالعہ کرنے والے اسی نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ یہ وید سنتر ۱۵۰۰ برس قبل مسیح سے پہلے کے نہیں ہیں۔

ایک امر واقعہ کا مکرر ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ آپ کے دل سے یہ تعصب (یا خیال غلط) بھی دور ہو جاوے۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ سب سے قدیم کتبے جو ہندوستان میں دریافت ہوئے ہیں وہ راجہ اشوک کے زمانہ کے ہیں۔ ان کتبوں کی زبان نہ تو ویدک سنسکرت ہے نہ ہی برہمنوں یا سوتروں کی سنسکرت۔ یہ کتبے اس زمانہ کی عام بول چال میں لکھے ہوئے ہیں یہ مقامی بولیاں گرامر والی سنسکرت سے ایسے ہی مختلف ہیں جیسے اٹلی زبان لاطینی سے اس سے پایا جاتا ہے کہ ویدوں کی پراچین سنسکرت ۳۰۰ برس قبل مسیح بولی جاتی بند ہو چکی تھی نہ ہی لوگ پرانی سنسکرت کو سمجھ سکتے تھے۔ اسلئے جب بدھ مذہب کو عروج ہوا اسوقت سنسکرت زبان بولی جاتی بند ہو چکی تھی اسلئے قدیمی ویدک زبان کا جوبن بدھ مذہب کی تعلیم سے بہت پہلے کا ہے۔ کیونکہ وہ اگرچہ خود تو ویدک سنسکرت جانتا تھا

تمرا اپنے حواریوں کو ہی نصیحت کرتا تھا کہ وہ لوگوں کی اپنی اپنی بھاشا میں سدھانتوں کا پرچار کریں تاکہ عام لوگ ان کے پرچار سے لابھ اُٹھا سکیں ۔

ویدوں میں تین قسم کے مذہب ہیں جو بمنزلہ تین میجوں کے ہیں جو کسی کیچ میں گاڑ دی جاویں ۔ اُن کے گاڑنے والے کوئی (شاعر، پیغمبر اور فیلسوف) ہیں ۔ یہاں بھی آپ ان تینوں قسم کے کام کرنے والوں کی چترکاری کو دیکھیں ہم نے محض سخت قاعدوں ۔ ناقابل فہم رسومات یا قصے کہانیوں کو ہی نہیں دیکھنا ۔ بلکہ معلوم کرنا ہے کہ کس طرح انسانی دماغ تمام وحشیانہ پن سے نکل کر بتدریج سنجیدگی اور انسانیت کے مکمل معراج تک پہونچتا ہے ۔ باقی تمام مذہبی کتب سے زیادہ خصوصیت کی بات ویدوں میں بھی پائی جاتی ہے ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ویدوں اور ویدک رسومات میں بہت باتیں ایسی ہیں جو نہایت ہی بعید بھدی اور ناقابل فہم معلوم ہوتی ہیں ۔ لیکن کئی حالات میں ناموں اور شبدوں کا نشو و نما ۔ قدرتی حالت سے اعلیٰ قدرتی حالت تک انکا پہونچنا اور خاص تخصیص سے بڑھتے بڑھتے عام تک پہونچنا ۔ اب تک سلسلہ جاری ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے وقت کی ترقی یافتہ اور دن بدن عروج پکڑنے والی زبان میں بھی ویدوں کے اعلیٰ خیالات کا ترجمہ کرنا مشکل بلکہ ناممکن سمجھتے ہیں ۔ مثلاً ویدوں میں سب سے قدیمی لفظ جو دیوتا کے لئے آتا ہے وہ دیو ہے جیسے لاطینی میں دیوس کہتے ہیں ۔ لغات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیو کے معنی دیوتا کے ہیں ۔ لیکن اگر ہم ویدک رچاؤں میں لفظ دیو کا ترجمہ ہمیشہ دیوتا کریں تو ہم ویدک رشیوں کے خیالات کو بالکل اُلٹ پلٹ کر دینگے ۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ ہمارا خیال پرمیشور کے بارہ میں اصل خیال سے بالکل مختلف ہے جو لفظ دیو سے ظاہر ہوتا ہے ۔ بلکہ یونانی اور رومن دیوتاؤں کا سروپ بھی ان خیالات کے ظاہر کرنے کے لئے غیر مکتفی ہے جو ویدک شبدوں میں پائے جاتے ہیں ۔ دیو کے لغوی معنی "چمکیلے" کے ہیں ۔ یہ لفظ ہمیشہ آسمان ۔ ستاروں ۔ سورج ۔ دن ۔ نور کا تڑکا ۔ موسم بہار ۔ دریاؤں اور زمین کے لئے استعمال کیا جاتا تھا ۔ جب کوئی رشی اُن تمام اشیاء کو ایک لفظ میں ظاہر کرنا چاہتا تھا

تو وہ ان سب کو "دیو" کہکر پکارا کرتا تھا۔ اسلئے لفظ دیو کے معنے صرف چمکیلے کے نہ رہے۔ بلکہ اس نام میں تمام وہ صفات مشتمل ہو گئیں جو آسمان آفتاب اور صبح میں پائی جاتی ہیں۔

یہاں آپ نے دیکھ لیا کہ کس طرح نہایت ہی سادہ طریق سے دیو کے معنے چمکیلے سے متبدل ہو کر آسمان۔ مہربان۔ طاقتور۔ نہ دکھلائی دینے والا۔ اور امر بنگئے۔ اور آخر کار یونانیوں کے دیو اور روما کے ڈائی کی طرح ہو گئے اس طریق سے ویدوں کے قدیمی مذہب میں قدرت مشاہدہ سے پرے ایک اور لوک بنگیا جس میں دیو اسر وسو اور آدتیہ آباد ہیں یہ تمام نام چمکیلے شمسی۔ آسمانی اور قدرت کی موسم بہار اور روزانہ گردشوں اور طاقتوں کے ہیں تیز تاریک بادلوں۔ رات کی طاقتوں یا سردی کی شکینوں کو جو نقصان پہونچانے والی ہیں بالکل خارج نہیں کرتے۔ انجام کار اپنے مخالف طاقتوں کو مغلوب کرتے ہیں۔

اب ہم ویدک منتر کی دوسری ہیج کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ جسکو زمانہ سالفہ کے رشی بھوت پریت اور پیتروں کا لوک پکارا کرتے تھے۔ ہندوستان میں ایک اور بہت قدیمی خیال تھا۔ جو کہ قدرتاً لوگوں کے دل میں اٹھا۔ یعنی جبکہ ماں باپ اس زندگی سے جدا ہو جاتے ہیں وہ پرلوک میں سدہارتے ہیں یا تو مشرق میں جاتے ہیں۔ جہاں سے تمام دیوتے آتے ہیں یا مغرب میں جہانکہ یم دیوتا کا استھان ہے۔ چونکہ یہ ان لوگوں کا نتیجہ تھا کہ ان کے مرے ہوئے بزرگ اگرچہ انہیں نظر نہیں آتے تھے۔ مگر ضرور کہیں نہ کہیں موجود تھے۔ اس لئے انہوں نے پرلوک کا خیال قائم کیا۔ اور ایک نیا مذہبی خیال قائم کیا۔ وہ مرنے کے بعد بھی باپ دادوں کی شکتی معدوم نہیں سمجھی جاتی تھی۔ قدیمی قانونوں اور خانگی رواجوں میں ان کی موجودگی سخت محسوس کرتے تھے جن میں سے اکثر معاملات کا انحصار ان کی مرضی اور اختیار پر چھوڑا جاتا تھا۔ جبکہ ان کے بزرگ زندہ اور تندرست ہوتے۔ ان کی رائے بمنزلہ قانون سمجھی جاتی تھی جب ان کی موت کے بعد شکوک یا تنازعات قانون یا رواج کے معاملہ پر پیدا ہوتے تھے بزرگوں کی یادداشت اور واقف ایسے جھگڑوں کے [illegible]

سند سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ منوجی ادھیائے ۴ شلوک ۱۷۸ میں فرماتے ہیں
"جس مارگ پر تمہارے باپ دادے چلتے آئے ہیں۔ تم بھی نیک آدمیوں کے
ست مارگ پر چلو۔ ایسا کرنے سے تم غلطی نہیں کروگے" اس طرح سے پتر
اور پریت کا خیال پیدا ہوا۔ لفظ پتر کے معنی نہ صرف باپ دادے تک محدود
رہے بلکہ نہ دکھلائی دینے والے۔ مہربان۔ طاقتور۔ امر۔ آسمانی وجود کے ہو گئے
بڑے تعجب کی بات ہے۔ کہ ہندوؤں کا یہ تاریخی وھارمک خیال نہ صرف
نظر انداز ہو گیا ہے بلکہ اب ایسے خیال کی موجودگی پر بھی شک کیا جاتا ہے۔
اسلئے میں زور سے کہتا ہوں کہ ہندوستان میں سپتری یگ (مرے ہوئے
بزرگوں کی پوجا) کا خیال نہائیت ہی قدیم زمانہ سے زمانہ حال تک برابر چلا آتا ہے۔

مسٹر ہربرٹ سپنسر جنے اس بات کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کی ہے کہ
پتروں کی پوجا تمام وحشی قوموں میں مذہب کا قدرتی عنصر ہے۔ نہائیت ہی
زوردار الفاظ میں کہتا ہے "میں نے عموماً کتابیں دیکھا ہے۔ تمام گفتگو میں سنا
ہے۔ اور اب چھاپہ شدہ کتابوں میں پڑھا ہے۔ کہ کسی انڈو یورپین قوم
یا سمٹک نسل نے مردہ بزرگوں کی پرستش کرنا اپنا دھرم قرار نہیں دیا۔"

میں سپنسر کی کلام پر تو اعتراض نہیں کرتا۔ لیکن بہرحال ایسے اہم مسئلہ
پر اسے کوئی سند یا حوالہ پیش کرنا چاہئے تھا۔ مجھے تو نا ممکن معلوم ہوتا ہے کہ جس
کسی نے کوئی مذہبی کتاب ہندوستان کی مطالعہ کی ہو وہ کبھی ایسی رائے کا
اظہار کرے۔ رگوید میں کئی منتر ایسے ہیں جن میں پتروں کو آواہن کیا گیا ہے
ایسا ہی برہمن گرنتھوں اور سوتروں میں پتروں کی پوجا کا مفصل ذکر موجود ہے
بزنیہ لیکن سمرتیاں اور پران تمام اُن حوالجات سے بھرپور ہیں۔ جن میں
پتروں کو پنڈ دئے جاتے ہیں۔ پس آریہ ورت کا تمام سماجک یا قانون وراثت
و شادی کا انحصار پتری یگ کو مانتے ہے اور با اینہمہ یہیں کہا جاتا ہے۔ کہ
کوئی انڈو یورپین قوم مردوں کی پوجا کرنا اپنا دھرم نہیں سمجھتی تھی۔ ایسا ہی
ایران۔ یونان اور رومن لوگوں میں کیسی چیز کے شوق سے ایسے دیوتے پوجے
جاتے تھے۔ جس طرح ہندوؤں کی طرح کہ ۔۔۔ بزرگوں کی پوجا اختیار کیا گیا تھا

منو سمرتی میں آیا ہے کہ اگر برہمن اپنے پتروں کو پنڈ دیتا ہے۔ تو یہ آہوتی دیوتاؤں کو پہونچتی ہے۔ جن لوگوں کو اتنا سک کھوج لگانے کا خیال ہے۔ وہ کبھی سپنسر کے ساتھ متفق الرائے نہیں ہو سکتے۔ میری رائے میں سپنسر کا یہ خیال ہوگا کہ ویدوں کے بعض مطالعہ کرنے والے اسبات کو تسلیم نہیں کرتے کہ پتروں کی پوجا کبھی کسی انڈو یورپی قوم کا قطعی اور کلیہ دہرم تھا۔ یہ حالت تو ہر ایک مذہب میں پائی جاتی ہے۔ اسلئے اس بارہ میں جن لوگوں کو علم سرشت انسانی کے مطالعہ کرنے کا شوق ہو انہیں ویدوں سے بڑھکر کہیں اور مصالحہ نہیں مل سکے گا۔

ویدوں میں پتروں کا اواہن دیوتاؤں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن دونوں میں اختلاف اور جدائیگی ظاہر ہے۔ یہ دونوں اپنا اپنا الگ آغاز (اور اصلیت) رکھتے ہیں اور انسانی دماغ کی دو مختلف نوعیں ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ رگوید میں ایک پرارتھنا ہے "پرماتما کرے کہ نور کا تڑکا (صبح صادق) میری رکھشا کرے۔ بہنے والے دریا میری حفاظت کریں۔ بڑے پربت میری نگرانی کریں اور پتر لوگ دیوتاؤں کے اواہن کرنے میں میری رکھشا کریں"۔ یہاں صاف ظاہر ہے کہ پتر نور کے تڑکے، دریاؤں اور پہاڑوں سے بالکل مختلف ہیں۔ اگرچہ وہ ایک مشترکہ دیوا ہوتی میں یا دیوتاؤں کے اواہن کرنے میں شامل ہیں۔ ہمیں ابتدا سے ہی دو قسم کے پتروں میں امتیاز کرنی چاہئے۔ ایک تو بہت دور کے پتر ہیں جن کا نام بھی خاندان میں فراموش ہو جاتا ہے۔ دوسرے نزدیکی یعنی جنہیں مرے ہوئے تھوڑا عرصہ گزرا ہے۔ جو کہ ذاتی طور پر یاد ہیں۔ جن کی بہت عزت کی جاتی ہے قدیمی آباؤ اجداد تو دیوتاؤں کے درجے تک پہونچ جاتے ہیں۔ عموماً ان کی نسبت ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ یم لوک میں چلے گئے ہیں اور دیوتاؤں کے ساتھ مل کر نوش کرتے ہیں۔ بعض جگہ پر آتا ہے کہ پرپتامہ سورگ لوک میں ہیں اور پتامہ آسمان میں ہیں اور پتر زمین پر۔ اول الذکر آدتیہ کے ساتھ دوسرے رودر اور تیسرے وسو کے ساتھ ملکر رہتے ہیں یہ تمام رشیوں کے اپنے خیالات ہیں۔

بعض دفعہ تو "یم" کو بھی پتر کی طرح اواہن کیا جاتا ہے جو کہ سب سے پہلے پتروں کے راستہ پر چلا اور مغرب میں چھپا گیا۔ تاہم اس کی دیوتوں والی

سرشت کبھی گم نہیں ہوئی۔ غروب ہونے والے سورج کی طرح وہ دیوتوں کا
سرگروہ ہے۔ جو سکھ اور آرام کہ منشوں کو روئے زمین پر ملتے ہیں۔ وہ ان
پتروں کے ذریعے سے ہی پراپت ہوتے ہیں۔ جنہوں نے پہلے پرتھوی پر بھوگے
تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے یگ کئے۔ اور اُن سے پھل پراپت کئے۔ بلکہ قدرت
کے بڑے بڑے واقعات مثلاً سورج کا نکلنا۔ دن کی روشنی۔ رات کی تاریکی
بسا اوقات اُن سے ہی منسوب کئے جاتے تھے۔ اور اُن کی اُستتی کی جاتی تھی
کہ وہ رات کی تاریکی کو دُور کرکے روشنی لاتے ہیں اور گنو (دن) کو پیدا کرتے
ہیں۔ نیز ان کی اُستتی اسلئے بھی کی جاتی تھی۔ کہ وہ رات کو ستاروں سے مُنوّر
کرتے ہیں۔ مگر بعد کے زمانہ کی تحریروں سے پایا جاتا ہے۔ کہ ستارے ان نیک
پرشوں کی روشنی ہیں جو سورگ لوک میں داخل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے
خیالات ایرانی۔ یونانی اور روما لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ وید میں پتروں
کو سیتہ بدھی مان۔ نیک۔ کوی (شاعر) پتی کرت (رہنما) اور سوم وغیرہ
اپادھیوں سے نامزد کیا گیا ہے۔ (نوٹ سوم ایک قسم کا رس ہوتا تھا۔ جسے
ویدک رشی استعمال کرتے تھے جو امرت کا کام دیتا تھا۔ اب وہ دستیاب نہیں
ہوتا) عموماً بھرگو۔ انگرہ اور اتھروَن خاندانوں کے پتریوں کا آواہن کیا جاتا
ہے۔ تاکہ وہ آکر گھاس پر بیٹھیں۔ اور اُس بلی دان کو گرہن کریں جو اُن کے واسطے
وہاں رکھا جاتا ہے۔ پتری یگ کا نام بھی وید میں آیا ہے۔ چنانچہ رگوید کی
ایک رچا میں حسب ذیل منتر ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یگ میں اپنے
پتروں کا آواہن کیا کرتے تھے (۱) سوم رس کی چیشٹا کرنے والے ہمارے
پتر (کنشٹ۔ اتم اور مدھیم) سب اُٹھیں۔ ہمارے بھدر اور نیک پتر
جو نیر جیوت (از سر نو زندہ) ہوئے ہیں ان آواہنوں میں ہماری رکشا کریں۔
(۲) ہماری یہ آہوتی ہمارے اُن پتروں کے واسطے ہو جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں
خواہ وہ اب آسمان پر رہتے ہوں یا پرتھوی پر یا دیگر پوتر لوکوں میں نواس کرتے ہوں
(۳) میں نے بدھی متی پتروں کو آواہن کیا ہے وہ شیگھر یہاں آویں اور گھاس
پر بیٹھکر ہماری آہوتیوں سے اپنا بھاگ (حصہ) گرہن کریں۔ اے پترو تم

جو گھاس پر بیٹھے ہو یہاں آؤ اور ہماری سہائتا کرو۔ ہم نے یہ آہوتیاں تمہارے لئے طیار کی ہیں۔ آپ انہیں سویکار کرو۔ نہایت ہی برکت دینے والی رکھشا ہم پر کرو۔ ہمیں اروگتا اور دہن دیجئے۔ (۵) سوم رس چاہنے والے پتروں کو یہاں اواہن کیا گیا ہے۔ تاکہ وہ آکر اپنا بھوجن کھاویں۔ جو اُن کے لئے گھاس پر رکھا ہوا ہے۔ وہ سمیپ آویں اور آکر سنیں۔ ہمیں اشیرباد دیں اور ہماری رکھشا کریں۔

(۶) اپنے گھٹنے جھکا کر میری دائیں طرف بیٹھو۔ اور تمام اس یگ کو سویکار کرو پترو۔ ہمارے اپرادہوں کے لئے جو ہم نے آپ کے ورودہ کئے ہوں ہمیں ڈنڈ مت دو کیونکہ ہم منش ہیں۔

(۷) جب تم مشفق کی گود میں بیٹھتے ہو تو فیاض منشوں کو دہن دو۔ اپنے بیٹوں کو دہن دان کرو۔ ہمیں بل دیجئے۔

(۸) ہم "منتر" کے سمان ہمارے بلدان کو سویکار کرے ہمارے سوم رس کے چاہنے والے پتروں۔ وشسٹوں کے ساتھ جنہوں نے سوم رس طیار کیا ہے شریک ہو رہے

(۹) اے اگنی ان بدھیمان اور صادق پتروں کے ساتھ آؤ جو چولھے کے نزدیک بیٹھنا پسند کرتے ہیں جو سخت بیقرار تھے۔ جبکہ وہ دیوتاؤں کے ابھلاشی تھے جو یگ کرنا جانتے تھے۔ اور اپنے گیتوں کے ساتھ بڑی اُستتی کیا کرتے تھے۔

(۱۰) اے اگنی اُن قدیم پتروں کے ساتھ آؤ جو چولھے کے سمیپ بیٹھنا پسند کرتے ہیں جو ہمیشہ دیوتاؤں کی اُستتی کرتے ہیں جو ہمارے بلدان کو اُوپان کرتے ہیں اور اندر وغیرہ دیوتاؤں کے ساتھ مل کر رہتے ہیں۔

(۱۱) اے دیوتو تم جو اگنی سے جلائے گئے ہو آؤ یہاں اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ تم ہمارے مہربان رہنما ہو۔ ہمارے بلدان کو کھاؤ جو ہم نے گھاس پر رکھا ہے۔ ہمیں دہن اور اتم سنتان دو۔

(۱۲) اے اگنی جات وید۔ ہماری پرارتھنا پر تو نے بلدان کو سویکار کیا ہے پہلے ان کو میٹھا کر لیا ہے تو نے انہیں پتروں کو دیا ہے اور انہوں نے اپنے بھاگ پر نربھر کیا ہے اے دیوتا تو ہمارے بلدان کو بھی سویکار کر۔

(۱۳) جو پتر یہاں ہیں اور جو یہاں نہیں جن کو ہم جانتے ہیں اور جن کو ہم نہیں
جانتے۔ اے جات وید آپ کو معلوم ہے کہ وہ کتنے ہیں سوادھشٹ بلیدان کو سویکار کرنا
(۱۴) اے راجن اُن منشوں کو جو آگ سے جلائے گئے یا نہیں جلائے گئے
جو آسمان میں اپنے بھاگ کو لیکر پرسن ہوتے ہیں انکو وہی شریر پتر جنم میں دے
جن کے لئے وہ ابھلاشی ہیں ٭

علاوہ اس پرستش کے جو ان ابتدائی بزرگوں کی ہوتی رہی ہے اُس
تعظیم اور ادب کا بھی خیال کریں۔ جو ابتدائی زمانہ سے اولاد اپنے مرے ہوئے
بزرگوں کے واسطے کرتی آئی ہے۔ جن رسومات یا یگوں میں اس قسم کے موذبانہ
خیالات ظاہر کئے جاتے تھے وہ عموماً خانگی ہوا کرتے تھے اور مقامی لحاظ سے
مختلف ہوا کرتے تھے یہ بڑا مشکل ہے کہ یہاں اُن باریک اور مفصل ودھیوں
سنسکاروں اور طریقوں کا تذکرہ کیا جاوے۔ جو اب تک برہمن گرنتھوں۔ گرہیہ
سوتروں۔ سامیہ چارک سوتروں۔ دھرم شاستروں اور اُن کے بعد کے پستکوں
میں پائے جاتے ہیں۔ ان تمام کا مدعا مرے ہوؤں کی عزت کرنا ہوتا تھا۔ اس
قسم کی باریکیاں ہیں جو بلحاظ وقت۔ موسموں۔ یگوں۔ رہوتیوں۔ یگیہ پاتروں
اور مختلف قسم کے برتنوں وغیرہ کے متعلق درج ہیں کہ ہمارے لئے اُن کا بیان
کرنا بہت مشکل ہے۔ یورپ کے فاضلوں نے اس قسم کے یگوں کے بارے میں بہت
کچھ لکھا ہے۔ ٹھاکر کالک صاحب کے اعلیٰ مضامین ہندوؤں کے مذہبی رسومات
جو ۱۸۰۱ میں ایشیاٹک ریسرچ جلد ۵ میں شائع ہوئی تھی۔ لیکن جب ہم غور
یہ سادہ سوال پوچھتے ہیں وہ کونسا خیال تھا جہاں سے کہ یہ بیرونی رسومات نکلیں
اور انسانی دل کی وہ کونسی اُمنگ تھی جو انہیں ایسا کرنے سے اطمینان دلاتی
تھی ہمیں کہیں سے تسلی بخش جواب نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان
بھر میں آجتک شرادھ کئے جاتے ہیں لیکن ہمیں معلوم ہے کہ کس طرح زمانہ
حال کی رسومات اُن قاعدوں سے تبدیل ہو گئی ہیں جو قدیمی سوتروں میں درج ہیں
ان تذکرات سے جو زمانہ حال کے سیاحوں نے ہمارے تک پہنچائے ہیں صاف
ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی آدمی قدیمی رسومات کے مدعا کو نہیں سمجھ سکتا جب تک قدیم

مرنے کے وقت بہت ہوا کرتے تھے یا جب کبھی اپنے کنبہ میں خوشی یا غمی کے موقعہ پہ مرے ہوئے پتروں کی یادگار منائی جاتی تھی۔ اسلئے شرادہ کا لفظ ان تمام رسموں کے لئے عام ہو گیا جو کہ بزرگوں کی یادگار میں کئے جاتے ہیں۔ اسلئے شرادہ نہ صرف ماتمی موقعہ پر کئے جاتے ہیں۔ بلکہ اب خوشی کے موقعہ پہ بھی کئے جاتے ہیں۔ جبکہ خاندان کے نام پہ تحفے تحائف دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے پتروں کے نام پر محض پنڈ یا پانی دینا شرادہ کے معنی نہیں ہیں۔ پتروں کے نام پہ ہوتی دینا شرادہ ایک قسم کا چھوٹا نشان تھا۔ لیکن اس کا نہائیت ہی ضروری عنصر وہ دان تھا۔ جو پتروں کی یادگار میں دیا جاتا تھا۔ جسطرح کہ وسطی زمانہ میں عیسائیوں میں بھی دان کی پرپاٹی خراب ہو گئی ایسا ہی یہاں بھی خیرات کی حالت بگڑی لیکن ابتدا میں نیت اچھی تھی۔ یہ صرف دوسروں کی بھلائی کی خواہش سے اس قسم کا خیال اور عقیدہ قائم ہوا۔ جو کہ مرتیو کے وقت بہ نسبت کسی اور موقعہ کے زیادہ مضبوط ہو گیا۔ چونکہ ہم مرتے ہیں دنیا سے کچھ ساتھ نہیں لیجاتے اسلئے ہمیں دنیا میں اپنی دنیوی چیزوں کا ٹھیک استعمال کرنا چاہیئے شرادہ کے موقعہ پر برہمن یگیہ کی اگنی سمجھے جاتے تھے جس میں اہوتیاں ڈالی جاتی تھیں۔ اگر ہم یہاں برہمن کا ترجمہ رتوج کریں تو ہم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ کیوں پچھلے دنوں میں شرادہ کے برخلاف مضبوط خیالات پیدا ہوئے۔ لیکن رتوج کے معنی برہمن کرنا بہت غلطی ہے۔ برہمن کیا بلحاظ ذہنی لیاقت اور کیا۔ بلحاظ مجلسی حالت کے اعلیٰ خاندان کے آدمی متصور ہوتے تھے۔ وہ ہندوستان کی قدیم سوسائیٹی میں نہائیت ہی ضروری جزو عنصر سمجھے جاتے تھے۔ چونکہ وہ دوسروں کے واسطے زندگی بسر کرتے تھے اور دھن جمع کرنے یا کمانے کے کام میں دخل نہ دیتے تھے۔ یہ ایک مجلسی اور مفید دستور کہ فرض بن گیا۔ کہ ان کو باقی تمام لوگ ہر طرح سے بہ نسبت آدمی سے سلوک کریں اور ان کی وجہ معاش کا خوب انتظام کریں۔ اسلئے بڑی احتیاط کی جاتی تھی کہ شرادہ کے موقعہ پہ دان وغیرہ ان لوگوں کو دیا جاوے

جو نہ تو دوست ہوں نہ دشمن نہ ہی خاندان کے سمبندھی ہوں چنانچہ آپستمبہ
سوتر میں آتا ہے۔ اگر بھوجن شرادہ کے موقعہ پر شرادہ کرنے والے کے رشتہ دار
کو کھلایا جاوے تو وہ سپوت پرست کو ملتا ہے نہ کہ پتروں یا دیوتاؤں کو۔
اگرچہ ہم اثبات سے انکار نہیں کر سکتے کہ مابعد کے زمانہ میں شرادہ کا رواج
بگڑ گیا لیکن بایں ہمہ میری رائے ہے کہ شرادہ کا رواج دانائی اور پوتر ارادہ
پر مبنی ہے جو کہ ہند کے بڑی ہی مان لوگوں نے اپنے دماغ سے نکالا تھا
اب ہم اشولائن گرہیہ سوتر کے اس سوتر کا مطالعہ کرتے ہیں جس میں پہلے
پہل شرادہ کا ذکر آتا ہے جبکہ مرے ہوئے کی راکھ جمع کر کے کسی برتن
میں رکھکر دفن کی جاتی تھی تو اسکے بعد شرادہ کیا جاتا تھا اس شرادہ کو
ایکو دشٹ یا ذاتی کہتے تھے۔ کیونکہ یہ ایک آدمی کے واسطے کیا جاتا تھا
نہ کہ تین پتروں یا تمام پتروں کے واسطے ؂

اس شرادہ کا مدعا مرے ہوئے کو پتر کی پدوی تک پہونچانے کا تھا جو
سال بھر برابر پنڈ دینے سے پہونچ سکتا تھا۔ آپستمبہ کہتا ہے کہ مرے ہوئے
رشتہ دار کا سال بھر روزانہ اور اسکے بعد ماہواری شرادہ کرنا چاہئے ورنہ بالکل
نہیں کیونکہ اسکے بعد مرے ہوئے بزرگ باقاعدہ پاروَن شرادہ میں شریک
ہو جاتے ہیں۔ سکشاتن بھی یہی بیان کرتا ہے یعنی کسی شخص کا پہلا شرادہ
کرنا ہو تو سال بھر تک رہتا ہے اور اسکے پیچھے [illegible] پہنچایا جاتا ہے۔
اور اسکی بجائے پتامہا ہو جاتا ہے اور پتا پتامہا پہنچتا ہے اور جو سب سے
پیچھے مرا ہے وہ پتا بنتا ہے۔ اسطرح تینوں پتر قائم رہتے ہیں اس کا نام
سپنڈی کرن ہے۔ یعنی مرے ہوؤں کو پتر کے درجہ تک پہونچانا ہوتا ہے۔
گوبھلی بجائے ایک سال کے چھ ماہ میعاد بتلاتا ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر
صرف تین پکھش (یعنی ڈیڑھ ماہ) بتلاتا ہے بلکہ گوبھل اور سانکھیہ کی رائے میں
کسی شبہ او سر پر سپنڈی کرن ہو سکتا ہے بعض دفعہ سپنڈن کے لئے
سولہ شرادہ کرنے ضروری ہیں یعنی ہر ماہ میں ایک۔ دو ششماہی۔ ایک سب سے
پہلے اور آخری سپنڈن شرادہ۔ لیکن یہاں بہت اختلاف ہے اگر سپنڈن سال

اختتام سے پہلے ادا ہو تو سولہ شرادہ بچہ رشتی بہرحال پورے کرنے پڑتے ہیں
جبکہ شرادہ ایک شخص اور پہ کیا جاوے مثلاً پیدائش یا شادی کے موقعہ پہ
اسوقت جو پتروں کا آواہن کیا جاتا ہے وہ پتا دادا پڑدادا کا آواہن نہیں کیا
جاتا - جسکو بعض دفعہ اشرو مکھ کہتے ہیں - بلکہ وہ بزرگ جو ان سے پہلے ہو گزرے
ہیں جنہیں نندی مکھ یا خوشباش کہا جاتا ہے ؎

چنانچہ کالبرک صاحب جس نے کہ زمانہ حال کے شرادہ پہ ایک مدلل
اور عمدہ مضمون لکھا ہے - اس کی بھی قریباً یہی رائے ہے مرتکنہ رسومات
کا پہلا حصہ اسوتیوں کے فرقے مرے ہوئے کی لاش کو جلانے کے لئے پھر
اکٹھا کرنا ہوتا ہے دوسرے جز کا ظاہری مدعا یہ ہے کہ اسکے سایہ کو دنیا سے اٹھایا
جاوے (حالانکہ وہ ہندو عقائد کے مطابق جن بھوتوں کے درمیان گھومتا پھرتا رہتا ہے)
اور سورگ لوک تک پہونچایا جائے اور پھر اسے دیوتا بنایا جاوے اور اپنے
بزرگوں میں ملایا جاوے - اس مطلب کو پورا کرنے کے لئے باقاعدہ طور پر تیرہ
کے دن کے بعد سے شرادہ جاری کرنا چاہئے - ۱۲ دوسرے شرادہ ۱۲ ماہ میں
یکے بعد دیگرے کئے جاویں - ڈیڑھ ماہ کے بعد پھر ماہی شرادہ کیا جاوے اسیطرح
ہر ششماہی اور سال کو بھی کرنا چاہئے اور جو رسم اسکے مرنے کے سال بعد ادا کی
جاتی ہے - اسے سپنڈن کہتے ہیں - اس سپنڈن شرادہ کے موقعہ پر جو اکودشٹ
شرادہ میں سب سے آخری ہے چار پنڈ مرے ہوئے کو اور اسکے تین پتروں
کو دیئے جاتے ہیں وہ مرے ہوئے کے نام پر کرنے کے بعد اسکے تین بھاگ
کئے جاتے ہیں اور باقی تین کے ساتھ اسے ملایا جاتا ہے جو حصہ کہا جاتا ہے
وہ اکثر مرے ہوئے کے نام پر دیا جاتا ہے اور منتر ادا ہوا بھی گنگا تلت کا کام
پورا اور مکمل ہو جاتا ہے - جب شرادہ کا یہ طریق ایک دفعہ شروع ہو گیا تو پھر بہت
جلد عام طور پر پھیل گیا - اسکے بعد جلدی ماہواری شرادہ کا رواج نہ صرف مرے
ہوئے آدمی کی یادگاریں قائم ہو گیا بلکہ لازمی طور پر ہندی ٹیکس کا جزو بن گیا اور
نہ صرف گرہستی کے لئے ضروری ہوا بلکہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی - اور نہ صرف
تین اونچی ذاتوں کے لئے بلکہ شودروں کے لئے بھی بغیر وید منتر پڑھنے کے قرار

دیا گیا - اور نہ صرف نئے چاند کے دن بلکہ کسی اور دن بھی جبکہ موقع ملجائے
گو بھلی پنڈ پیتری یگ کو بھی شرادہ کہکر پکارتا ہے اور بہاشیہ کار کی رائے
ہے کہ اگر پنڈ نہ ہوں تو بھی برہمن کو بھوجن دینا چاہئے۔

تاہم یہ شرادہ اعلیٰ شرادہ سے جسکو انو ہاریہ کہتے ہیں مختلف ہے۔ جو
اسکے بعد آتا ہے اور جسے پروان شرادہ کہتے ہیں۔ جو مشکلات کہ ہمیں پتروں
کے مختلط رسومات کی نوعیت کا خیال کرنے میں سامنے نظر آتی ہیں ایسی مشکلات
خود برہمنوں نے بھی محسوس کی ہیں چنانچہ شرادہ کلپ کے بھاشیہ میں ایک
بھاری مباحثہ درج ہے۔ کندرکانت اور تہ کا لنکارتے رگھو نندن کے
برخلاف سخت کلامی سے کام لیا ہے۔ اُن کے درمیان سوال یہ پیدا ہوتا
ہے کہ ان یگوں میں پردہان یگ کون ہے اور انگ کونسا ہے آخری نتیجہ
یہ ہے کہ پنڈ دان کرنا پردہان ہے جیسے پنڈ پتریگ میں بعض دفعہ برہمنوں
کو بھوجن دینا جیسا کہ نت شرادہ میں بعض دفعہ دونوں جیسے سپنڈی کرن
میں۔ اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدیمی ہندؤں کی زندگی میں کوئی دن بھی
ایسا نہیں گزرتا تھا۔ جبکہ وہ اپنے نزدیکی بزرگوں اور دور کے سمبندہیوں کو
سمرن نہ کرتے ہوں کچھ تو انہیں پنڈ دینے سے اور کچھ برہمنوں اور مستحق
آدمیوں کو خیرات کرنے سے۔ یہ دان پھل پھول۔ دودھ سے لے کر سونے
اور زیورات تک ہوا کرتے تھے۔ جن لوگوں کو شرادہ کرانے یا اس میں
امداد دینے کے لئے بلایا جاتا تھا۔ اُن کو بڑی اعلےٰ ضیافت دی جاتی
تھی اور زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ گوشت کا کھانا جو بعد کے سمرتیوں
میں منع کیا گیا ہے۔ ان ضیافتوں میں عام طور پر استعمال کیا جاتا تھا
بلکہ گائے کا مارنا اور کھانا تک جائز سمجھا جاتا تھا۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ شرادہ اگرچہ پتری یگ سے پیچھے شروع ہوئے
لیکن ہندؤں کی زندگی کے ابتدائی حالات کو ظاہر کرتے ہیں اگرچہ ان یگوں
کی کریا میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا ہے مگر انکی اصلی یا قدیم حالت بدستور قائم
ہے بلکہ آجکل بھی اگرچہ دیوتاؤں کی پوجا یہ تحول اڑایا جاتا ہے۔ لیکن شرادہ

ابھی تک پوترا اور شبھ کارج سمجھا جاتا ہے۔ وہ عیسائیوں کی عشائے ربانی کی
مانند ہیں اور یہ امر واقعی درست ہے کہ اکثر ہندو شرکت شرادھ اور پتروں کی
دوسری رسومات کو بڑی شردھا اور عزت کے ساتھ ادا کرتے ہیں میری رائے
میں مرے ہوئے بزرگوں کی خدمات کو نہ کرنا اور بزرگوں کی یادگار منانا ہمارے
اپنے مذہب ہندو دھرم اور عیسائی دھرم (سمجھے) میں ایک بھاری نقص اور کمی ہے
ہر ایک مذہب میں بزرگوں کی یادگار منانا ایک ہر دلعزیز اور مقبول شدہ
یادگار کا نشان ہے جو کہ ہندوؤں ماتا پتا کے نام پر کی جاتی ہے اگرچہ
کئی ملکوں میں یہ رسومات توہمات پرستی تک پہنچ گئی ہیں لیکن تاہم ان کے
اندر سچی خواہش بزرگوں کی یادگار کا موجود ہے جو کہ ہرگز مٹانا نہیں چاہئے
ابتدائی زمانہ میں عیسائی لوگ اپنے مرے ہوئے بزرگوں کی روح کے لئے
پرارتھنا کیا کرتے تھے اور جنوبی ممالک میں آل سینٹ اور آل سول ڈے کے پرلوک
تک من کی شانتی اور کامنا پوری کرنے کے لئے ابتک کرتے ہیں جو میری رائے
میں ہر ایک مذہب میں ایسا ہونا چاہئے ہم شمالی علاقہ کے رہنے والے اس
قسم کے رنج کا اظہار کرنے میں سنکوچ کرتے ہیں ہندوستان کے باشندوں کا عقیدہ
راستی پر مبنی ہے کہ ہمارے پیارے بزرگوں کی روح ہمیں چھوڑ نہیں سکتی
اگر ہم روزانہ پرارتھنا کرنے سے انہیں سنتوش نہ کریں یا انکی یادگاریں بنا کر پن دان
کرنے سے انکی ترپتی نہ کریں۔

نرنئے سندھو میں بارہ قسم کے شرادھ درج ہیں (۱) نت شرادھ۔ روزانہ
پتروں کے نام پنڈ دینا۔ جو انسان کہ کسی چیز کے دینے کی توفیق نہ رکھتا ہو
وہ صرف پانی سے ہی کر سکتا ہے (وشنو پران صفحہ ۲۶۳)۔
(۲) نیمتک شرادھ جو گاہے گاہے کیا جاتا ہے جیسے ایکودشٹ یعنی اس آدمی
کا شرادھ کرنا جو تھوڑے دنوں سے مرا ہو اور ابھی پتروں میں جاکر شامل نہ ہوا ہو
(۳) کامیہ شرادھ حسب مرضی خود کیا جاوے یا کسی خاص مطلب کے لئے کیا جاوے۔
(۴) ورِدھی شرادھ جو کسی خوشی کے موقعہ پر مثلاً سنتان اتپتی کے موقعہ پر کیا جاتا ہے
(۵) سپنڈن شرادھ جبکہ مرا ہوا بزرگ پتروں میں جاکر ملایا جاوے اس شرادھ کیلئے

چار پاتر درکار ہوتے ہیں جو سرسوں اور گھی کے خوشبودار پانی سے پر ہوتے ہیں اور مرے ہوئے بزرگ کے برتن کو پتریوں کے برتن میں ڈالتے ہیں۔ ایک طرح تو یہ ایکو دشسٹ شرادہ ہے اور نت شرادہ کی طرح کیا جاتا ہے یہ شرادہ عورتوں کے لئے بھی کیا جاتا ہے دیا گوکٹ ادھیائے اشلوک ۲۵۵ سو دشی

(۶) پاروں شرادہ جو کہ پرب کے دن کیا جاتا ہے۔ یعنی اکیم اشٹمی چتردشی اور پورن ماشی کے دن ۔

(۷) گوشٹی شرادہ جو دو والوں کے فائدہ کے لئے سبھا میں کیا جاتا ہے

(۸) شدھی شرادہ جو کسی پاپ کے پشچاتاپ کے لئے کیا جاتا ہے اور برہمنوں کو بھوجن کھلایا جاوے یہ پراکشچت کا انگ ہے ۔

(۹) کرم انگ شرادہ جو کسی اور سنسکار کا حصہ ہو منشا گربھ سنسکار یا جات کرم سنسکار کے موقعہ پر ۔

(۱۰) دیو شرادہ جو دیوتاؤں کے لئے کیا جاوے ۔

(۱۱) یاترا شرادہ جو سفر پر جاتے وقت یا صحیح وسلامت واپسی پر کیا جاتا ہے

(۱۲) پشٹی شرادہ جو کہ ارو گتا اور پراپتی دھن کے لئے کیا جاوے اسے آدپ کا ٹک بھی کہتے ہیں ۔

مگر ان میں سے خاص مشہور شرادہ چار قسم کے ہیں یعنی پروں۔ ایکو دشسٹ وردھی اور سپنڈن شرادہ خواہ اپنے استھان پر کیا جائے یا کسی الگ استھان پر۔ چند خاص مقامات ہیں جو پتروں کے شرادہ کرنے کیلئے پوتر اور مخصوص خیال کئے گئے ہیں اور یہ مختلف زبانوں میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ مہا بھارت میں حسب ذیل پوتر استھان درج ہیں کروکھیتر گیا، گنگا، سرسوتی۔ پربھاس اور پشکر۔ آدینہ پران میں گیا کھیتر پانچ کوس گیا سرس ایک کوس کا۔ دیگر استھان شرادہ کرنے کے لئے اشبھ خیال کئے گئے ہیں ان استھانوں کا مطالعہ کرنا جو شرادہ کرنے کے لئے پوتر یا اپوتر ہیں آئندہ نسلوں کے لئے علم جغرافیہ کے لحاظ سے بہت مفید ہوگا۔ صاحب توفیق انسانوں کے لئے شرادھوں کی تعداد جو سال میں کئے جا سکتے

مختلف ہے لیکن ۹۶ شرادہ عموماً لوگ تسلیم کرتے ہیں مسٹر بورگنی صاحب دہرم سندہو (رسالہ ایشیاٹک سوسائیٹی بمبئی سنہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۲۲۰) کے ترجمہ میں اس طرح شمار کرتا ہے ۔

(۱۲) اکیم یعنی ہر چاند کی پہلی تتھی کو ۔ (۴) یگ اور (۱۴) منونتر یعنے ہر ایک منونتر اور یگ کے پہلے دن ۔ (۱۲) کرانتی یعنی سوریہ کی ہر ایک راس کے دن ۔ (۱۲) وہرتی یعنی مہینے کے اس روز جبکہ چاند اور سورج ایک ہی خط میں بالمقابل ہوں (۱۵) مہالیہ جو بھادرو پد کے مہینہ میں چاند کے سال کے اختتام پر یگ اور جہتک رسومات کی جاتی ہیں ۔ (۱۲) پات جبکہ سورج اور چاند ایک دوسرے کے مخالف سمت میں ہوں ۔ یہ مہینہ وکرم آدیتہ کے سال کا آخری ہے اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ سالباہن کے سال کو مانتے تھے وہ بھی وکرمادیتہ سال کے اختتام پر شرادہ کرتے تھے ۔ (۵) اشٹک جو سال کے پانچ ماہ کے آٹھویں دن کئے جاتے ہیں (۵) انوشٹک جو سال کے پانچ ماہ کے نویں دن کئے جاتے ہیں ۔ پانچ پوروِدیہ جو سال کے پانچ ماہ کے ساتویں دن کئے جاتے ہیں چنانچہ ایک شلوک میں اس طرح مختصر طور پر لکھا ہے

अमा[illegible]महालयाः
अन्वष्टकानुपूर्वेद्युः षण्णवत्याः प्रकीर्तिताः॥

یہ خیال رہے کہ بقول کالبرک مختلف رشیوں کے سدہانت بلحاظ وقت اور تعداد شرادہ مختلف ہیں ۔

سمرتی میں پتریوں پر شردہا اور اُن کی پوجا کے نیم بہت پیچیدہ ہو گئے ہیں پہلے پتروں پر اور پیچھے دیوتاؤں پر دوشواش کا خیال قائم ہوا ۔

لیکن تاہم ایک اور پرلوک ہے جس کا ذکر ہندوستان کے قدیمی مذہب
میں پایا جاتا ہے سوائے دیولوک اور پتری لوک کے ایک اور لوک بھی
ہے جسکے بغیر ہندوستان کا قدیمی ویدک مذہب موجودہ حالت میں نہ ہوتا
تیسرے پرلوک کا نام رشی لوگوں نے رت (یعنی سیدھا مارگ) رکھا تھا جسکے
معنے میری رائے میں سیدھی لکیر کے ہیں۔ اس کا اطلاق قوانین قدرت
(سرشٹی نیم) کے تمام نیم پرلوک کاموں پر ہے مثلاً وہ نیم جن سے کہ موسمیں
اپنے نیم انوسار آتی ہیں وہ نیم جسکے انوسار روزانہ گردش دن و رات یا سورج
کی ہوتی ہے ہم اسے سرشٹی نیم کے نام سے پکارتے ہیں اور جب اس کا اطلاق
اخلاقی دنیا پر کرتے ہیں تو اسکے لئے اخلاقی قانون کا ذکر کرنا پڑتا ہے جس
پر ہماری زندگی کا انحصار ہے یعنی ست اور نیکی (رتک) کا اٹل نیم یا جس سے
کہ انسان باطنی اور بیرونی اوستھاؤں میں نیک بن جاتا ہے۔ جس طرح کہ قدرت
کی طرف سوچ وچار کی نگاہ کرنے سے پہلے چمکیلے دیوتوں کا خیال پیدا ہوا
اور آخر کار پرماتما کا خیال گزرا ٹھیک جسطرح ہمارے والدین کی محبت
رحم میں تبدیل ہوئی۔ اسی طرح سچائی کا خیال انسان کی بیرونی اور اندرونی
وستھاؤں میں پایا جاتا ہے یہ گویا کہ ضمیر کی آواز ہے جو انسان کو ہمیشہ نیکی کی
طرف مائل کرتی ہے۔ یہ تینوں قسم کے پرلوک کے خیالات قدیم زمانہ کے
یتین الہام ہیں ویدوں کے دریافت ہونے سے ہی ہم انیسویں صدی میں
وہم اور خیالات کی ان ابتدائی حالتوں کو دیکھتے ہیں جو کہ دوسری زبانوں
کے شروع ہونے سے پہلے گزر چکے تھے۔ ویدوں نے ہمارے سامنے ایک
پرانے شہر کو نکالا ہے جو تمام دیگر مذہبوں کی تاریخ میں ردیات اور فضلات
سے پر ہے اور کاریگری کے نئے مصالحہ سے طیار کیا گیا ہے۔ ہمارے زمانہ
دراز کے بچپن کے نہایت ہی ابتدائی اور سبق سکھلانے والے نظارے
پھر از سر نو ہماری یادداشت کے افق پر اٹھتے ہیں جو کہ ۳۰ یا ۴۰ سال قبل
ازیں بالکل مفقود ہو چکے تھے اب میں مختصر الفاظ میں تبلاؤنگا کہ کس طرح
ہندوستان میں مذہبی عروج کے پہلو بہ پہلو فلسفہ کے خیالات بھی نشو و نما پا رہے

بڑی خوبی ہم ہندوستان کے علم ادب میں یہ دیکھتے ہیں کہ فلسفہ ہندؤں کے
دھرم کو تکمیل کرتی ہے۔ فلسفہ اور دھرم پہلو بہ پہلو چلتے ہیں ایک دوسرے
سے جدا نہیں ہیں۔ وہ دھرم کا سب سے اعلیٰ (اتم انگ) جزو ہے۔ نہایت ہی
قدیمی فلسفہ کا پرانا نام ویدانت ہے یعنی ویدوں کا سب سے اعلیٰ مدعا
(یا ویدوں کا انت)۔ اب ہم پھر ایک دفعہ زمانہ سلف کے ایک مستند
پنڈت کے خیالات کا اعادہ کرتے ہیں جو پانسو برس قبل مسیح ہو گزرا ہے
وہ کہتا ہے کہ میرے زمانہ سے پہلے جس قدر دیوتا ہو گزرے ہیں اُن میں
تین قسم کے ہی اتم ہیں یعنی پرتھوی۔ وایو اور آسمان کے دیوتا جو مختلف
ناموں سے پکارے جاتے ہیں وہی مصنف کہتا ہے کہ درحقیقت ایک ہی
خدا ہے۔ لیکن وہ اسکو پرماتما۔ خالق۔ عالم اور تمام چیزوں کا رکھشا کرنیوالا
نہیں پکارتا۔ بلکہ وہ اُسے آتما کے نام سے منسوب کرتا ہے۔ اس لئے اُس
ایک آتما کی بہت سا دھنوں سے استتی کی جاتی ہے دوسرے دیوتا اُس آتما
کے انگ ہیں۔ اس لئے رشی لوگوں نے قدرت کے بیشمار نظاروں کو دیکھکر
اُن کے مطابق استوتر گائن کئے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ یہ خیالات ایک ودوان پنڈت کے ہیں نہ کسی رشی کے
لیکن تاہم اس قسم کے فلسفانہ خیالات پانسو برس قبل مسیح کے پائے جاتے ہیں
اور ایسے خیالات کا اصل اصول بعض ویدی منتروں میں بھی پایا جاتا ہے
سینے منتروں سے چند ایسے حوالے پہلے نقل کر دئے ہیں جیسے کہ وے متر
ورن اور اگنی کے بارہ میں ورنن کرتے ہیں وہ آسمانی پکشی گرومت ہے
وہ ایک ہی ہے اور رشی لوگ اُسے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں
وے یم اگنی اور ماترشوا کہکر پکارا کرتے ہیں۔

ایک اور رچا میں جس میں سورج کو پرندہ سے مشابہت دی گئی ہے
کہا گیا ہے کہ رشی لوگ اپنے الفاظ میں اُسے کئی تشبیہیں دیتے ہیں جو کہ کئی
ناموں سے مشہور ہے مگر دراصل ایک ہی ہے۔ اس تمام مسئلہ پر فلسفانہ
کا رنگ چڑھا ہوا ہے لیکن اور بھی ایسے منتر ہیں جن سے کہ نزدیک رشی

ان خیالات پر پہنچتی ہے جیسے کہ ایک رشی پرشن کرتا ہے جب وہ پہلے
پیدا ہوا تو کس نے اسے دیکھا جبکہ پیدا کرنے والے کی کوئی ہڈی نہیں تو
اسکو انسانی جسم کے واسطے کہاں سے استخوان ملے۔ دنیا کا خون۔ وجود
اور سانس وغیرہ کہاں تھے کون کس سے یہ بات پوچھنے گیا۔

ویدک علم ادب کے دوسرے زمانہ میں برہمن گرنتھوں اور اپنشدوں
میں جو ویدانت کا جزو ہیں یہ خیالات درجہ تکمیل اور وضاحت تک
پہونچتے ہیں یہاں مذہبی خیالات کا عروج جو دیوتاؤں سے شروع ہوتا ہے
مکمل ہو جاتا ہے یہ مانا کہ بہت مختلف دیوتاؤں کے سمجھنے کی بجائے اب
بہت نام ایک کے ہی سمجھے جاتے ہیں پرانے ناموں سے اب نفرت کی جاتی ہے
بلکہ پرجاپتی وشوکرما اور داتری وغیرہ نام اب بالکل معدوم ہو گئے ہیں آجکل
جو نام مستعمل ہوتے ہیں وہ نہایت ہی پاکیزہ اور اعلیٰ آدرش کو ظاہر کرتے ہیں
یہ لفظ آتما ہمارے لفظ انگریزی ([illegible]) سے زیادہ باریک اور بامعنی ہے
وہ تمام چیزوں کا آتما ہے اور تمام قدرتی واستانی دیوتاؤں کا وجود ہے کیونکہ
وہ صرف فرضی نام نہیں تھے بلکہ کچھ مطلب خیز نام تھے۔ آخر کار یہ آتما ہی
پرمیشور میں ہر ایک آتما جا کر شانتی حاصل کرتا ہے۔ آپکو یاد ہوگا میں نے
دوسرے لیکچر میں ایک لڑکے کا ذکر کیا تھا جس نے پتا کو کہا تھا کہ مجھے بھی
یگ میں قربان کرو جب وہ یم کے پاس گیا تو اس نے تین ور اسکو دیئے
اور تیسرا ور یہ تھا کہ مرنے کے بعد انسان کی اوستھا کیا ہوتی ہے یہ مکالمہ
ایک اپنشد میں درج ہے جو ویدانت کا ایک جزو ہے جو ویدوں کا
انتہائی آدرش ہے میں اس میں سے کچھ آپکو سناؤنگا کیونکہ یہ نہایت ہی
دلچسپ قصہ ہے "یم نے کہا جو شخص کہ دور کہیں اور دنیا میں رہتے ہیں۔ اگرچہ
وہ اپنے خیال میں دانا ہیں اور خالی علم کے گھمنڈ میں ہیں مثل اس اندھے کے
ادھر ادھر ڈگمگاتے ہیں جس کا راستہ دکھلانے والا بھی اندھا ہو۔ اس بے پرواہ
بچے کی آنکھوں کے سامنے آئندہ کا خیال کبھی نہیں آتا جو دولت کے نشہ میں
مخمور رہتے وہ خیال کرتا ہے کہ یہی دنیا ہے اور کوئی دنیا نہیں پس وہ بار بار جنم مرن

کے پھندے میں پڑا رہتا ہے جو بدھیمان پرش کہ اپنی آتما کا وچار کر کے اپنے اندر پرانے ساتھی آتما کو پہچانتا ہے جو درشٹی گوچر نہیں ہے جو تاریکی میں بھی پرویش کرتا ہے ۔ جو غار میں چھپا ہوا ہے جو گپھا میں نواس کرتا ہے وہ شوک اور موہ سے پار ہو جاتا ہے ۔ وہ گیانی آتما نہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا ہے وہ نہ کسی سے آیا اور کبھی کوئی چیز نہ تھا وہ انادی اجنما ہے وہ کبھی نہیں مرتا ہے اگرچہ شریر کا ناش ہو جاتا ہے وہ آتما سوکھشم سے سوکھشم ہے اور دیر گھ سے دیرگھ ہے ۔ ہر ایک پرانی کے پردے میں پنہاں ہے جو شخص کہ شوک اور لوبھ سے ابتیرن ہو جاتا ہے وہ پرماتما کی دیا سے آتما کا درشن کرتا ہے ۔ اگرچہ چپ چاپ بیٹھا ہو وہ بہت دور تک چلا جاتا ہے ۔ اگرچہ لیٹا پڑا ہو وہ ہر جگہ جاتا ہے ۔ سوائے آتما کے پرماتما کو کون جانتا ہے کون خوشی کرتا ہے اور کون خوشی نہیں مناتا ۔ وہ آتما نہ تو ویدوں سے پراپت ہوتا ہے نہ بدھی سے نہ ودیا سے جسے پرماتما پسند کرتا ہے وہی اُسے پا سکتا ہے آتما اسکو پسند کرتا ہے گویا وہ اس کا اپنا ہے لیکن وہ جو پہلے اپنی بدیوں سے باز نہیں آتا جسنے اپنے من اور اندریوں کو قابو نہیں کر لیا ۔ جس کے من میں شانتی نہیں ہے ۔ وہ ودیا کے ذریعہ بھی پرماتما کو نہیں جان سکتا ۔ کوئی انسان سانس کے ذریعہ زندہ نہیں ہے جو اوپر اور نیچے جاتا ہے ۔ بلکہ ہم کسی اور وستو کے ذریعے جیتے ہیں ۔ اب میں تجھے یہ بھید بتلاؤنگا جو نت شبد برہمن ہے اور مرتیو کے بعد آتما کی کیا اوستھا ہوتی ہے بعض تو پھر پرانیوں میں جسم لیتے ہیں بعض بر کھشوں اور پتھروں میں داخل ہوتے ہیں اپنے کرم اور گیان انوسار جونی ملتی ہے لیکن وہ جو مہان آتما ہے جو ہمارے اندر جاگتا ہے جبکہ ہم سوئے ہوئے ہیں اور سندر صورتیں یکے بعد دیگرے طیار کرتا ہے ۔ اسکو جیوتی ۔ برہمن اور امر کہتے ہیں ۔ تمام برہمانڈ اسکے ادھار پر ہیں اور کوئی اس سے پرے نہیں جا سکتا ۔ یہی پرماتما ہے ۔ جسطرح کہ اگنی جب دنیا میں پرویش کرتی ہے تو ایک ہوتی ہے ۔ لیکن جس جس چیز کو جلاتی ہے ویسے ہی مختلف ہوتی جاتی ہے ۔ اسی طرح آتما جو تمام وستوؤں

کے اندر ہے جس جس چیز کے اندر جاتا ہے۔ اُسی کے انوسار بھن بھن ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ الگ بھی رہتا ہے۔ ایک ازلی وچار کرنے والا ہے جو کہ ہر وقت مادی خیالات کو وچارتا ہے۔ اگرچہ وہ ایک ہے مگر بہتوں کی خواہشوں کو پورا کرتا ہے جو بدھیمان پرش کر اسکو اپنی آتما میں انوبھو کرتے ہیں وہ شانت اور امر ہو جاتے ہیں یہ تمام سنسار جب برہمن اپنی کرتا ہے اسکے سوانس میں کانپتا ہے وہ برہما کھینچی ہوئی تلوار کی طرح بھیانک ہے وہ جو اسکو جان لیتے ہیں اُس برہم تک نہ نو بانی دوارا پہونچ سکتے ہیں۔ نہ من دوارا نہ چکشو دوارا۔ اسکو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ مگر وہ جو کہتا ہے وہی ایک ہے جب دل کی تمام کامنائیں ستنشٹ ہو جاتی ہیں تب وہ امر ہو جاتا ہے اور برہم کو پراپت ہوتا ہے۔ جب ہردے کی تمام گانٹھیں کھل جاتی ہیں تب آتما امر ہو جاتا ہے۔ یہاں میری سکھشا کا خاتمہ ہو جاتا ہے اس کا نام ویدانت یعنی وید کا خاتمہ ہے اور یہی دھرم یا فلسفہ ہے جو ۵۰۰ برس قبل مسیح سے اب تک آریہ ورت میں پرچلت رہی ہے۔ اگر ہندوستان کے لوگوں کا کوئی دھرم میتری یگ شرادھ اور ذات پات کے بندھنوں کے سوا اب تک چلا آیا ہے وہ ویدانت فلاسفی ہے۔ جسکے موٹے موٹے اصول ہر ایک گانو کے لوگوں تک جانتے ہیں۔ دھرم کا تیز جیوت کرنا جو رام موہن رائے سے ۷۵ برس پہلے شروع کیا تھا۔ جس کا نام آجکل برہمو سماج ہے جس کا بانی میرا دوست بابو کیشب چندر سین ہے اس کا انحصار اُپنشدوں پر تھا جنکی تعلیم ویدانت سکھا رہا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ہندو خیالات کے نہایت ہی قدیمی اور عجیبہ خیالات جو ۳ ہزار برس سے زیادہ تک پھیلے رہے ہیں اُن کے درمیان اٹوٹ سلسلہ جاری ہے۔ آج تک ہندو لوگ دھرم سنسکار رواج اور قانون میں سوائے وید کے کسی اور کو مستند نہیں مانتے۔ جب تک ہندوستان آریہ ورت ہے کوئی شکتی ویدانت کی اُس پراچین بہاؤ کو نہیں مٹا سکتی جسکو ہر ایک ہندو بچپن کے زمانہ سے اپنے رگ و ریشہ میں رکھتا ہے جو کہ برہمنوں کی پرارتھناؤں میں۔ فلاسفروں کے دماغ میں اور فقرا

کی عام ضرب المثلوں یا کہاوتوں میں پایا جاتا ہے :-
اس لئے اُن گپت سرو تروں سے کچھ گیان حاصل کرنے کے لئے جن سے آریہ ورت کے سب سے اُتم اور نیچ لوگوں کے چلن خیالات اور افعال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ان کے دھرم سے واقفیت جس کا انحصار وید ہے اور اُنکی فلسفہ میں دسترس ہو! نہائیت ضروری ہے۔ جس کی بنیاد ویدانت پر ہے جس طرح یورپ کے بعض مدبراں اکثر پوچھتے ہیں اور ساتھ ہی اس خیال پر مخول اڑاتے ہیں کہ دھرم اور فلسفہ کا پالیٹکس (امور تمدن وملکی) سے کیا تعلق ہے اگرچہ ہندوستان میں مذہبی خیالات سے لاغرض اور بے پرواہی ظاہر کیجاتی ہے۔ مگر باایںہمہ دھرم اور فلسفہ اسوقت تک ہندوستان میں بڑی بھاری طاقت ہیں خواہ آپ دو دیسی مدبراں کے کارنامے مطالعہ کریں جو جوناگڑھ اور بھاؤنگر ریاست میں بڑے نامور ہو گزرے ہیں جن کے نام نامی گوکل جی اور گوری شنکر ہیں آپ انہیں پڑھکر دیکھیں گے کہ ویدانت اسوقت تک ہندوستان میں اخلاقی اور پولیٹکل طاقت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن میرا دعویٰ اس سے بھی بڑھکر ہے میں اس کے مطالعہ کرنے کیلئے صرف سول سروس کے طلبا ہی کو سفارش نہیں کرتا۔ بلکہ اُن تمام فلسفہ کے طلباء کو بھی جو علم فلسفہ میں کامل مہارت حاصل کرنے کے خواہشمند ہوں ویدانت ان کے سامنے زندگی کا وہ پہلو پیش کرتا ہے جو زندگی کے ان تمام پہلوؤں سے مختلف ہے جو فلاسفی کی تواریخ میں ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کس طرح تمام دیوتاؤں کے بعد اپنیشد کاروں نے آتما کو معلوم کیا ہے۔ اس آتما سے انہوں نے تین چیزیں معلوم کی ہیں یعنی یہ کہ آتما ہے وہ انوبھو کرتا ہے اور کہ وہ سروانند ہو سکتا ہے۔ باقی وہ نرگن ہے یعنی آتما یہ یا وہ نہیں ہے وہ تمام چیزوں سے پرے ہے جو ہم چنتن کرتے ہیں یا انوبھو کرتے ہیں۔ لیکن وہ آتما جسے پرماتما بھی کہا جاتا ہے سخت تپ کرنے سے پراپت ہوتا ہے جو لوگ اسُ تک نہیں پہونچ سکتے تھے انہیں چھوٹے درجہ کے دیوتوں کے پوجنے کی آگیا تھی اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے اُن کی تعریف میں شاعرانہ

مبالغہ کرتے تھے وہ لوگ جو دیوتاؤں کو محض نام یا وجود ہی تصور کرتے تھے
جنہیں سنسکرت میں وہ پرتیکش کہتے ہیں جانتے تھے کہ وہ جوان ناموں
یا وجودوں کی پوجا کرتے ہیں فی الحقیقت او دیا سے اُس پرماتما ہی کی پوجا
کرتے ہیں ہندوستان کے دھارمک اِتہاس میں یہ اعتقاد وششٹ گن ہے
چنانچہ بھگوت گیتا میں جو ویدانت کی مستند اور ہردلعزیز کتاب ہے بھگوان
کہتا ہے "وہ جو پرماتما پوجتے ہیں درحقیقت میری پوجا کرتے ہیں۔ لیکن یہاں
ہی تک نہیں ہے۔ جس طرح اگنی۔ اندر اور پرجاپتی ناموں کے پیچھے
اور تمام قدیمی داستانوں کی تہ میں ہندوستان کے قدیمی رشیوں نے آتما کو
انوبھو کیا تھا۔ انہوں نے شریر۔ اندریوں۔ من اور بدھی کے پرے ایک
اور آتما میں انوبھو کیا تھا وہ پرماتما سخت تپ اور لوگ ابھیاس سے ہی
انوبھو ہو سکتا ہے جو لوگ اسے پراپت کرنا چاہتے ہیں جو اس آتما کو
جاننا چاہتے تھے۔ انہیں بہت سخت تپ کرنا پڑتا تھا۔ یہ تمام دیو کہلاتے
تھے۔ جو کہ محض نام ہی تھے مگر بے مطلب نہ تھے۔ یہ خیال ویدانت درشن
میں باقاعدہ اور مکمل معلوم ہوتا ہے جو شخص کہ برکلے کی فلسفہ کی پرشنسا
نہیں کر سکتا وہ اپنشدوں۔ برہمن۔ سوتروں اور اُن کے بھاشیہ کو سوائے
بدھیمان اور ویراگیہ درشٹ ہونے کے مطالعہ نہیں کر سکتا۔ میں مانتا ہوں کہ
اس کے لئے دھیرج۔ دھرتی اور بہت صبر بلکہ برہمچریہ کی ضرورت ہے قبل
اسکے کہ ہم مشرقی فلسفہ کی تاریک معدنیات میں سونے کے ذرات حاصل کرنے
کا یتن کریں۔ نکتہ چینیوں کے لئے قدیمی دنیا کی فلاسفی اور مذہبی مضحکہ خیز
باتوں پر نکتہ چینی کرنا سہل ہے بجائے اسکے کہ ایک سنجیدہ طالب علم
اُن کے اندر سے دانائی اور سچائی کو دریافت کرے۔ تاہم اس تھوڑے
سے زمانہ میں بہت کچھ ترقی ہو گئی ہے۔ اب مشرق کی مقدس کتابیں دیکھنے
کے لئے مخول اڑانے کی کتابیں نہیں رہیں۔ اب انہیں تاریخی دستاویز
سمجھا جاتا ہے جو انسانی دماغ کی تاریخ میں نہایت ہی قدیمی دستاویز ہیں جو کہ
علم تحقیقات حالات قدیم کے باقاعدہ دفتر ہیں۔ جن کو مطالعہ کرنا زیادہ دلچسپ

اور مفید ہے بہ نسبت اسکے کہ زمین کی قدرتی بناوٹ کا مطالعہ کیا جاوے۔ جسپر کہ ہم کچھ عرصہ کے لئے قیام پذیر ہیں یا انسانی جسم کی بناوٹ اور افزائش کے اعضاء بڑھنے کا مطالعہ کیا جاوے۔

اگر آپ کا یہ خیال ہو کہ میں مبالغہ آمیز الفاظ تحریر کرتا ہوں۔ تو اسکے ثبوت میں آپ کے سامنے شوپن ہار کی رائے پڑھتا ہوں جو اعلیٰ درجہ کا فلاسفر اور دیرگہہ درشٹی انسان ہو گزرا ہے۔ جس کی رائے ویدانت اور اپنشد کے بارہ میں حسب ذیل ہے تمام دنیا میں کسی کتاب کا مطالعہ ایسا مفید اور اونچے بھاؤ پیدا کرنے والا نہیں جیسا کہ اپنشدوں کا۔ یہ میرے جیون میں شانتی دینے والے ہیں اور مرتیو کے سمے میں بھی مجھے شانتی دینگے۔ جیتے جتنی الوسع اپنے لیکچروں کے دوران میں آپ کو قدیمی ہند کے قدیمی علم ادب اور قدیمی دہرم کا کچھ خیال دے دیا ہے۔ میرا مطلب آپکے سامنے صرف نام اور واقعات پیش کرنے سے نہیں تھا یہ تو آپ کی کئی چھپی ہوئی کتابوں میں مل سکتے ہیں بلکہ میرا مدعا یہ تھا کہ میں آپکو وہ تمام انسانی مفاد دکھلاؤں جو کہ انسانی نسل کی تاریخ کے نہائیت ہی قدیمی باب میں پائے جاتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ وید۔ ان کا مذہب اور فلسفہ آپ کو عجیب اور اجنبی معلوم نہ ہو۔ بلکہ آپ محسوس کریں کہ اس میں کوئی ایسی چیز ہے جس کا تعلق ہمارے جیون کے ساتھ ہے جو ہماری اپنی دماغی افزائش سے وابستہ ہے۔ ہمارے عہد طفولیت کی یادداشتیں ہیں یا کم ازکم ہماری قوم کے عالم بچپن کے خیالات کا اجتماع ہیں میرا یقین ہے کہ ہم اپنی زندگی کی موجودہ اوستھا میں بھی ویدوں سے ایسے ضروری سبق سیکھتے ہیں۔ جیسے کہ ہم مدرسہ میں ہومر اور ورجل کی کتابوں سے اور نیز ویدانت درشتی سے ایسے فلسفہ کے خیالات اور عجوبات حاصل کرسکتے ہیں۔ جیسے افلاطون یا سپائنوزا سے۔

میرا مطلب یہ نہیں کہ ہر ایک انسان کے لئے سنسکرت اور ویدک سنسکرت کا مطالعہ کرنا لازمی ہے۔ جو اسبات کے معلوم کرنے کا خواہشمند ہو

کہ کس طرح انسانی نسل موجودہ اوستھا کو پہونچی - کس طرح زبان نے موجودہ حالات تک عروج اور ارتقا حاصل کیا اور کس طرح مذہبی خیالات نے موجودہ زمانہ تک پلٹے کھائے اور کس طرح اخلاق - رواج - قوانین اور راج نیتی کے اصول موجودہ اوستھا تک پہونچے - لیکن یہ میرا پکا نشچے ہے کہ سنسکرت کے نہ مطالعہ کرنے اور ویدوں کے نہ پڑھنے سے انسانی دماغ کی تواریخ میں تاریک راستوں پر روشنی کا پڑنا محال ہے اور اس دماغ و بدھی کی ماہیت کا جاننا (جس پر کہ ہم اپنے جیون کا انحصار رکھتے ہیں) دشوار ہے بلکہ اسقدر نقصان ہوگا جسطرح کہ ہم زمین اور علم طبقات الارض کے حالات سورج - چاند اور ستاروں کی گردشیں جاننے کے بغیر اپنے جیون کو بسر کر جاویں اور کچھ نہ معلوم کریں کہ کون ان حرکات کو ترتیب میں رکھتا ہے اور کس طرح یہ تغیرات اور حرکات پیدا ہو رہے ہیں ٭

کاتک سمت ۱۹۶۸

سماپت ہوا

فخر قوم لالہ لاجپت رائے جی کی تمام تصانیف

آریہ سماج کا کل لٹریچر

پوتر آتما مہا پرشوں کے جیون برتانت

کے علاوہ آپ کو جب کبھی کسی بھی علمی - اخلاقی - ملکی - مجلسی اور وچارک کتاب کی ضرورت ہو پستک بھنڈار لاہور کو لکھئے تعمیل فوراً حسب الارشاد ہوگی ٭

آپ کا شبھ چنتک پنڈت چمی داس مالک پستک بھنڈار لاہور

طلسم نہیں تو اور کیا

سنئے صاحب! صرف قلیل عرصہ یعنی چند ماہ میں دی پنجاب جنرل بزنس کمپنی پپلاں ضلع میانوالی کی تعداد ممبران چھبیس ہزار تک پہنچ گئی ہے جو کہ اس کی قابلیت کا کافی ثبوت ہے۔ اگر اب بھی جناب داخل ہو کر مستفید نہ ہونگے۔ تو کب ہونگے۔ جلدی ممبر بن کر فائدہ اٹھائیے۔ اور اخراجات شادی وغیرہ پر دل کھول کر کیجئے۔ مفصل حال پراسپکٹس منگوا معلوم کر سکتے ہیں جو بلا قیمت ارسال ہوگی۔

شاخہا۔ کمپنی رفاہ عام پانچ شاخیں کھولی ہیں **شادی منگنی۔ تہوار سنت یگیوپویت یعنی جینو۔ جھنڈیا کیس دھارن۔**

میعاد ممبری۔ تمام شاخوں میں سے ہر شاخ کی میعاد ممبری چھ ماہ یا کم از کم چھ چندے ہے ہر شاخ پانچ درجوں میں منقسم ہے ممبر پانچ درجوں میں شامل ہو سکتا ہے تفصیل چندہ حسب ذیل ہے

چندہ درجہ اول عـه ماہوار درجہ دوم صه ماہوار درجہ سوم سے ماہوار درجہ چہارم عه ماہوار درجہ پنجم ۲ر لایق ایجنٹوں کی ہر وقت ضرورت ہے ہر ایجنٹ کا حساب آخیر ماہ کو بند ہو کر دوسرے ماہ کی ۳ تاریخ تک صدر میں پہنچ جانا لازم ہے۔ ورنہ اس ماہ کا حق کمیشن مجرا نہ دیا جاویگا۔ ملک کا خادم

پیرمانند ملہوترہ جنرل منیجر دی پنجاب جنرل بزنس کمپنی پپلاں ضلع میانوالی

مبارک! مبارک!! مبارک!!!

دی نیشنل سہایتیا فنڈ لمیٹڈ پشاور کو ہی فخر حاصل ہے
کہ جس نے اپنی قسم کا نرالا مفید غمگسار فنڈ سمر ونیٹس ریلیف فنڈ
جو کہ گورنمنٹ ملازموں کو بروقت موقوفی ترک ملازمت
پنشن۔ فوتیدگی مقدمہ وغیرہ پر انکو اور اُنکے پسماندگان کیلئے
جائے تکیہ ہے۔ کھول رکھا ہے۔ زندگی سروس دونوں کا بیمہ
ہو جاتا ہے۔ اسکے علاوہ اس کی اور شاخیں بھی
ہیں مثلاً فنڈ۔ شادی۔ منگنی۔ جھنڈ
جنیو پویت۔ کے موقع پر کافی امداد دیتا ہے۔

ایجنٹوں کی ہر شہر قصبہ میں سخت ضرورت ہے
کمیشن معقول دیا جاتا ہے

پراسپکٹس وغیرہ کیلئے یاد کرو
میسرز رابا اینڈ کمپنی مینجنگ ایجنٹس دی نیشنل
سہایتیا فنڈ لمیٹڈ پشاور

زندگی کو قائم رکھنے کا عجیب لٹکا

اگر آپ کا یہ خیال یقینی ہے کہ ہندو قوم بن آئی موت کر رہی ہے تو تمام ہندؤں کو اپنی صحت کا خیال رکھنا سب سے ضروری ہے۔ اگرچہ ہندو قوم عموماً لادر ہو۔ مگر انکی خوراک بالکل معمولی ہوتی ہے اور جو امیر آدمی عمدہ خوراک کا بھی استعمال کرتے ہیں وہ ورزش سے ہماری اور غذا کے ہضم کرنے کے ناقابل ہونے کے باعث ہمیشہ بیمار ہی بلکہ بیماری در بیماری میں مبتلا دیکھے جاتے ہیں۔ اور ہر طرف سے ہر قسم کی کمزوری کی شکایت سنائی دیتی ہے۔ اسلئے ہم ان اشخاص کو مژدہ دیتے ہیں کہ جو صاحب مضبوط توانا بننا چاہتے ہیں اور دودھ اور گھی ہضم کرنیکے خواہاں ہیں نیز گئی ہوئی طاقت کو واپس لانا چاہتے ہیں جو کئی قسم کی بے بجا حرکتوں کے باعث بیرج یعنی منی کو ناش کر چکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ نئے سرے سے جوان مرد ہو جاویں آئیں ہماری اکسیر اعظم کا استعمال کریں اس کے استعمال سے جسمانی اور دماغی کمزوری دور ہو کر ایک ہفتہ میں ہی سات پونڈ نیا خون جسم میں بڑھ جاتا ہے جس کا ثبوت وزن کرنے سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ نیز جریان اور احتلام و ضعف باہ وغیرہ سے رہائی حاصل ہو جاتی ہے ہماری تحریر کی صداقت جھنگ سیال جیسے آزاد نویس اخبار کا تجربہ اور ریویو کافی ہوگا۔

جھنگ سیال ۶ اپریل سے بیسیوں اشیاء ریویو کیلئے آتی ہیں لیکن بانکا دیال کبھی انپر غور نہیں کرتا۔ حکیم کرپارام صاحب صیغی کا اکسیر اعظم بھی دیگر اشیاء کیطرح پھینک دیا جاتا۔ مگر اسکے ہمراہ بانکا دیال کے ایک خاص دوست لالہ خیراتی رام صاحب خاکسار کا خط تھا کہ اس کو دیکھو۔ جو پاؤ ریویو فرما و خیال آیا ہو نہ ہو یہ دوائی کسی نسخے سے بنی ہے جسکی نسبت خاکسار بھی سفارش کرتا ہے۔ بانکا دیال نے اپنے دوست کو بتجربہ استعمال کرائی دوائی واقعی اکسیر اعظم ہے۔ بانکا دیال کا دوست جو مشکل ایک چھٹانک گھی ہضم کر سکتا تھا پاؤ پاؤ ڈیڑھ ڈیڑھ پاؤ گھی ہضم کرنے لگا سیروں دودھ پی جاتا اور ڈکار تک بھی نہ لیتا طبیعت بشاش رہنے لگی چہرہ پر بھی تازگی کے آثار نمایاں ہو گئے مطلب یہ کہ دوائی نے اپنی تعریف بانکا دیال سے زبردستی کرا لی۔

المشتہر۔ حکیم کرپا رام صیغی مہتمم کارخانہ اکسیر اعظم المعروف کرپا لوریان حافظ آباد

ہندوستان شادی سہولت فنڈ لمیٹڈ رجسٹرڈ ۱۹۵۱ء [illegible]

حب الوطنی کا سچا ثبوت

تعداد ممبران زائد از گیارہ ہزار

فنڈ ہذا ان دنوں عوام میں ہر دلعزیز ہو رہا ہے آپ اس نادر موقعہ کو ہاتھ سے نہ دیویں خود بھی شامل ہوویں اور لابھ اٹھاویں اور اپنے رشتہ داروں کو بھی فنڈ ہذا کی طرف راغب کریں جیسا کہ داناؤں کا قول ہے ؏

آنکھیں کھُل گیئں جب چاند نکل آیا

کوئی فیس داخلہ بوقت شمولیت نہیں لیا جاتا مفصل حالات کے لیے پراسپکٹس طلب کریں جو دفتر سے مفت ملتا ہے۔

المشتہر

پبلک کا خیر خواہ سکریٹری فنڈ ہذا

ضرورت ہے
دی پاپولر میوچل ریلیف فنڈ لمیٹڈ
جھنگ مگھیانہ
کے لئے
چست و چالاک ایجنٹوں کی جو کہ فنڈ ہذا کا کام
بخوبی کر سکیں۔ کمیشن معقول۔ شرائط پسندیدہ
قواعد مقبول عام۔ اس وقت تعداد ممبران
٦٠٠٠ ہے (چھ ہزار ہے) اور روز بروز بڑھ رہی ہے
نیازمند
ٹکا یا رام مینجنگ ڈائریکٹر دی پاپولر
میوچل ریلیف فنڈ لمیٹڈ جھنگ مگھیانہ

ہمالیہ کا شدھ سلاجیت

اصل سلاجیت کا ست

دنیا میں ہمالیہ پہاڑ کا سلاجیت (کالی موصیائی) مشہور ہے آپنے اسکی بابت
سنا ہوگا لیکن اصل سلاجیت آپنے دیکھا بھی نہیں جو سلاجیت بازار فروخت ہوتا
ہے۔ وہ بالکل بناوٹی یعنی سڑے ہوئے پتوں اور بوسیدہ جڑیوں کا مرکب ہوتا ہے
جو بجائے فائدہ مند ہونیکے الٹا نقصان پہنچاتا ہے ہم نے اصل سلاجیت کو پوری
طرح سے صاف کرکے کا ست تیار کیا ہے جس نے ہمارے سلاجیت کے ست کا ایک
مرتبہ بھی استعمال کیا۔ وہ ہمیشہ کے لئے اسکے عجیب وغریب فائدوں کا
معتقد ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہندوستان میں کیا بلکہ روئے زمین کے
دیگر ممالک میں بھی ہر طرف مشہور ہو رہا ہے۔ یہ سب قسم کی جریان
کمزوری۔ سستی دماغ۔ ضعف معدہ اور بواسیر وغیرہ کے مرضوں
کے لئے اکسیر اعظم ہے ۔

آپ اس کو چند روز استعمال کریں۔ پھر آپ کو کسی دوا کی ضرورت نہ ہوگی
تندرست انسان جو اسکا استعمال کرینگے انکا معدہ ایسا قوی ہو جائیگا کہ جو کھائینگے
ہضم کر سکیں گے بھوک کھل کر لگے گی جسم میں قوت اور دل و دماغ میں فرحت
پیدا ہوگی۔ خون بڑھ جائیگا اور کوئی مرض انکو دبا نہ سکے گی ۔
صحت کے طلبگاروں کو ایکدفعہ اسکے فائدوں کی آزمائش ضرور کرنی چاہیئے۔
قیمت شیشی نصف اونس ... شیشی نمونہ

المشتہر

ہمالیہ اوشدھالہ شملہ و لاہور

مژدہ! مژدہ!! مژدہ!!!

ملک و قوم کی خاطر دی ہند و برنس کمپنی
نے ڈیرہ اسمٰعیل خان میں جنم لینا منظور
فرمایا ہے جس میں فی الحال تین شاخہائے
ہیں **شادی منگنی جہیز** چندہ
ماہواری اسقدر کہ غریب سے غریب اور امیر سے امیر
بھی داخل ہو کر فائدہ اٹھا سکتے ہیں آج ایک پیسہ
کا کارڈ بنام مینجنگ ایجنٹ ڈالکر قواعد ملاحظہ
کیجیے اور خود فائدہ اٹھائیے اور دیگر واقفین کو
مستفید بنائیے نیز ساہوکارہ و آڑھتی صاحبان بھی
ہماری معرفت کاروبار کر سکتے ہیں

ملک کا خادم

ایل آر کھیر مینجنگ ایجنٹ دی ہند و برنس کمپنی

ڈیرہ اسمٰعیلخان

ENADS
SOAP
نیم کا صابن
اس صابون کے استعمال سے بدن نرم اور صاف رہتا ہے اور خون کبھی گندہ نہیں
چہرہ سیب کشمیری کیطرح چمکنے لگتا ہے اور انسان ہر وقت پلیگ جیسی نامراد مرض سے
پھوڑا ۔ پھنسی وغیرہ امراض کیلئے اکسیر ہے اور زخموں وغیرہ کے دھونے کیلئے نہایت
ڈاکٹر صاحبان اسے کاربالک صابن کی بجائے استعمال کراتے ہیں قیمت فی ٹکیہ ۴ ر فی بکس
ٹکیہ مین ۱۲ در جن بکس (معہ)
احتیاط ہمارے نیم کے صابن کی زیادہ بکری و شہرت دیکھکر بہت سے لوگوں نے نیم کا صابن تیار کرنا
شروع کر دیا ہے اسلئے خریدتے وقت ڈاکٹر ایشری پرشاد صاحب کا نام بکس و ٹکیہ صابن پر دیکھ لیا کریں
ہمارے نیم کے صابن پر معزز اخبارات کی تازہ رائیں
اخبار ہندوستان
مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۱۱ء
ہمارے دفتر میں ڈاکٹر ایشری پرشاد صاحب موجد ادویات نیم کا بنایا ہوا نیم کا صابون بغرض ریویو موصول ہوا اسکی نسبت دعوے کیا گیا ہے کہ وہ پھوڑا پھنسی ۔ پت سوداوی مادہ داد دھدر ۔ اور خون کی بیماریوں کو دور کرتا اور جسم کو ملائم رکھتا ہے میںنے ایک بچہ پر جسے پت کی شکایت تھی اس صابون کا استعمال کرایا اور واقعی مفید پایا پیکنگ وغیرہ بہت خوبصورت ہے قیمت ایک بکس جسمیں تین ٹکیہ ہیں (۱۲؍)
اخبار پرکاش لاہور
۱۵ کاتک سمت ۱۹۶۸
ڈاکٹر ایشری پرشاد صاحب مالک کارخانہ ادویات اجزائے نیم لاہور کی طرف سے ہمیں ایک بکس نیم کے صابن کا ریویو کیلئے آیا ہے یہ بکس اندرونی خوب سیرتی کے علاوہ بیرونی خوبصورتی میں بھی نفیس ہے ۔ نیم کے صابون کا استعمال پھوڑے پھنسی اور خارش کے لئے بہت مفید ثابت ہوا ہے
قیمت فی بکس (۱۲؍)
اخبار ٹریبیون لاہور کے ایڈیٹر صاحب
مورخہ ۹ نومبر ۱۹۱۱ء
کی اشاعت میں تحریر فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر ایشری پرشاد صاحب مالک کارخانہ ادویات نیم لاہور کا بنایا ہوا نیم کا صابن تمام جلدی امراض سے محفوظ رہنے کیلئے مفید ہے ڈاکٹروں اور اہل حکمت نے جسم کی تمام خرابیوں کو دور کرنے کیلئے اس کی بہت تعریف کی ہے جو تین ٹکیہ کے ایک نہایت خوبصورت بکس میں بارہ آنے قیمت پر فروخت ہوتا ہے
پتہ ملنے کا ڈاکٹر ایشری پرشاد موجد ادویات نیم لاہور
ہر شہر و قصبہ میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے قواعد ایجنسی اور نمونوں کیلئے خط و کتابت